وصایا انبیاء و اولیاء انسائیکلوپیڈیا

جلد سوم

مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی

خلیفہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

امام وخطیب مصلّی حبتور بلڈنگ، دبئی، عرب امارات

مؤلف کا مختصر تعارف

نام: ثمین محمد ابراہیم
قلمی نام: محمد ثمین اشرف قاسمی
کنیت: ابوصہیب
ولدیت: حاجی محمد ابراہیم نقشبندیؒ (۱۹۱۰ء - ۱۹۹۳ء)
جدامجد (دادا): حاجی جان علیؒ (بلہا جنک پور روڈ، پپری، سیتامڑھی، بہار)
جدامجد (نانا): حضرت مولانا عبدالغفار صاحبؒ (پرسونی، دربھنگہ، بہار)
پیدائش: ۱۹۵۹ء بمقام مادھوپور، سلطانپور، سیتامڑھی، بہار
تعلیم: عالم فاضل ومفتی از دارالعلوم دیوبند
تربیت وتزکیہ: والد علیہ الرحمۃ۔ حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ۔
حاجی منظور احمد صاحبؒ، مصرولیا۔ مولانا شمس الہدیٰ مدظلہ
بیعت وارشاد: حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ، خلف مجاز حکیم الامتؒ
خلافت واجازت: حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم
موجودہ ذمہ داریاں: امامت وخطابت مصلّٰی حبتور، بردبئی
مفسرِ مجلس تفسیرِ قرآن، مصلّٰی حبتور، بردبئی
مدرّس درسِ حدیث، مسجد الغریر، بہ اِذن وزارت الاوقاف
معاون خصوصی، ادارۂ دعوۃ الحق، مادھوپور سلطانپور، بہار
ٹرسٹی، مسجد جان علی، جان علی اسٹیٹ، مادھوپور، سلطانپور
تالیفات: * احکام ومسائل (دس ایڈیشن) * علاماتِ ایمان (چار ایڈیشن) * حق جل مجدہ کی باتیں (احادیثِ قدسیہ) * وصایا انبیاء و اولیاء انسائیکلوپیڈیا (چار جلدیں) * مسلمانوں پر بلائیں کیوں آتی ہیں؟ * تعوّذ کی حکمتیں * خواصِ اُمت سے چند صاف صاف باتیں * کیمیائے درویشاں * لاحول ولاقوۃ الاباللہ * علاماتِ سعادت
زیرِ طبع تالیفات: * تجلیاتِ قدسیہ (دوجلدیں) * نفحاتِ قدسیہ (دوجلدیں) * مجموعہ وصایا انبیاء و اولیاء انسائیکلوپیڈیا (پانچویں جلد) * یأتی علی الناس زمان (علاماتِ قیامت)
اسفار: پاکستان، سلطنت عمان، سعودی عربیہ، عرب امارات

کتاب اکابرِ اُمت کی نظر میں

.... یہ اہم خدمت جو محترم مصنف مولانا مفتی محمد ثمین اشرف (فاضل دار العلوم دیوبند) نے 'وصایا انبیاء و اولیاء انسائیکلوپیڈیا' تصنیف فرما کر انجام دی ہے، اس کی فکری ندرت کا محوری نقطہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کی جملہ جہات پر مشتمل دینِ فطرت 'اسلام' جن مکمل و وقیع احکام و ہدایات پر مشتمل ہے، نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر، اپنے اس آخری اور جامع ترین وصیت آمیز خطبے میں تیئس سال میں مکمل ہونے والی وسیع الذیل اسلامی تعلیمات کی مکمل ترین تلخیص فرمادی۔

(حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، مہتمم دار العلوم وقف دیوبند)

..... ہمارے محترم المقام واجب الاحترام حضرت مفتی محمد ثمین اشرف زید مجدہ کے 'پرسوز قلب نے اس جذبۂ خیر خواہی کے پیش نظر انبیائے کرامؑ، صحابہ کرامؓ اور اولیائے عظامؒ کے وصایا کو ایک ضخیم کتاب کی شکل میں یکجا کردیا ہے۔ یہ کتاب آنے والی نسلوں پر ایک عظیم احسان ثابت ہوگی۔

(محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی)

..... محبّ مکرم مولانا ثمین اشرف صاحب زید مجدہ نے نہایت نادر و بصیرت افروز نصیحتیں جمع فرمادی ہیں اور ظاہر ہے کہ ان مقدس حضرات کی نصائح سے بڑھ کر اُمت کے لیے کس کی نصیحتیں مفید ہوسکتی ہیں۔ اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (حضرت مولانا محمد قمر الزماں الہ آبادی)

..... مفتی محمد ثمین اشرف سلّمہٗ کو اللہ نے تحریر و تقریر و تفسیر کیلئے منتخب فرمالیا ہے۔

(حضرت مولانا شمس الہدیٰ مدظلہ خلیفہ حضرت حاجی منظور احمد نقشبندیؒ، مصرولیا)

..... یہ کتاب صادقین کی صحبت کا بدل ہے۔ (مولانا محمد ابراہیم قاسمی)

..... کتاب بہت پسند آئی۔ (مولانا محمد عاقل دامت برکاتہم)

..... یہ تالیف اپنے موضوع پر جامع اور مکمل ہے۔ (مفتی عزیز الرحمٰن فتح پوری)

..... قدیم اور جدید اہلِ علم کا ایک بیش بہا خزانہ۔ (مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی)

..... یہ کتاب علمی کام میں برکت کی دلیل ہے۔ (مولانا محمد رحمت اللہ میر قاسمی)

وصایا انبیاء و اولیاء انسائیکلوپیڈیا

جلد سوم

مؤلف

مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی

خلیفہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

امام وخطیب مصلّٰی حبتور بلڈنگ، دبئی، عرب امارات

باہتمام

حافظ محمد رزین اشرف ندوی، پونے

نام کتاب	:	وصایا انبیاء و اولیاء انسائیکلوپیڈیا (جلد سوم)
مؤلف	:	مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی
ناشر	:	حافظ محمد رزین اشرف ندوی
سنِ اشاعت اوّل	:	۲۰۰۴ء (ایک جلد میں بعنوان مجموعۂ وصایا انبیاء و اولیاء)
سنِ اشاعت دوم	:	۲۰۱۲ء (چار جلدوں میں)
صفحات	:	۳۲۸ (جلد سوم)
تعدادِ اشاعت	:	۱۱۰۰
کمپیوٹر کمپوزنگ و سرورق	:	مدنی گرافکس، ۳۰۵-سوموار پیٹھ، پونے-۱۱
طباعت	:	اسٹیپ اِن سرویسز، قصبہ پیٹھ، پونہ

❖❖❖ ملنے کے پتے ❖❖❖

- محمد صہیب اشرف بن مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی
  حبتور بلڈنگ، بر دبئ
  موبائل: 0097143550426 / 0097150715743l
- مولانا محمد امین اشرف قاسمی، ادارۂ دعوۃ الحق
  مادھو پور، سلطان پور، پوسٹ ٹھاہر، ضلع سیتامڑھی، بہار
  موبائل: 09934453995
- حافظ محمد رزین اشرف ندوی، صدر مدرّس دار العلوم نظامیہ صوفیہ
  گھر کا پتہ: فلیٹ نمبر ۷، چوتھا منزلہ، سلور آرک اپارٹمنٹ،
  گلی نمبر ۳۱، بھاگیہ دیونگر، کونڈوا، پونہ - ۴۱۱۰۴۸
  موبائل: 09370187569

حدیثِ وصیت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَا حَقُّ اِمْرَأٍ مُّسْلِمٍ لَہٗ شَیْءٌ یُرِیْدُ اَنْ یُّوْصٰی فِیْہِ یَبِیْتُ لَیْلَتَیْنِ اِلَّا وَ وَصِیَّتُہٗ مَکْتُوْبَۃٌ عِنْدَہٗ

کسی مسلمان کو یہ حق نہیں کہ کسی چیز کی وصیت کرنا اس پر ضروری ہو پھر بھی وہ دو راتیں اس طرح گزارے کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔ (بخاری ومسلم)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ
مَنْ مَاتَ عَلٰی وَصِیَّۃٍ مَاتَ عَلٰی سَبِیْلٍ وَ سُنَّۃٍ
وَ مَاتَ عَلٰی تُقًی وَ شَھَادَۃٍ وَ مَاتَ مَغْفُوْرًا لَہٗ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا
جو شخص وصیت کر کے مَرے وہ سیدھے راستے اور سنت پر مَرا اور تقویٰ اور شہادت پر
اس کی موت ہوئی اور گناہوں کی بخشش کے ساتھ مَرا۔ (ابنِ ماجہ)

عرضِ ناشر

برائے اشاعتِ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم ، و الصلوٰۃ و السلام علی رسولہ الکریم ، اما بعد

۲۰۰۴ء میں ۱۷۳۱/انبیاء واولیاء کی نصائح ووصایا پانچ سو چار صفحات کی ضخیم جلد میں شائع ہوئے تھے۔اس سے سیر ہونے کی بجائے مؤلفِ کتاب تلاش وجستجو اور مطالعے میں منہمک رہے اور ان کا گوہر بار قلم حرکت میں رہا۔ نتیجتاً اسلامی تاریخ کی تقریباً چھ سو (۶۰۰) عظیم وعبقری شخصیات اوران کی ہزاروں ہزار قیمتی نصیحتیں اور وصیتیں جمع ہوگئیں۔

کتاب فی الوقت چار ضخیم جلدوں میں پورے اہتمام سے شائع ہورہی ہے جس کی پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ پہلی جلد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خطبۂ حجۃ الوداع سے شروع ہوکر محمد بن اسلمؒ المشہور بالسواد الاعظم کی وصایا پر ختم ہوئی ہے۔ دوسری جلد سیّدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی وصیت سے شروع ہوکر 'سندھی شاعر کی حکیمانہ باتیں' پر ختم ہوئی ہے۔ تیسری جلد شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے شروع ہوکر پروفیسر رشید کوثر فاروقیؒ کی وصایا پر ختم ہوئی ہے۔ چوتھی جلد قطبِ زمانہ حضرت مولانا شاہ بشارت کریمؒ خلیفہ حضرت مولانا غلام حسین کانپوریؒ کی وصایا سے شروع ہوکر امتِ رحمت کیلئے لائحۂ عمل از مؤلف پر ختم ہوئی ہے۔ الحمد للہ چاروں جلدوں کے مجموعی صفحات کی تعداد ۱۳۰۰ ہے۔ وصایا پر مؤلف محترم کی کاوشیں جاری ہیں۔ 'وصایا انبیاء واولیاء انسائیکلوپیڈیا' کی پانچویں جلد انشاء اللہ بہت جلد منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوگی۔

کتابِ ہٰذا کو دیکھ کر بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی دور کی بلکہ معلوم انسانی تاریخ کی وہ تمام عظیم عبقری شخصیات، چاہے وہ انبیاء و رسل ہوں یا ان کے اصحاب و اخلاف، صحابہ کرامؓ ہوں یا تابعین و تبعِ تابعین، مجددین ہوں یا محدثین، حضرات فقہائے کرام ہوں یا سلسلوں کے بانیین، ائمۂ مجتہدین ہوں یا علمائے ربانیین غرض پوری تاریخِ انسانیت کے مفید ومخلص شخصیات کے پند ونصائح اور قیمتی فرمودات کا ایسا خزانہ جمع ہوگیا ہے جس کے مطالعے سے صالح کردار کی تشکیل،

مثبت سوچ، اسلاف سے محبت، دینی، دعوتی، اصلاحی اور ملّی شعور کی بیداری میں مہمیز ثابت ہوگی۔

مؤلف محترم نے اپنے تبحرِ علمی، وسعتِ مطالعہ اور دِقتِ نظری سے کتاب کو ایسا دل نشین اسلوب بخشا ہے کہ قاری کتاب میں غرق ہوتا چلا جاتا ہے اور کتاب اس کی کتابِ زندگی بنتی چلی جاتی ہے۔

* کتاب پر مقدمہ خاندانِ قاسمی کے چشم و چراغ، جانشینِ حکیم الاسلامؒ حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مہتمم دار العلوم (وقف) دیو بند اور ہند و بیرونِ ہند کی نامی گرامی شخصیات نے کتاب سے متعلق اپنے گہرے احساسات و تاثرات مرقوم فرمائے ہیں جس سے کتاب کی اہمیت وافادیت اُجاگر ہوتی ہے۔

* کتاب کا آغاز خطبۂ حجۃ الوداع سے ہوا ہے۔تقریباً چھ سو (۶۰۰) انبیاء وصدیقین و شہداء اور صالحین کی وصایا جمع ہوگئی ہیں۔ قاری کی سہولت کے لیے سب سے پہلے امام الانبیاء ﷺ کی وصیتیں پھر حضرات انبیاء کرامؑ، خلفائے راشدینؓ، صحابہ کرامؓ، اُمہات المومنینؓ، تابعینؒ، تبع تابعین پھر اولیاء و مصلحینِ اُمت کی وصایا نقل کی گئی ہیں۔

* کتاب میں مذکور تمام آیاتِ قرآنی اور احادیثِ طیبہ اور عربی اشعار پر اعراب لگا دیا گیا ہے تاکہ قارئین اغلاط سے بچیں اور یاد کرنے والوں کو سہولت حاصل رہے۔

* قرآنی آیات کے ترجمہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی مشہورِ زمانہ تفسیر 'معارف القرآن' سے اکتسابِ فیض کیا ہے۔

* کتاب کو معنوی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ بہتر طباعت، پختہ جلد، حسین سرورق سے مزین کرنے کی مولانا سیّد آصف نثار نظامی نے بھرپور کوشش کی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ پاک چار جلدوں پر مشتمل اس کتاب کو مفیدِ خلائق بنائے اور مؤلف و ناشر اور جملہ معاونین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

۲۸ /ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ م ۲۵ /نومبر ۲۰۱۱ء

(مولانا) حافظ محمد رزین اشرف ندوی
دار العلوم نظامیہ صوفیہ، کونڈوا، پونے

عرضِ مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم المرسلین - اما بعد

اللہ عز وجل کا از حد انعام واحسان ہے کہ اس وقت 'وصایا انبیاء واولیاء انسائیکلوپیڈیا' کی مکمل چار جلدیں قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ کام تو حق جل مجدہ کے فضل سے ہوتا ہے نہ کہ اپنے کسی کمال وحسن کلام سے۔ انسانی جدوجہد کی ابتدا بھی مشیتِ ایزدی کے تابع ہے۔ خالق جب اپنی خاموش قدرت کا ظہور چاہتا ہے تو نادان کو دانا و بینا اور اخرس و گونگے کو گویا و ناطق بنا دیتا ہے اور جب کسی سے کام لینا چاہتا ہے تو ہاتھ میں قلم پکڑا دیتا ہے۔ لہٰذا حمد، اللہ کی، جو کام کی توفیق دے کر میدان میں لاتا ہے اور کام کرنے کی سعادت بخشتا ہے۔

شروع میں اندازہ ہی نہیں تھا کہ وصایا کی مزید جلدیں آسکیں گی اور پھر زیورِ طبع سے بھی آراستہ ہوں گی۔ وصایا طبعِ اول میں بہت سے مجددین و مصلحین، ابرار و اخیارِ اُمت اور اکابر علمائے دیوبند کے تذکرے نا کے برابر تھے۔ دل میں شدید ترین حسرت وندامت تھی کہ جن اولیاء وصلحاء، اتقیاء و اصفیاء، ابرار واخیار کی نگاہِ زکیہ وفطرتِ سلیمہ اور ذوق و وجدانِ ملہمہ اور نورِ نبویہ، رشد وہدایت کے امام کی نگاہِ تربیت میں رہ کر حق و باطل کی تمیز، صحیح وغلط کی شد بد، ظلمتِ معاصی سے نورِ ہدایت کی شاہ راہ کا وجدان نصیب ہوا انہی اولیاء کا تذکرہ نہ ہو۔ مگر مجبوری یہ تھی کہ جہاں حقیر مقیم ہے وہاں ان مجاہدینِ ناموسِ رسالت کی سوانح و تذکرہ دستیاب نہ تھے۔ نہ ہی یہ سہولت حصول ممکن تھا۔ تاہم حق جل مجدہ کا فضلِ بے علت ہوا اور جیسے جیسے کتابیں ملیں اپنے مقصد کی نصائح و وصایا نقل کرتا گیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اہل اللہ کی وصایا کا ایک وافر حصہ جمع کرادیا۔ پھر شیخ طریقت حضرت مولانا قمر الزماں دامت برکاتہم کی کتاب ''اقوالِ سلف'' نے تو خوب ہی مدد کی۔ اقوالِ سلف آنے والی نسل کے لیے انشاء اللہ انسائیکلوپیڈیا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی عمر میں برکت ڈال دے اور ان کے سینۂ بے کینہ کے فیض سے اس سیہ کار کو فیض یاب کردے، آمین۔

الغرض اس طرح یہ وصایا اب اتنی جمع ہوگئیں کہ چار جلدوں میں آپ کے سامنے ہے۔ حق تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے شرفِ قبولیت سے نوازے اور نافع خلائق بنائے، آمین۔

جب کتاب طبع کے مراحل میں آنے والی تھی تو طبعِ اوّل پر نظرِ ثانی کا موقع ملا۔ کوشش کی گئی کہ کہیں کوئی غلطی نہ رہے اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں ہلکی سی تبدیلی بھی کر دی گئی ہے۔

نیز پوری کتاب میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ لفظ خدا کی جگہ اللہ کا نام ہی آئے۔ بزرگوں کے یہاں فارسی زبان کی ممارست سے لفظ خدا، اللہ کی جگہ خوب استعمال ہوا ہے۔ (اس پر کلام بے سود ہے۔) 'اللہ' اسم ذاتِ باری تعالیٰ ہے جس کی تحقیق آپ اسی کتاب میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی خلیفہ حکیم الامت کی تحریر میں پڑھیں گے۔ ہر اہلِ زبان نے اپنی زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے مگر صحیح یہی ہے کہ اللہ اللہ ہے اور اس کا ترجمہ کسی بھی زبان میں کیجیے مگر وہ ذکر نہیں شمار ہوگا۔ ذاکر تو 'اللہ اللہ' ہی کہہ کر اللہ تک پہنچتا ہے۔ اس لیے کتاب میں جہاں کہیں بھی خدا کا لفظ بزرگوں کے کلام میں آیا ہے اس کو 'اللہ' سے بدل دیا گیا ہے سوائے چند محاوروں اور اشعار کے، جہاں محض سلاست وروانی کے لیے رکھا جانا ناگزیر تھا۔

آخر میں تمام محسنین کا شکر گزار ہوں جنھوں نے کتابیں فراہم کیں یا کتابوں کا عظیم تحفہ عطا کیا۔ دل تمامی حضرات کے لیے دعاگو ہے کہ حق تعالیٰ ان حضرات کو دارین کی جملہ سعادتوں سے مالامال فرمائے، آمین۔

بڑی ناقدری ہوگی اگر عزیزی مولانا حافظ محمد رزین اشرف ندوی کا تذکرہ نہ کروں جن کی کوششوں سے کتابت وطباعت سے یہ کتاب آراستہ وپیراستہ ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ عزیزی مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ اس راہ میں میرے معین ونصیر ہیں۔

العبد **محمد ثمین اشرف قاسمی**
خطیب وامام مسجد الحبتور بلڈنگ،
ص۔ب۔: ۲۸۴۹۹، الامارات

بروز اتوار، ۲۵؍شوال ۱۴۳۲ھ
حال وارد مکان مولانا رزین اشرف ندوی
سلور آرک، کونڈوا، پونے

فہرست

قدیم وجدید اہلِ علم کا ایک بیش بہا خزانہ

حضرت مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ

سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ابھی میرے سامنے ایک کتاب کا مسودہ رکھا گیا جسے مولانا محمد ثمین اشرف قاسمی نے مرتب کیا ہے۔ اس میں انبیاء کرام، اولیاء عظام اور علماء کرام کے ان نصائح اور وصایا کو جمع کرنے کی سعی کی گئی ہے جو انھوں نے اپنی زندگی میں مسلمانوں، اپنے عزیزوں اور تلامذہ کے لیے مرتب کیا تھا یا زبان سے فرمایا۔ اس طرح یہ مجموعہ قدیم وجدید اہل علم کا ایک بیش بہا خزانہ ہے جو امت کے لیے بے حد مفید ہے اور جس کی خواندگی سے نوجوان مسلمانوں کی زندگی میں انقلاب پیدا ہوسکتا ہے۔ مولانا لائق مبارکباد ہیں کہ انھوں نے ہزاروں صفحات کا مطالعہ کر کے جمع کیا۔ اُمید ہے کہ کتابی شکل میں چھپ کر یہ امت کی رہبری کا فریضہ ادا کرے گا اور امت کے افراد زیادہ سے زیادہ مستفید ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ مولانا سلّمہٗ کی اس محنت کو قبول فرمائے اور ان کے لیے زادِ آخرت بنائے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

محمد ظفیر الدین مفتاحی
مفتی دارالعلوم دیوبند

کتاب بہت پسند آئی

حضرت مولانا محمد عاقل دامت برکاتہم

بقیۃ السلف اُستاذِ حدیث صدر مدرّس مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور، یوپی

حامداً و مصلّیاً و مسلّماً و بعد ....

'مجموعۂ وصایا انبیاء و اولیاء' جو مولانا محمد ثمین اشرف قاسمی زید فیضہ کی جدید ترین تالیف ہے۔ اس کتاب کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ کتاب کے مؤلف ہمارے مشائخ و اکابر کے فیض یافتہ ہیں۔ نیز کتاب کے ماخذ مستند کتب حدیث وسیر ہیں۔

بندہ نے اس کو ایک دو جگہ سے سنا، بہت پسند آئی۔ حق تعالیٰ شانہ اس کو نافعِ خلائق فرمائے اور مؤلف زید مجدہ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ بندہ نے یہ چند سطریں مؤلف موصوف کے اصرار پر اس غرض سے لکھ دی ہیں کہ اس کارِ خیر میں بندہ کی بھی ایک لحاظ سے شرکت ہوجائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کتاب نہایت مفید ثابت ہوگی۔ حق تعالیٰ شانہ لوگوں کو اس سے زائد سے زائد منتفع ہونے کی توفیق بخشے، آمین۔

(مولانا) محمد عاقل عفی عنہ

سہارنپور

مرتب و ناشر کو اجرِ جزیل عطا ہو

مفتی عزیز الرحمٰن فتح پوری (مفتی اعظم مہاراشٹر)

اسلامی علوم اور اسلامیات پر ہر عہد میں بہت کچھ لکھا گیا لیکن ہر نئے آنے والے دَور میں مزید کی ضرورت محسوس کی گئی۔ عرف کی تبدیلی، مزاجوں کا تفاوت اور انشاء کے الگ الگ اسالیب بھی متقاضی رہے کہ جو لکھا جا چکا ہے از سر نو اسے مدوّن کیا جائے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جنھیں توفیق اور ہمت دی ہے وہ مسلسل اس دینی خدمت میں مصروف ہیں اور مختلف موضوعات اور عناوین کے تحت اسلامی تعلیمات کو یکجا کر کے ان کی نشر و اشاعت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

عزیزم مفتی ثمین اشرف سلّمہٗ باصلاحیت، داعیانہ مزاج رکھنے والے عالمِ دین ہونے کے ساتھ عملِ پیہم کا پیکر بھی ہیں اور بقدرِ حوصلہ اور توفیقِ ایزدی مختلف موضوعات پر کام کرنے کا ان میں جذبہ بھی ہے۔ موصوف کی اب تک کئی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں جو مفید بھی ہیں اور صحیح اسلامی تعلیمات کا آئینہ بھی۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ!

پیش نظر مسودہ انبیاء اور اولیاء کی وصایات پر مشتمل انتہائی قابلِ قدر اور مفید معلومات کا حامل ہے۔ مرتب سلّمہٗ نے حضور نبی کریم ﷺ، انبیاء کرامؑ، حضرات صحابہؓ اور ان کے بعد کے ہر عہد کے علماء اور صلحاء کی وصایا کو یکجا کر دیا ہے۔ ان کی یہ تالیف اپنے موضوع پر جامع اور مکمل بھی ہے اور مفید و معلوماتی بھی۔ اللہ پاک ان کی اس خدمت کو شرفِ قبولیت اور مقبولیت سے نوازے اور عوام و خواص ہر ایک کے لیے نافع اور سودمند بنائے۔ اس کی اشاعت ان کے برادر خرد مولانا رزین اشرف سلّمہٗ کے زیر اہتمام ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرتب اور ناشر دونوں کو اجرِ جزیل عطا فرمائے، آمین۔

مفتی عزیز الرحمٰن
ممبئی

مورخہ: ۶ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ

ثمین اشرف اپنے باپ کا سچا جانشین

حضرت مولانا شمس الہدیٰ مدظلہ خلیفہ حضرت حاجی منظور احمد نقشبندیؒ، مصرولیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ ربّ العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی رسولہ الکریم

الحمدللہ! عزیزی مفتی ثمین اشرف سلّمہٗ کو میں قریب سے جانتا ہوں۔ ان کے پدر بزرگوار جناب حاجی ابراہیم صاحبؒ بڑے متقی اور بزرگ صفت انسان تھے۔ ان سے میرے تعلقات بڑے گہرے تھے۔ وہ ولایت کے ایک درجے پر فائز تھے۔ انھوں نے ایک لمبی عمر پائی۔ حضرت اقدس مولانا بشارت کریمؒ اور بعدہٗ حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ کی لمبی صحبت پائی۔ یہ حضرت مولانا حکیم احمد حسنؒ منوروہ کے مجاز و خلیفہ تھے جو صاحبِ علومِ دین تھے۔ حضرت کی بابرکت شخصیت نے حضرت مولانا بشارت کریمؒ کے سلسلہ کو ترقی دے کر حضرت حاجی منظور احمدؒ صاحب جیسی عظیم شخصیت پیدا کی۔

مرشد حضرت حاجی منظور احمدؒ صاحب نے مجھ عاجز سے فرمایا تھا کہ اگر حاجی محمد ابراہیم صاحبؒ تم کو بلاویں تو ضرور جانا۔ اور کہیں نہیں جانا۔ حاجی محمد ابراہیم صاحبؒ پر شروع ہی سے فیضانِ باری کا سلسلہ تھا جس کا اندازہ درج ذیل واقعے سے ہوتا ہے۔

جب وہ طالب علم تھے اُس وقت کے واقعات میں ایک واقعہ سیتامڑھی کا ایک روز مجھ سے بیان فرمایا۔ 'جب اسکول میں پڑھتا تھا تو امتحان کے موقع پر خواب میں سوالات مجھے بتا دیے جاتے۔ جب سیتامڑھی سے مظفرپور میں تعلیمی سلسلہ منتقل ہوا تو طعام و قیام کا انتظام ایک دینی اور متشرع گھرانے میں کیا گیا۔ یہاں میری حالت بہت خراب ہوگئی۔ رات میں آفتاب نظر آتا۔ تجلی اور فیض و برکات کی بارش اس طرح ہوتی کہ میں بے ہوش ہوجاتا۔ ایک روز بازار کی طرف چلا اور چند قدم چل کر بے ہوش ہوگیا۔ راہ گیروں کی بھیڑ لگ گئی۔ کسی نے کہا یہ لڑکا آسیب زدہ ہے۔ کسی نے کہا بیمار ہے۔ وہیں پر ایک مولانا کی رہائش گاہ تھی۔ وہ لوگ مجھے وہاں لے گئے۔ مولانا کا نام غالباً عبدالحفیظ تھا۔ ان کے کمرے کی کواڑ کھلی اور لوگوں سے فرمایا کہ اس بچے کو میرے کمرے میں رکھ دو۔ چنانچہ لوگوں نے وہاں پہنچایا۔ آپ نے کمرہ بند کردیا۔ نہ جانے

کتنی دیر کے بعد ہوش آیا۔ پھر انھوں نے مجھ سے چند سوالات کیے اور مجھے میری خواب گاہ تک پہنچوا دیا۔ مولانا عبدالحفیظ صاحب نے اپنے بھائیوں سے مشورہ کرنے کے بعد فرمایا کہ اس بچے کو کسی بزرگ کے یہاں پہنچانا ضروری ہے۔ اُس وقت بہار میں تین مشہور بزرگ تھے؛ حضرت اقدس گرھولویؒ، حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ اور شاہ محی الدین پھلواریؒ۔ اس طرح سے حاجی صاحب مرحوم حضرت مولانا بشارت کریمؒ کے یہاں بھیجے گئے۔ پھر وہ انہی کے ہوکر رہ گئے۔'

مفتی ثمین اشرف حضرت حاجی منظور احمدؒ سے ملنے کیلئے طالب علمی کے زمانہ سے ہی مصرولیا آیا کرتے تھے۔ ان کے والد کی نسبت سے بڑی خوشی سے ملتے اور پیار و محبت کا ثبوت پیش کرتے۔ نیز حضرتؒ والا دیگر اشغال چھوڑ کر ہمہ تن ان کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ اور متعدد مضامین پر گفتگو کرتے۔ حضرتؒ کا خیال تھا یہ لڑکا مفتی ثمین اشرف اپنے باپ کا صحیح جانشین ہوگا اور خود حضرت اپنی نسبت ان میں ڈالنے کی کوشش کرتے۔ فرماتے حقیقتاً کامل تصرف درویش وہ ہوتا ہے جس کو طریقۂ شریعت میں تصرف کی نسبت حاصل ہو۔ ایسے صاحبِ تصرف درویش کی دعا رد نہیں ہوتی۔ ہمارے حضرت منظور احمدؒ، صاحبِ تصرف درویش تھے لیکن ہر کسے را بہرِ کارے ساختند۔

مفتی ثمین اشرف سلّمہٗ کو اللہ نے تحریر و تقریر و تفسیر کے لیے منتخب فرمالیا ہے۔ انشاء اللہ وہ نسبت جو اُن کے دل کو حاصل ہے، عدم گرفتاریٔ دل یعنی دل ماسوائے حق تعالیٰ کے سب چیزوں کو بھلا دے وہ حاصل ہے۔ اپنے وقت پر رنگ لائے گا۔ فاضلانِ نقشبندیہ کے یہاں اس کو فناءِ قلب کہتے ہیں ہمارے حضرات فقیری کا کمال نسبت میں تصور کرتے تھے۔ اور ادائے نماز باوّل اوقات، اجتناب از بدعت اور امورِ مسنونہ کی پابندی کرتے۔ دن رات ذکر و فکر میں رہتے ہیں اور انہی امور سے دل کو سکون اور جمعیت حاصل ہوتی ہے۔

ہمارے پیر و مرشد حضرت منظور احمد صاحبؒ نے مفتی ثمین اشرف صاحب کو کچھ وظیفہ بتایا تھا۔ ہم اللہ پاک سے دعا کرتے ہیں مولوی مفتی موصوف کو اخلاص و عمل کے ساتھ دین کی عزت دے اور دنیا بھی سنوار دے۔ والحمد والسلام بحرمت جد الحسن والحسین صلی اللہ علیہ وسلم

لاشی **شمس الہدیٰ** کان اللہ لہ
راجو، دربھنگہ، بہار

۴؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
مطابق ۳۰؍نومبر ۲۰۱۱ء

علمی کام میں برکت کی دلیل

حضرت مولانا محمد رحمت اللہ میر القاسمی

الحمد لله رب العالمین و الصلوة و السلام علی سیّد المرسلین خاتم النبیین محمد و علی اله و اصحابه و اتباعه و اولیاء الله اجمعین، اما بعد ...

ہمارے زمانۂ طالب علمی کے رفیق وشفیق ہم درس مولانا مفتی ثمین اشرف القاسمی زَادہُ اللہ علماً وعملاً وعرفاناً، (جن کو زمانۂ طالب علمی سے ہی علمی اور عملی ذوق رہا ہے بلکہ حسباً ونسباً بھی اکابر سے تعلق ورثہ میں ملا ہے۔علمی میدان میں محنت وشغف کے ساتھ ساتھ سلوک کے میدان سے آشنائی رہنے کے سبب مرکز علم و ورع مادرِ علمی دار العلوم دیوبند میں اس وقت کے معروف و مقبول اکابر سلوک وتقویٰ سے ربط وکسبِ فیض کی سعادت نصیب ہوئی) کو اللہ پاک نے توفیق عطا فرمائی کہ عجمی ہونے کے باوجود اور عجم میں علم دین کی دولت سے سرفراز ہوکر سرزمین عرب میں خدمتِ دین کا موقع نصیب رہا۔موصوف کو اللہ پاک نے تقریر کے ساتھ تصنیف کا بھی ذوق نصیب فرمایا ہے۔ چنانچہ اس سے قبل انھوں نے حدیث پاک کے مبارک میدان میں یہ سعادت حاصل کی۔ گزشتہ دنوں اپنے محترم مکرم مولانا محمد ابراہیم صاحب پانڈور خادم خاص فقیہہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وخلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی معیت میں بردوبئ حاضری ہوئی تو اپنی تازہ تصنیف 'وصایا انبیاءٔ' مرحمت فرمائی۔ اس بار حاضری کے موقع پر مذکورہ کتاب کی دوسری جلد 'گلدستۂ وصایا' کی زیارت کرائی۔ یہ ان کے علمی کام میں برکت کی دلیل ہے۔ دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ رفیق موصوف کے دینی کاموں میں برکت عطا فرمائے، اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے اور عند اللہ وعند الناس مقبول فرمائے۔

ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

وانا العبد الافقر **محمد رحمت اللہ میر القاسمی**
دار العلوم رحیمیہ، بانڈی پورہ، پوچھ، کشمیر

۲۱/۴/۱۴۳۱ھ
وارد حال شارجہ

صادقین کی صحبت کا بدل

حضرت مولانا ابراہیم صاحب قاسمی

خلیفہ حضرت فقیہ الامت مفتی محمد محمود حسن صاحب گنگوہیؒ

الحمد لله وحده و الصلوة و السلام علی من لا نبی بعده و علی آله و اصحابه و من تبعه الی یوم القیامة .... اما بعد

قرآن پاک کا ارشاد جگہ جگہ ایمان والوں کے لیے یہ آیا ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کریں اور اس کی تدبیریں بھی جگہ جگہ مختلف انداز سے آئی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک اہم طریقہ ﴿كُونُوا مَعَ الصَّادِقِيْنَ﴾ کا بتایا گیا ہے۔

صادقین کی صحبت کا بدل ان کے نصائح، اقوال اور ارشادات ہیں۔ ان نصائح، اقوال اور ارشادات کو جمع کرنے کا معمول شروع سے رہا ہے اور اس کا نفع بدیہیات میں سے ہے۔

خوشی ہے کہ ہمارے رفیق محترم حضرت مولانا مفتی ثمین اشرف القاسمی زید مجدہم العالی جن کا علمی استناد دورِ حاضر کے مشہور علمی ادارہ دار العلوم دیوبند سے ہے اور وقت کی عظیم شخصیت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ خصوصی توجہات و تربیت کا مورد رہے ہیں اور اب بلادِ عربیہ میں حفاظت و اشاعت دین کی خدمت سے بہرہ ور کر رہے ہیں، انھوں نے علماء صالحین کے ارشادات، نصائح اور فرمودات کو 'گلدستۂ وصایا' کے نام سے ایک جگہ جمع کیا ہے۔ اللہ پاک اس مجموعے کو اُمت کے لیے نافع بنائے۔ ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنا کر عند اللہ مقبول فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

و صلی الله تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد و علی آله و اصحابه اجمعین

العبد **ابراہیم** غفرلہ
پانڈور، ساؤتھ افریقہ

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
وارد حال دبئی

نادر وبصیرت افروز نصیحتیں

حضرت مولانا محمد قمر الزماں الٰہ آبادی

خلیفہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی

الحمدللہ! وصایا انبیاء و اولیاء کرام کی جلد اول کا کسی قدر مطالعہ کیا جس میں محبّ مکرم مولانا ثمین اشرف صاحب زید مجدہ نے نہایت نادر و بصیرت افروز نصیحتیں جمع فرما دی ہیں اور ظاہر ہے کہ ان مقدس حضرات کی نصائح سے بڑھ کر اُمت کے لیے کس کی نصیحتیں مفید ہوسکتی ہیں۔ اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔

اب ماشاء اللہ اس کی دوسری جلد منصۂ شہود پر آرہی ہے۔ جس میں ہماری تالیف اقوالِ سلف سے بھی اہل اللہ کے منتخب ارشادات درج فرمایا ہے جو ہمارے لیے سعادت کی بات ہے۔

فجزاهم الله احسن الجزاء

دل سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تیسری جلد کی تتمیم کی توفیق ارزانی فرمائے اور مولانا ثمین اشرف صاحب کو اجر وثواب سے نوازے اور امت کے لیے مفید بنائے اور عمل کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

والسلام

محمد قمر الزماں الٰہ آبادی

دار المعارف الاسلامیہ

۲۹ر دسمبر ۲۰۱۰ء

کریلی، الٰہ آباد

آنے والی نسلوں پر ایک عظیم احسان

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

حدیث مبارکہ میں وارد ہے "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ" (دین سراسر خیر خواہی ہے)۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ دین اور خیر خواہی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ لہٰذا جہاں دین ہوگا وہاں خیر خواہی ہوگی اور جہاں خیر خواہی ہوگی وہیں دین ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ لوگ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں۔ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ اسی جذبۂ خیر خواہی کے پیش نظر بڑے اپنے چھوٹوں کو نصیحت کے رنگ میں وصیت کرتے رہے ہیں۔ ربّ کائنات نے قرآن مجید میں ایسے واقعات کا تذکرہ فرما کر ان کی اہمیت پر مہر تصدیق ثبت فرما دی ہے۔ ارشاد حق تعالیٰ ہے ﴿وَ وَصّٰی بِھَا اِبْرَاھِیْمُ بَنِیْہِ وَ یَعْقُوْبُ﴾ (اور وصیت کی اس کی ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوبؑ نے)۔ دوسری جگہ فرمایا ﴿وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِہٖ وَ ھُوَ یَعِظُہٗ﴾ (اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے سے جبکہ وہ اسے نصیحت کر رہا تھا)۔ اللہ ربّ العزّت نے لقمان علیہ السلام کے الفاظ کو اپنے مقدس کلام کا حصہ بھی بنا دیا اور قرآن مجید کی ایک سورت کا نام بھی 'سورۂ لقمان' رکھ دیا۔ یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ دین اور خیر خواہی لازم وملزوم ہیں۔ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

ہمارے محترم المقام واجب الاحترام حضرت مفتی محمد ثمین اشرف زید مجدہ کے پرسوز قلب نے اس جذبۂ خیر خواہی کے پیش نظر انبیائے کرامؑ، صحابہ کرامؓ اور اولیائے عظامؒ کے وصایا کو ایک ضخیم کتاب کی شکل میں یکجا کر دیا ہے۔ یہ کتاب آنے والی نسلوں پر ایک عظیم احسان ثابت ہوگی۔ اللہ ربّ العزت ان کی مساعی جمیلہ کو شرفِ قبولیت عطا فرما کر اسے اپنے قرب کے حصول کا ذریعہ بنائے۔ آمین بجاہ سیّد المرسلین علیہ الصلوات و التسلیم

دعا گو و دعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

کان اللہ لہ عوضاً عن کل شیٔ

۸ر صفر ۱۴۳۲ھ

حال مقیم دبئی

(حضرت حفظہ اللہ کے سامنے پہلی مطبوعہ جلد تھی۔ الحمد للہ اِس وقت کتاب چار جلدوں میں شائع ہورہی ہے۔ ناشر)
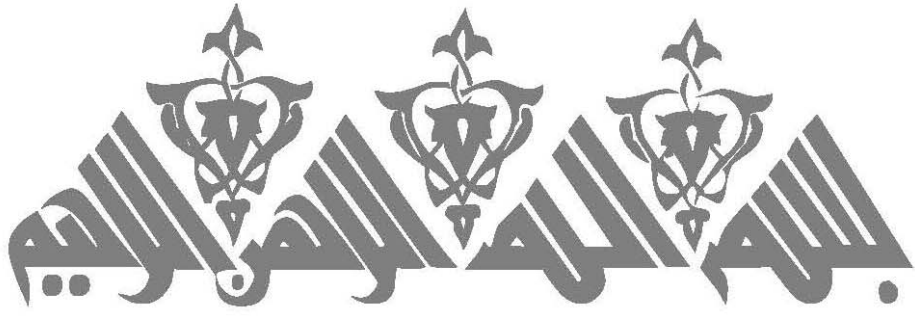
پیش لفظ

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصّلوٰۃ و السّلام علی اشرف الانبیاء و خاتم المرسلین و علی اٰلہ و اصحابہ الطیبین الطّاھرین الی یوم الدّین – اما بعد

آج سے تقریباً سترہ سال قبل ۱۴۰۷ھ کی بات ہے کہ گھر سے اطلاع ملی کہ عزیزم منیب اشرف چھ ماہ کی عمر میں آغوشِ رحمت میں پہنچ گئے۔ نام ان کا منیب اشرف رکھا تھا، جس کی مناسبت سے دل میں خیال آیا کہ اللہ والوں کی وصایا یکجا کی جائیں۔ کیونکہ آخری لمحاتِ زندگی میں زبان پر وہی آتا ہے جو پوری زندگی کا سرمایہ و ماحصل ہوتا ہے۔ اس مناسبت سے کتاب کا نام ''وصایا الانبیاء والاولیاء لکل عبد منیب'' تجویز ہوا۔

تاہم قارئین سے یہ بات واضح کردینی ضروری ہے کہ بندہ نہ تو مؤلف جیسا رنگ و اسلوب رکھتا ہے نہ ہی کبھی اس بات کا خیال دل میں آیا کہ اس قابل بھی ہے۔ جن دنوں اس کام کی توفیق منجانب اللہ ہوئی ایک فوجی چھاؤنی میں تن تنہا دن رات رہتا۔ مشغولیت کچھ بھی نہیں۔ سوائے اس کے کہ بعد نمازِ عشا مختصر درسِ قرآن مجید...... پھر وہی کمرہ، وہی کتابیں، وہی در و دیوار کی خاموش زبان کہ کچھ تو کرلے۔ ورنہ میری طرح تو بھی ایک روز خاموش ہوجائے گا اور شہرِ خموشاں کا مکیں بن جائے گا۔ رات کی تاریکی بھی بے چین کردیتی اور زبانِ حال سے کہتی کہ کیوں مضطرب ہے تو؟ یہ کتابیں تیرا ساتھ دے رہی ہیں، تو ان سے چمٹ جا۔ ان کو رات کی تنہائیوں کا ساتھی بنالے۔ ان کتابوں کے مؤلفین و مصنّفین نے بھی رات کی تنہائیوں کو غنیمت

جانا اور لالہ وگل جمع کر دیے۔ تیرا کام بس اِن موتیوں اور شہ پاروں سے انتخاب ہی تو کرنا ہے۔ جہاں میری رہائش تھی وہاں نادر کتابوں کا قیمتی ذخیرہ پہلے سے موجود تھا۔

حق جل مجدہ نے خوب ہی دستگیری فرمائی۔ پھر پوری پوری رات کتاب کا مطالعہ کرتا اور بعد نمازِ فجر سو جاتا۔ ناشتہ کے وقت اُٹھتا پھر چائے وغیرہ کے بعد وہی کتاب ...... للہ الحمد اوّلاً و آخراً و الصلوٰۃ علی نبیہ سرمداً ...... اس مدت میں حق جل مجدہ کی توفیق سے بعض کتابیں پوری پڑھ ڈالیں۔ مثلاً مسند امام احمدؒ کا بائیس دن میں مطالعہ کرلیا۔ شرح السنہ امام بغویؒ کا بارہ دن میں۔ انہی دنوں راحتِ قلب کے لیے تفہیماتِ الٰہیہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مطالعہ کیا۔ کیا خوب سے خوب تر جواہرات کو شاہؒ نے جمع کیا ہے۔ طبقاتِ ابن سعد، حیات الصحابہ، سیر اعلام النبلاء ذہبی کی، حلیۃ الاولیاء ابونعیم اصفہانی کی۔ ان کتابوں کے مطالعے سے اپنے مقصد کے مضامین کا انتخاب کرتا جاتا ...... کتبِ احادیث کے مطالعے میں خاص مقصد یہ تھا کہ رسولِ اکرمؐ کی وہ احادیث جن میں آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو بطور خاص وصیت ارشاد فرمائی ہیں، جمع ہو جائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مجھ جیسے اجہل الناس کو اس عظیم کام کی توفیق مل جانا، ایسا ہی ہے جیسے بچے کو جوہر مل جانا۔ فلہ الحمد کلہ اوّلہ و آخرہ والصلوٰۃ علی من لا نبی بعدہ۔

الغرض، مطالعہ کی توفیق بھی دن بدن بڑھتی گئی اور اپنے مقصد کی احادیث کا انتخاب بھی کرتا گیا۔ انہی دنوں دل میں منجانب اللہ خیال آیا کہ "یأتی علی الناس زمان...." کے عنوان کی جو احادیث آ رہی ہیں، ان کو یکجا کرلوں۔ اس لیے وصیت کی احادیث الگ کاپی میں اور موخر الذکر عنوان کی احادیث الگ کاپی میں جمع کرتا گیا۔ انہی دنوں، احکام اہل الذمہ کی مناسبت سے آپؐ نے جو ارشاد فرمایا، ایک کاپی اللہ نے جمع کرنے کی توفیق دے دی۔ حق جل مجدہ کا ایک عظیم احسان یہ بھی ہوا کہ اس مقصد کے تحت وہ کتابیں جو موجود نہ تھیں ان کا خریدنا اللہ پاک نے آسان کردیا۔ اللہ پاک ہماری نسلوں میں علم نبوت کے وارثین پیدا فرمائے، آمین۔ اس طرح آپ کے ہاتھوں میں کتاب ''وصایا الانبیاء والاولیاء لکل عبد منیب'' جس کا اُردو نام برادر عزیز مولانا محمد رزین اشرف ندوی نے ''مجموعۂ وصایا انبیاء و اولیاء'' تجویز کیا ہے، موجود ہے۔

☆ اس مجموعے میں تقریباً ساٹھ احادیث ایسی آئیں گی جن میں فداہ ابی و امیؐ نے مختلف صحابہ کرامؓ کو وصیت فرمائی ہیں۔

☆ حق جل مجدہ کا خاص کرم ہے کہ اس مجموعے میں حجۃ الوداع کا کامل خطبہ جو عام طور پر محدثین و مفسرین، اصحابِ سیر و مغازی نے مختلف عناوین کے ساتھ مختلف مقامات پر نقل کیے ہیں، آپ اس مجموعے میں کلامِ نبوی اور اس کا اُردو ترجمہ ایک ساتھ پڑھیں گے۔ تقدیم و تاخیر کا امکان ہے۔ اللہ پاک سے عفو و تسامح کا اُمیدوار رہوں۔ برکت اور قبولیت کی اُمید پر حجۃ الوداع کے خطبے کو کتاب میں مقدم رکھا ہے۔

☆ دوسرے انبیاء علیہم وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام کے وصایا تو نہیں ملے، تاہم اُن مقدس حضرات کے فرمودات جو معتمد علیہ ذرائع سے ملے ہیں، نصیحت و برکت کے تحت نقل کر دیے گئے ہیں آپ اس مجموعے میں پڑھیں گے۔

☆ جو بات جہاں سے منقول ہے، اس کے عربی مراجع مع حوالجات نقل کیے گئے ہیں تاکہ قارئین حضرات چاہیں تو دیکھ لیں۔

حق جل مجدہ کی توفیق شامل حال رہی تو آپ عنقریب عربی وصایا بھی انشاء اللہ پڑھیں گے۔

اس غیر مربوط تحریر کے بعد اب آپ کے سامنے وصیت کی اسلام میں شرعی حیثیت کیا ہے، اور اس کے احکام کیا ہیں، بزبانِ خیر الانام ﷺ پڑھ لیجیے۔

وصیت کی حدیث

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا حَقُّ امْرَئٍ مُسْلِمٍ لَهٗ شَیْءٌ یُوْصِیْ بِهٖ یَبِیْتُ لَیْلَتَیْنِ اِلَّا وَ وَصِیَّتُهٗ مَکْتُوْبَةٌ عِنْدَهٗ۔ متفق علیه۔

(بحوالہ مشکوٰۃ ج:۱،ص:۲۶۵)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ مَاتَ عَلٰی وَصِیَّةٍ مَاتَ عَلٰی سَبِیْلٍ وَ سُنَّةٍ وَ مَاتَ عَلٰی تُقًی وَ شَهَادَةٍ وَ مَاتَ مَغْفُوْراً لَهٗ۔

(رواہ ابن ماجہ۔ بحوالہ مشکوۃ باب الوصایا۔ ج:۱،ص:۲۶۶)

ترجمہ حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کوئی واجب ادا کرنا ہو جس کی وصیت کرنا اس کے لیے ضروری ہے اس کو حق نہیں کہ دو راتیں بھی اس طرح گزارے کہ اس کی وصیت لکھی ہوئی اس کے پاس نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص وصیت کر کے مَرے وہ سیدھے راستے اور سنت پر مَرا، اور تقویٰ اور شہادت پر اس کی موت ہوئی اور گناہوں کی بخشش کے ساتھ مَرا۔ (ابن ماجہ)

اِن دونوں روایتوں سے حقوقِ واجبہ کی وصیت کا وجوب اور غیر واجبہ کی وصیت کا کم از کم استحباب ضرور ثابت ہوتا ہے۔ (جیسے نادار اقرباء اور مفلس لوگوں کے لیے وصیت کرنا)

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا سماعتِ حدیث کے بعد معمول

اس لیے ابن عمرؓ کا معمول تھا کہ یہ فرمانِ نبوی سننے کے بعد اپنے سرہانہ میں وصیت نامہ لکھ کر رکھتے تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

"مَا مَرَّتْ عَلَيَّ لَيْلَةٌ مُنْذُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ذَالِكَ وَ عِنْدِيْ وَصِيَّتِيْ۔ (رواہ الشیخان واصحاب السنن۔ کتاب الجنائز۔ ص:۵)

یعنی ابن عمرؓ پر اس حدیث کے سننے کے بعد کوئی رات نہیں گزری کہ وصیت لکھ کر اپنے سرہانہ نہ رکھتے ہوں۔ (غرض ابن عمرؓ ہمیشہ وصیت ساتھ رکھتے تھے)

حقوقِ واجبہ کی ادائیگی میں جلدی اور قیامت میں مفلس کون ہوگا

اگر آپ کے ذمے کسی کا حق ہو تو اوّل فرصت میں ادا کرنے کی کوشش کریں کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں۔ کیا پتہ کس وقت آ جائے اور دل کی حسرت دل میں ہی رہ جائے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے تعلیم فرمائی کہ اگر کسی کا حق تمہارے ذمے ہو تو اس دن کے آنے سے قبل ادا کر دو جس دن نہ مال و متاع ہوگا اور نہ دنیوی اسباب و سامان باعثِ نجات بن سکیں گے، بلکہ انسان بالکل ہی بے بس اور یکسر مفلس ہوگا۔

ارشادِ نبوی ہے:

مَنْ كَانَتْ عِنْدَهٗ مُظْلِمَةٌ لِاَخِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اَوْ مَالِهٖ فَلْيُؤَدِّهَا اِلَيْهِ قَبْلَ اَنْ يَّأْتِيَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ لَا يُقْبَلُ فِيْهِ دِيْنَارٌ وَّ لَا دِرْهَمٌ اِنْ كَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ وَ أُعْطِيَ صَاحِبُهٗ وَ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَتْ عَلَيْهِ۔ (أخرجه البخاری و البیهقی۔ احکام الجنائز۔ ص : ۴)

آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی پر اس کے بھائی کے حقوقِ واجبہ از جنسِ عزّت و ناموس (جیسے غیبت و چغل خوری اور بدگوئی و بدگمانی) یا مال ہو تو اس کو چاہیے کہ صاحبِ حق کا حق ادا کردے قیامت کا دن آنے سے پہلے۔ اس لیے کہ اس دن درہم و دینار نہ ہوگا جو قبول کیا جائے گا۔ البتہ اگر اس کے پاس نیکی و بھلائی ہوگی تو وہ لے کر صاحبِ حق کو دے دی جائے گی اور اگر اس کے پاس نیکی بھی نہ ہوئی تو صاحبِ حق کے سیئات اس پر ڈال دیے جائیں گے۔ (بخاری شریف)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صاحبِ حق کے حق کو موت سے قبل ادا کردے یا معافی تلافی سے تدارک کرلے۔ ورنہ قیامت میں نیکی لے کر حق ادا کردیا جائے گا۔ اور اگر نیکی نہ ملی تو صاحبِ حق کے سیئات کا بوجھ بھی اسی پر ڈال دیا جائے گا۔ حالانکہ قیامت میں خود ہی نفسی نفسی کا عالم اندوہناک ہوگا۔

اللّٰھم انا نسئلک العفو و العافیة برحمتک یا ارحم الراحمین۔

مفلس کون ہے؟

"اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا اَلْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهٗ وَ لَا مَتَاعَ فَقَالَ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِيْ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَ صِيَامٍ وَ زَكَاةٍ وَ يَأْتِيْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَ قَذَفَ هٰذَا وَ اَكَلَ مَالَ هٰذَا وَ سَفَكَ دَمَ هٰذَا وَ ضَرَبَ هٰذَا۔ فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ۔ فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُقْضٰى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ۔ (مسلم۔ احکام الجنائز۔ ص: ۴)

آنحضور ﷺ نے (صحابہؓ سے) سوال کیا جانتے ہو مفلس کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا ہم میں سے مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ کچھ سامانِ زیست...... (یہ سن کر)

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت میں مفلس وہ لوگ ہوں گے جو قیامت میں نماز، روزہ، زکوٰۃ کے ساتھ آئیں گے لیکن ساتھ ساتھ اس کو گالیاں دی ہوگی، تو کچھ لوگوں کے دامنِ عفت کو تہمت سے داغدار کیا ہوگا اور لوگوں کا مال (بغیر حق کے) کھایا ہوگا اور ناجائز خون بہایا ہوگا اور لوگوں کو مارا ہوگا۔ تو اس کی کچھ نیکی اس کو دے دی جائے گی اور کچھ اِس کو۔ اگر اس کی نیکیاں حقوق الناس کی ادائیگی سے قبل ختم ہوجائیں گی تو پھر صاحبِ حقوق کی بدی وسیئات اس کے ذمہ ڈال دی جائیں گی اور پھر اس (نمازی، روزہ دار اور پابندِ زکوٰۃ) کو نارِ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم شریف)

حقوق العباد کی ادائیگی

ان دونوں حدیثوں کا ماحصل ایک ہے کہ حقوق العباد کی ادائیگی میں ذرہ برابر بھی اِمہال وسستی باعثِ رسوائی وعذاب ہے۔

آج کے ماحول میں ہم سب ہی پابندِ صوم وصلوٰۃ تو ہیں مگر حقوق العباد کی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ حقوق العباد ہی در اصل معیارِ شریعت ہے۔ حق جل مجدہ اپنے حقوق معاف فرمادے گا مگر حقوق العباد کا مواخذہ ضرور فرمائے گا اِلّا یہ کہ صاحبِ حق خود معاف کردے کیونکہ احکم الحاکمین کو عدالت ومیزان کی باریک کسوٹی کو بھی برقرار رکھنا ہے۔ لہٰذا ہمیں حقوق العباد کی اپنی زندگی میں مکمل نگرانی کرنی چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تمام قیمتی جواہر پارے، ساگ سبزی کے بدلے وزن کردیے جائیں اور ہم مفلس کے مفلس رہ جائیں۔ اللہ ہم سب کو مکمل حقوق العباد کی ادائیگی کا پابند بنائے۔ آمین ثم آمین۔

اعترافِ تقصیر

ننگِ اکابر واسلاف اپنی کم مائیگی کا حرف بحرف اعتراف کرتا ہے کیونکہ ترجمہ بہرحال ترجمہ ہے۔ وہ معنویت وجاذبیت جو اصل صاحبِ کلام کے کلام میں ہوتی ہے، بہت مشکل ہے، خاص مجھ جیسے کم علم کے لیے ... یہ کتاب اہلِ قلم علماء اور صاحبِ فہم دانشوروں کی تصنیف نہیں کہ اس معیار پر آپ اس کو پرکھیں، بلکہ ایک نادان نے دانائے سبل ؐ کے آخری کلمات جمع کرنے کی

سعی کی ہے۔ البتہ جن حضرات کے فرمودات ہیں ان کا رتبہ و مقام ہماری نگاہ و تصوّر کے تقدس سے بہت ہی بلند تر ہے۔

یہ بات بھی قابلِ لحاظ رہے کہ چاہنے اور جستجو کے باوجود بعض اکابر و اسلاف کی وصایا اس مجموعہ میں نہ آ سکیں۔ جستجو جاری ہے، جن حضرات کے پاس ان مطبوعہ وصایا کے علاوہ اکابر کی وصایا موجود ہوں، وہ ہمیں ارسال فرما دیں۔ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں شامل کر لی جائیں گی۔

ان چند سطروں کے بعد اب اصل مضمون بعون اللہ شروع کرتے ہیں۔ و اللّٰہ المُعین و المُستَعان. و ما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکّلتُ و الیہ اُنیب.

العبد محمد ثمین اشرف قاسمی کان اللہ لہ
شوال المکرّم ۱۴۰۷ھ
صلالہ، سلطنت عمان

شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

(ولادت: ۲۲؍صفر ۱۲۳۳ھ۔ یکم جنوری ۱۸۱۸ء بروز پنجشنبہ)

طالب حق پر لازم ہے کہ اول مسائلِ ضروریہ وعقائد اہلسنّت والجماعت حاصل کرلے، پھر ان رذائل سے تزکیہ کرے: حرص، امل، غضب، جھوٹ، غیبت، بخل، حسد، ریا، کبر اور کینہ۔ اور یہ اخلاق پیدا کرے: صبر، شکر، قناعت، علم، یقین، تفویض، توکل، رضا، تسلیم اور شرع کا پابند رہے۔ اور اگر گناہ ہوجائے، جلدی کرکے نیک عمل سے تدارک کرے۔ نمازِ باجماعت وقت پر پڑھے۔ کسی وقت یادِ الٰہی سے غافل نہ ہو، لذتِ ذکر پر شکر بجالائے۔ کشف وکرامات کا طالب نہ ہو۔ اپنا حال یا سخنِ تصوف، غیر قوم سے نہ کہے۔ دنیا و مافیہا کو دل سے ترک کردے۔ خلافِ شرع فقراء کی صحبت سے بچے۔ لوگوں سے بقدرِ ضرورت خُلق کے ساتھ ملے۔ اپنے آپ کو سب سے کمتر جانے۔ کسی پر اعتراض نہ کرے۔ بات نرمی سے کرے۔ سکوت وخلوت کو محبوب رکھے۔ اوقات منضبط رکھے۔ تشویش دل میں نہ آنے دے۔ جو کچھ پیش آوے حق کی طرف سے سمجھے۔ غیر اللہ کا خطرہ نہ آنے دے، دینی کاموں میں نفع پہنچاتا رہے۔ نیت خالص رکھے۔ خورد ونوش میں اعتدال رہے۔ نہ اتنا زیادہ کھائے کہ کسل ہو اور نہ اس قدر کم کہ عبادت سے ضعف ہوجائے۔ کسبِ حلال افضل ہے۔ اگر توکل کرے تو بھی مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ کسی سے طمع نہ رکھے۔ نہ کسی سے اُمید وخوف کرے۔ حق تعالیٰ کی طلب میں بے چین رہے۔ نعمت پر شکر بجا لائے، فقر وفاقہ سے تنگ دل نہ ہو، اپنے متعلقین سے نرمی بَرتے۔ ان کی خطا وقصور سے درگذر کرے۔ ان کا عذر قبول کرے۔ کسی کی غیبت وعیب جوئی نہ کرے۔ عیب پوشی کرے۔ اپنے عیوب کو پیش نظر رکھے۔ کسی سے تکرار نہ کرے۔ مہمان نواز ومسافر پرور رہے۔ غرباء ومساکین و علماء وصلحاء کی صحبت اختیار کرے۔ قناعت وایثار کی عادت رکھے۔ بھوک وپیاس کو محبوب سمجھے۔ کم ہنسے، زیادہ روئے۔ عذابِ الٰہی اور اس کی بے نیازی سے لرزاں رہے۔ موت کا ہر وقت خیال رکھے۔ روزانہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرلیا کرے۔ نیکی پر شکر، بدی پر توبہ کرے۔ صدق مقال و اکلِ حلال اپنا شعار کرے۔ غیر مشروع مجلس میں نہ جائے۔ رسومِ جہالت سے بچے۔ شرگیں، کم

گو، کم رنج، صلاح جو، نیکوکار، نیکو رفتار، باوقار، بردبار رہے۔ ان صفات پر مغرور نہ ہو۔ اولیاء کے مزارات سے مستفید ہوتا رہے۔ گاہ گاہ عوام مسلمین کی قبور پر جا کر ایصال ثواب کرے۔ مرشد کا ادب و فرمانبرداری کامل طور پر بجا لائے اور ہمیشہ استقامت کی دعا کرتا رہے۔ (شریعت و طریقت، ص: ۴۳۶)

حضرت مہاجر مکیؒ کی مزید وصایا

۱) ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' تصوّف کی اصل ہے۔ (امداد المشتاق، ص: ۴۵)

۲) صورت نیکوں کی اختیار کرنا چاہیے۔ سیرت اللہ تعالیٰ درست کر دے گا کیونکہ وہ واہب وفیّاض ہے۔ (امداد المشتاق)

۳) ظاہر میں خلق کے ساتھ رہنا چاہیے اور باطن میں حق کے ساتھ۔ اگر پانی کشتی کے اندر آ جائے تو کشتی غرق ہو جائے اور اگر باہر رہے تو باعثِ نجاتِ کشتی ہے۔ اسی طرح محبتِ مال واولاد وغیرہ دل سے دور رکھنا چاہیے کیونکہ موجب حجاب ہے۔ قلب میں سوائے محبتِ حق کے کسی چیز کو جگہ نہ دینا چاہیے۔ (امداد المشتاق، ص: ۲۷)

بقول مولانا محمد احمدؒ پرتاپ گڑھی:

نہ کوئی راہ پا جائے نہ کوئی غیر آ جائے
حریمِ دل کا احمد اپنے ہر دم پاسباں رہنا

۴) اس اٹھک بیٹھک کی قیمت وہاں معلوم ہو گی کہ کس درجہ کی چیز ہے اور یہی سب کچھ ہے۔ حق تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ بلا حضور قلب ہی اٹھک بیٹھک ہو جایا کرے۔ (کسی نے عرض کیا حضرت! جب دل متوجہ نہ ہو تو اس اُٹھک بیٹھک سے کیا نتیجہ تو حضرت نے درج بالا جواب دیا تھا۔)

۵) جو مزہ میں نے فقر و فاقہ میں دیکھا اور اس میں میرے مراتب کی ترقی ہوئی اور انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ مقربین کی زیارت ہوئی اور انوار و تجلیات مجھ پر نازل ہوئے وہ امور پھر فراغت میں میسر نہ ہوئے۔ (امداد المشتاق، ص: ۱۱۱)

۶) لوگوں کی آمد و رفت اور ہجوم سے مجھ کو کچھ تکلیف نہیں اور اگر تکلیف بھی ہو تو کیا

ہوا؟ طالبانِ حق کے لیے اس کو برداشت کرنا چاہیے۔ جو لوگ میرے پاس آتے ہیں اُن کے اچھا ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کی طلب میں قدم اُٹھا کر آتے ہیں۔ ان کی زیارت کو موجبِ نجات سمجھتا ہوں۔

۷) خلوت از اغیار نہ از یار۔ بھائی طالبانِ حق کا اپنے پاس بیٹھنا مخلِ خلوت نہیں۔

۸) اتفاقِ باہمی کی اصل تواضع ہے۔ جن لوگوں میں تواضع ہوگی باہم اتفاق رہے گا۔ (متواضع شخص اہل اللہ ہی ہوتا ہے کیونکہ تواضع و انکساری اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ جھگڑے کی بنیاد حبِ جاہ اور ریا پر ہے۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے، آمین)

۹) جو شخص عارف ہوتا ہے وہ حرم میں بلا اختیار نماز نہ ملنے پر متاسف نہیں ہوتا کیونکہ طرقِ قرب مختلف ہیں۔ اگر محبوب نے بجائے صلوٰۃ فی الحرم کے مرض کو طرقِ قرب تجویز فرمایا ہو تو اس شخص کا کیا منصب ہے کہ اپنی تجویز کو ترجیح دے۔

در طریقت پیشِ سالک ہر چہ آید خیر اوست
بر صراطِ مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

جو شخص اس میں اتفاق و ایقان حاصل کرے گا اس کو ہمیشہ باطنی ترقی ہوتی رہے گی۔ (حکیم الامت)

۱۰) اگر عبادت میں ریا بھی ہو تب بھی عبادت نہ چھوڑے۔ ریا ہمیشہ ریا نہیں رہتی۔ چند روز ریا رہتی ہے پھر وہ عبادت ہو جاتی ہے۔ پھر اس میں اخلاص پیدا ہو جاتا ہے۔

(سالکینِ راہ کے لیے اس میں ہدایت ہے کہ ریا سے گھبرا کر عمل نہ چھوڑے بلکہ کرتا رہے، اللہ تعالیٰ اخلاص پیدا فرما دیں گے۔ سبحان اللہ! کیسی معرفت کی بات ہے۔ ثمین اشرف)

۱۱) جوانی میں خوف غالب رہنا چاہیے اور بڑھاپے میں رجاء۔ ان اخلاق میں کیسی تعدیل فرمائی ہے اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ خوف سے مقصود سعی فی العمل ہے اور اس کا وقت جوانی ہے۔ اگر بڑھاپے میں اس کا غلبہ ہوا تو متجر بہ یاس و نا اُمیدی ہو جائے گا جس میں ایمان جانے کا اندیشہ ہے۔ (حکیم الامت) (اقوالِ سلف، ج:۴، ص:۸)

دعا کی چار قسمیں ہیں: اوّل دعائے فرض مثلاً نبی کو حکم ہوا کہ اپنی قوم کے واسطے بلا کی دعا

کرے۔ پس اس پر یہ دعا کرنا فرض ہے۔ دوم دعائے واجب جیسے (وتر میں) دعائے قنوت۔ سوم دعائے سنت جیسے بعد تشہد ادعیۂ ماثورہ مثلاً "اَللّٰھُمَّ اِنِّی ظَلَمْتُ..." ۔ چہارم دعائے عبادت جیسا کہ عارفین کرتے ہیں اور اس سے محض عبادت مقصود ہے۔ کیونکہ دعا میں تذلّل ہے اور تذلّل حق تعالیٰ کو محبوب ہے۔ لہٰذا "اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ" وارد ہوا ہے جس کی وجہ سے خواہ قبول نہ ہو مگر عبادت کی شان تو بہرحال باقی رہتی ہے۔ (اس سے مراد عبدیت و تذلل یعنی محض اظہارِ عبدیت ہی مقصود ہو۔)

۱۲) دین کو خوب مضبوط پکڑنا چاہیے۔ دنیا خود ہی اچھی صورت میں خدمت کو حاضر رہے گی۔

حضرت مہاجر مکیؒ کی وصیت مولانا اشرف علی تھانوی کو بوقت روانگی

۱۔ دیکھو میاں اشرف علی! ہندوستان پہنچ کر تم کو ایک ایک حالت باطنی پیش آئے گی۔ عجلت مت کرنا۔ مجھے مطلع کرتے رہنا۔

۲۔ کبھی کانپور کے تعلق سے دل برداشتہ ہو کر پھر دوسری جگہ تعلق نہ کرنا۔ توکل علی اللہ تھانہ بھون جا کر بیٹھ جانا۔ (اقوالِ سلف، ج:۴،ص:۴۴۵۔ حسن تدبیر۔ تھانوی نمبر،۲۵۲)

سیّد الطائفہ حضرت مہاجر مکیؒ وصیت بنام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

۱) آپ جیسے مقبولِ الٰہی نے جو حوالۂ قلم کیا ہے ایک بندۂ عاجز کو اپنی نسبت ایسا ہی گمان کرنا چاہیے۔ اگرچہ اپنی دانست و اعتقاد میں ہم اپنے دین و ایمان اور اعتقاد و اعمال کو بہتر اور لائق خیال کرتے ہیں لیکن نعوذ باللہ منہا۔

حضرتِ کردگار کے دربارِ عالی وقار کے ہرگز لائق و شایان نہیں ہے لیکن بندۂ گندہ و نادم کے لیے اس سے چارہ نہیں ہے کہ بری بھلی طرح کی بندگی کرتا رہے۔

بہرصورت اس شکستہ و خستہ حالت میں اپنی کوتاہی کے اقرار کے ساتھ درگاہِ کریم کارساز پر ہمیشہ پڑا رہے اور یہ خیال نہ کرے کہ میں حق تعالیٰ کے دربار کے لائق نہیں ہوں ۔

تو مگو مارا بداں شہہ بار نیست
با کریماں کار ہا دشوار نیست

ترجمہ: یہ نہ کہو کہ اس شاہ تک ہماری رسائی نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ کریموں کے لیے کوئی کام دشوار نہیں ہے یعنی وہ اپنے کرم سے نااہلوں کو بھی شرفِ زیارت کی سعادت بخش سکتے ہیں۔

بلکہ ہمت کے ہاتھ سے رحمت کے دامن کو نہ چھوڑے اور امیدوار رہے۔ اگر اسی طرح کرتا رہے تو اُمید قوی ہے کہ ارحم الراحمین اپنے بندۂ شکستہ کو نہ چھوڑے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بجز شکستگی و خستگی کے کچھ نہیں چاہتے (اس لیے کہ اس کے علاوہ سب کچھ ان کے خزینے میں موجود ہے۔)

۲) مشائخ کرام کے نزدیک استقامت کے برابر کوئی چیز کم ہے۔ پس جو چیز تمھارے حوالہ ہے اس پر التزام مناسب ہے اور جو چیز اس سے مانع ہو اس کو بالکلیہ ترک کرنا چاہیے۔ اس لیے مطبع کی نوکری کو اچھا نہیں سمجھتا ہوں کہ صبح و شام ہمہ تن اس میں مصروفیت رہتی ہے اور اگر معلّمی کی نوکری ہو تو کیا اچھا ہو کہ سنت سیّدی و شیخی قدس سرہ کی ہے۔ یعنی حضرت میاں جی نور محمد جھن جھانویؒ۔

۳) اجرائے مدرسہ علمِ دین کے آں عزیزوں و عزیزم حافظ عابد حسین صاحب کی سعی سے کس قدر خوشیاں حاصل ہوئیں کہ بیان میں نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ اس امرِ خیر کو ہمیشہ جاری رکھے اور اس کے ساعی و باعثوں کو جزائے خیر دے۔

دل بیار و دست بکار۔ مشغولی باطن کو ہاتھ سے نہ دیں۔ (مرقوماتِ امدادیہ، مکتوب:۱۸)

حضرت حاجی صاحبؒ کی دعا خاندانِ قاسم نانوتویؒ کے لیے

حضرت حاجی صاحب کی دعاء مولانا قاسم نانوتویؒ کے جملہ خاندان کے لیے بعد وصالِ نانوتویؒ: دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کو سب برائیوں اور تکلیفوں سے محفوظ رکھے اور علمِ نافع و عملِ صالح نصیب کرے۔ آمین۔ (اقوالِ سلف، ج:۴، ص:۸۷)

(نوٹ: حضرت نانوتویؒ کے خاندان کے حق میں حضرت حاجی صاحب کی دعاء عظیم سرمایہ ہے۔ نیز اشارہ ہے کہ اس خاندان میں علمائے حق اور صلحاء و اتقیاء بھی ہر زمانے میں رہیں گے۔ یا اللہ ہماری بھی دعا ہے کہ اس خاندان نے جو حق کی اشاعت کا چشمہ دنیا میں جاری کیا ہے جس سے لاکھوں سیراب ہو چکے ہیں، اس خاندان کو بھی سیراب رکھ۔ وَ اجْعَلْ اَئِمَّةً

الْهُدٰی مِنَّا وَ مِنْهُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ، آمین یا سمیعَ الدّعاء یا مُجیبُ (ثمین اشرف)

سیّد الطائفہ کا مکتوب بنام مولانا یعقوب نانوتوی صدر مدرّس دار العلوم دیوبند

اس بات کو معلوم کرنے سے کہ آں عزیز اور مولوی قاسم صاحب ایک جگہ جمع ہیں بہت مسرور ہوا کیونکہ اجتماع میں خیر و برکت ہوتی ہے۔ فی الجماعۃ برکۃ۔ خصوصاً جب کہ ہم مذہب و ہم مشرب ہوں۔ فائدہ ایک دوسرے کو پہنچے گا۔ (اقوالِ سلف، ج:۴، ص:۸۴)

سیّد الطائفہ کا مکتوب بنام حضرت مولانا حکیم ضیاء الدین

مناسب ہے کہ اوراد و اشغال کی تعلیم میں یارانِ طریقت کے قصور و مستی کو راہ نہ دیں اور کتبِ اخلاق اور ملفوظات مشائخ اور مکتوبات کا مطالعہ کرتے رہیں اس لیے کہ کلماتِ مشائخ مرد کو شیر مرد بناتے ہیں اور نامرد کو مرد۔ (اقوالِ سلف، ج:۴، ص:۸۴)

سیّد الطائفہ کا مکتوب بنام مولانا رفیع الدین مہتمم دار العلوم دیوبند

از فقیر امداد اللہ عفہ عنہ۔ باسمہ تعالیٰ

بخدمت بابرکت عزیز دلم مولوی رفیع الدین صاحب دام محبتہ و معرفتہ باللہ تعالی۔ بعد سلام مسنون و دعاء خیر کے، معلوم ہووے خط تمھارا عینِ انتظار میں پہنچا اور سب حال وہاں کا معلوم ہوا۔ واقعہ جانکاہ۔ خطوط بمبئی اور بھوپال اور میرٹھ وغیرہ سے معلوم ہوا تھا۔ اس صدمے نے ہم سب کو ضعیفی میں ڈال دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رضا بقضا ہیں۔ اس کی جو چاہے کرے۔ ہم سب کو چاہیے جان و دل سے اس کی رضا پر رہیں، ہمارے نفع نقصان کو وہ خوب جانتا ہے، اس پر سونپ کر اپنے کام میں مصروف رہیں جس سے رضامندی اللہ و رسول کی حاصل ہو۔

عزیزِ من! جو تم میں بڑے سرپرست مدرسہ کے تھے وہ جنت الفردوس کو سدھارے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ تم سب صاحب بہ دل مدرسہ کی بہبودی میں مصروف ہو مگر فقیر بھی تم کو لکھ کر داخلِ ثواب ہوتا ہے۔ عزیزِ من خصوصاً تم کو کہ مدرسہ کے مہتمم ہو چند اُمور کا لحاظ چاہیے:

۱۔ کسی کے ساتھ بے وجہ رعایت و مروّت کرو گے تو کل کو جواب دینا ہوگا۔

۲۔ دوسرے مدرسہ کا مال بیت المال ہے۔اس سے قرض دام اور پیشگی تنخواہ مت دیا کرو۔تم کواس میں تصرف نہیں پہنچتا۔

۳۔ یوں تو سارے مدرّس اس مدرسہ کے فقیر کے عزیز اور پیارے ہیں مگر عزیزم مولوی محمد یعقوب صاحب سے چند وجوہ سے زیادہ واسطہ ہے لہٰذا اگر وہ مدرسہ کے کسی کام میں کوتاہی کیا کریں تو ان سے کام لیا کرو، انشاء اللہ وہ اس سے ناراض نہ ہوں گے کیونکہ دانا ہیں۔

۴۔ چوتھے عزیزم مرحوم کے جوشاگرد اور مرید ہیں اور دوست ہیں سب مدرسہ کی طرف توجہ رکھیں کہ عزیزم رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی عمدہ یادگار مدرسہ ہے،اس سے غفلت نہ کریں۔

۵۔ پانچویں عزیزم مرحوم کی اولاد کے ساتھ آپ سب صاحبِ رعایت اور مروّت رکھیں۔ خصوصاً تعلیم وتعلّم وتربیت اُمورِ خیر میں بہت لحاظ رکھیں۔فقیر چاہتا تھا کہ برخوردار احمد کو یعنی فرزندِ عزیزم مرحوم کو اپنے پاس بلا کر رکھوں اور یہاں مدرسہ میں مولانا مولوی رحمت اللہ صاحب کی خدمت میں تحصیلِ علم کریں اور جب تک فقیر جیے اس سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھے۔مگر اس کی والدہ شاید جدائی کو گوارا نہ رکھیں۔فقیر کو اس کی خاطر نظر ہے اس واسطے اس امر میں سکوت کیا۔بہرحال دعا پر اکتفا کیا۔اللہ تعالیٰ اس کو سب برائیوں اور تکلیفوں سے محفوظ رکھے اور علمِ نافع وعملِ صالح نصیب کرے۔آمین

(اقوالِ سلف، ج:۴،ص:۸۷)

(ف : حضرت حاجی صاحبؒ نے مدرسہ سے اور حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ سے کس قدر تعلق اور محبت اور حضرت نانوتویؒ کے خاندان سے پیار کا اظہار کیا ہے کہ جب تک جیوں ان کی اولاد سے آنکھ ٹھنڈی کروں۔سبحان اللہ! کیا قدر ومنزلت تھی مگر افسوس بانی دار العلوم کے خاندان کے مظلوم حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کس قدر اذیت کن اور ناروا حرکت کا مظاہرہ کیا گیا۔مگر حکیم الامت کا تربیت یافتہ حکیم الاسلام کہ کبھی بھی ایک آدھ لفظ بھی گلہ شکوہ کا زبان پر لایا ہو۔جولحم میتۃ ولحمِ خنزیر کا دعویٰ زبان زد کیے ہوئے تھے اور ہر مجلس حکیم الاسلام کے اعراض اور قاسم نانوتوی کے خاندان کی غلط تضحیک وتذلیل میں مصروف تھے۔اخبارات کو غلط بیانات دے

کر حلیم کو حیرانی میں ڈالے ہوئے تھے۔ ان سب کا جواب حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ نے خلقِ قاسمی سے دیا۔﴿یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِہٖ﴾ ... ﴿لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَ لَا السَّیِّئَۃُ﴾۔ (سورۂ حم سجدہ، آیت:۳۴) ﴿وَ مَا یُلَقّٰھَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (سورۂ حم سجدہ، آیت:۳۵) (جن کا موقف الصبر و السکوت و الدعا تھا۔ افسوس کہ خاندان قاسم کی قدر اس لیے بھی کر لی جاتی کہ سیّد الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ کی ہدایت ونصیحت تھی۔ جن کے والدؒ نے حکیم الاسلام کے زیرِ اہتمام کام کیا بلکہ حکیم الاسلام کے معین ونصیر رہے۔ انہی کی اولاد نے حکیم الاسلام کو اذیت نہیں دی بلکہ اپنے والد کی دیانت و امانت کو جو حکیم الاسلام پر تھی، مجروح کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ساٹھ سالہ مظلوم ومعصوم مہتمم کے ساتھ ناروا سلوک کرنے والے آج اسی مقبرۂ قاسمی میں سپردِ خاک ہوگئے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ ثمین اشرف)

سیّد الطائفہ کا مکتوب بنام قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

فقیر امداد اللہ عفی عنہ

عزیزم مولوی رشید احمد صاحب رزقہ اللہ عرفانہ۔ بعد سلام مسنون و اشتیاقِ ملاقات مشہود خاطر عاطر ہو۔ للہ الحمد کہ احقر بہر حال مشکور اور آں عزیز کے دارین کی بہبودی کا خواہاں ہے۔ صحیفۂ شریفہ پہنچا، وہاں کے حال سے اطلاع ہوئی۔ پیرزادوں کی پرخاش اور قحط بارش اور لامذہب اور بدعات کے غلبہ کو معلوم ہونے سے رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور ان بلاؤں سے مخلوق کو نجات بخشے۔ اگر چہ تکالیف، شدائد دنیاوی ظاہر میں رنج ہیں لیکن جب حقیقت پر غور کرے تو کیا رنج، بلکہ بے انتہا گنج ہے اور رضا بقضا مقصود ومطلوب ہے۔ بہر حال ہر چہ ساقی ما ریخت عین الطافست اور غذائے طالبان ہے۔ اگر مخالفین چاہتے ہیں اور ایذاء دیتے ہیں تو امر حق جان کر خانقاہ وحجرہ ترک کرنا چاہیے۔ درس وتدریس کی مشغولی اور مراقبہ سے آپ کے فرحت ہوئی شکر بجالایا گیا۔ وہ جو لکھا ہے کہ وقت پر درسِ حدیث وتفسیر کی مشغولی دلچسپی کا سبب ہے اور صبح کے وقت کہ اس عزیز کام (یعنی ذکر اللہ) میں مشغول ہوتا ہوں تو اس طرف سے بھی آنا

ناگوار ہوتا ہے اور لذتِ خلوت کی نہیں چھوڑتی۔شکر بجالائیں کہ مقامِ کاملین عطا ہوا اور جو کچھ کہ بعض اوقات کوئی حال باعثِ کلفت ہوتا ہے یہ بھی عمدہ مشائخ کے احوال سے ہے اور ترقیٔ مقام کا باعث۔اور بے کلفت ثمرۂ اُلفت حاصل نہیں ہوتا۔(اقوالِ سلف، ج:۴،ص:۸۸)

محافظِ دین واسلام،مرکزِ تحفّظ ختم نبوت،ترجمان قرآن وشریعت،

پاسبانِ سلوک واحسان دارالعلوم دیوبند کا افتتاح

۱۲۸۳ھ م ۱۸۶۶ء، برصغیر کے مسلمانوں کے لیے وہ مبارک ومسعود سال ہے جس میں شمالی ہند کی اس قدیم تاریخی بستی میں ان کی دینی وعلمی اور ملّی زندگی کی نشاۃ الثانیہ کا آغاز ہوا۔ ۱۵ر محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ر مئی ۱۸۶۶ء بروز پنجشنبہ، چھتے کی قدیم مسجد کے کھلے صحن میں انار کے ایک چھوٹے سے درخت کے سائے میں نہایت سادگی کے ساتھ کسی رسمی تقریب یا نمائش کے بغیر دارالعلوم کا افتتاح عمل میں آیا۔حضرت مولانا ملا محمود دیوبندیؒ کو جو علم وفضل میں بلند پایہ عالم تھے، مدرّس مقرر کیا گیا۔شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم کے وہ اوّلین شاگرد تھے جنھوں نے استاد کے سامنے کتاب کھولی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ استاد اور شاگرد دونوں کا نام محمود تھا، اس وقت ربّ السّمٰوٰت والارض کے التفاق اور چشم کرم پر بھروسہ کرنے کے سوا اور کوئی ظاہری ساز وسامان نہ تھا۔اخلاص وخدمتِ دین اور توکل علی اللہ کے جذبات کے سوا ہر سرمائے سے ان حضرات کا دامن خالی تھا۔چنانچہ اس بے سروسامانی کے ساتھ افتتاح عمل میں آیا کہ نہ کوئی عمارت موجود تھی اور نہ طلبہ کی جماعت۔صرف ایک طالب علم اور ایک استاد، یہ تھی کل کائنات اس ادارے کی جو آج کل 'از ہر ہند دارالعلوم دیوبند' کے نام سے پوری دنیا میں مشہور ومعروف ہے۔

دارالعلوم دیوبند اولیاء کرام کی سحر گاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے

دارالعلوم دیوبند سحر گاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔حضرت حاجی امداد اللہ نور اللہ مرقدہٗ کو جب مکہ مکرمہ میں دارالعلوم کے قیام کی اطلاع دی گئی تو حضرت نے فرمایا: سبحان اللہ! آپ فرماتے

ہیں، ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے۔ یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقاتِ سحر میں سربسجود ہوکر گڑگڑاتی ہیں کہ یا ربا! ہندوستان میں بقاء اسلام اور تحفّظ علم کا کوئی ذریعہ پیدا کر۔ یہ مدرسہ انہی سحرگاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ (بیس بڑے مسلمان، ص:۱۲۴)

(دار العلوم کے ذمہ داران کے لیے از حد ضروری ہے کہ ہر عہد میں اوقاتِ سحر میں سربسجود ہوکر بقائے اسلام اور حفاظتِ قرآن کے لیے گڑگڑائیں۔ اللہ تعالیٰ دار العلوم کو ہمیشہ ایسے ہی مقربین وصدیقین و صالحین علماء راسخین فی العلم عطا فرمائے جو آہِ سحرگاہی سے تحفّظ اسلام و مسلمانانِ ہند کے خاطر بے چین رہیں اور ملت کے درد کو اپنا درد جانیں۔ جن کے دلوں میں صرف اور صرف عظمتِ باری ہو۔ حق جل مجدہ کی ذات حق پرست سے جن کا تعلق و ربط ایسا قوی ہو کہ کفر و کافر کی نجاست وکید سے بیزار ہو، حق کا ترجمان ہو، مصلحت کے نام ملت فروش نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے سابق میں دار العلوم دیوبند کو انہی کمالات کا غیر معمولی مجاہد و مدبر عطا کیا ہے۔ یا سمیع الدعاء! دار العلوم کی لاج رکھنا۔ آمین یا مجیب۔ ثمین اشرف)

حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانئ دار العلوم کا دستور العمل

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ (۱۲۴۸ھ م ۱۸۳۳ء - ۱۲۹۷ھ م ۱۸۷۹ء) جو اس تعلیمی تحریک کے قافلۂ سالار اور روحِ رواں تھے، اُنھوں نے علمی، تعلیمی، تبلیغی، تصنیفی، سیاسی اور معاشرتی امور میں برصغیر کے مسلمانوں کی عظیم الشان اور گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ انھوں نے دینی مدارس خصوصاً دار العلوم کے قیام و بقا کے لیے جو دستور العمل تجویز فرمایا ہے اس میں اسلامی دَورِ حکومت کے سابقہ طریق کے برعکس اسی عوامی چندے اور جمہوری طرز کے اختیار کرنے کی پرزور تلقین کی گئی ہے۔ اس دستور العمل میں حضرت نانوتوی قدس سرہ نے بتلایا ہے کہ دینی مدارس کے قیام کے لیے بنیادی طور پر یہ اصول ضروری قرار دیے جائیں:

۱۔ اصلِ اوّل یہ ہے کہ تا مقدور کارکنانِ مدرسہ کو ہمیشہ تکثیرِ چندہ پر نظر رہے، آپ کوشش کریں، اوروں سے کرائیں، خیر اندیشانِ مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

۲۔ ابقائے طعامِ طلبہ بلکہ افزائشِ طلبہ میں جس طرح ہوسکے خیر اندیشانِ مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں۔

۳۔ مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور خوش اسلوبی ہو، اپنی بات کی پچ نہ کی جائے۔ خدانخواستہ جب اس طرح کی نوبت آئے گی کہ اہلِ مشورہ کو اپنی مخالفتِ رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسے کی بنیاد میں تزلزل آجائے گا۔ القصہ، تہہِ دل سے بروقت مشورہ اور نیز اس کے پس وپیش میں اسلوبی مدرسہ ملحوظ رہے۔ سخن پروری نہ ہو، اور اس لیے ضروری ہے کہ اہلِ مشورہ اظہارِ رائے میں کسی وجہ سے متامل نہ ہوں اور سامعین بہ نیتِ نیک اس کو سنیں، یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو بدل و جان قبول کریں گے اور نیز اسی وجہ سے یہ ضرور ہے کہ مہتمم امور مشورہ طلب میں اہلِ مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے۔ خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیرِ مدرسہ رہتے ہیں یا کوئی وارد و صادر جو علم و عقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو، اور نیز اس وجہ سے ضرور ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے اہلِ مشورہ سے مشورہ کی نوبت نہ آئے اور بقدرِ ضرورت اہلِ مشورہ کی مقدارِ معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا، ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہلِ مشورہ معترض ہوسکتا ہے۔

۴۔ یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرّسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علماء روزگار خودبین اور دوسروں کے درپئے توہین نہ ہوں۔ خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس مدرسے کی خیر نہیں۔

۵۔ خواندگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہوچکی ہے یا بعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز ہو پوری ہوجایا کرے، ورنہ یہ مدرسہ اوّل تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

۶۔ اس مدرسے میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں تب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرطِ توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا، اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانہ، تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف و رجا جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امدادِ غیبی موقوف ہوجائے گی اور

کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا۔ القصہ، آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

۷۔ سرکار کی شرکت اور اُمراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

۸۔ تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجبِ برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندہ سے اُمید ناموری نہ ہو، بالجملہ حسنِ نیت اہلِ چندہ زیادہ پائیدار کا سامان معلوم ہوتا ہے۔ ان اصولِ ثمانیہ کی نہایت ہی بلیغ تشریح حضرت مولانا محمد طیب صاحب نے فرمائی ہے، جو ایک مستقل پمفلٹ میں بنام 'آزادیٔ ہند کا خاموش رہنما' شائع ہوچکی ہے۔

اس دستور العمل کی پہلی، دوسری اور چھٹی ساتویں اور آٹھویں دفعہ میں واضح طور پر عوامی چندے کو اوقاف کا بدل تجویز کیا گیا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی پورا زور دیا گیا ہے کہ آمدنی کے یقینی ذرائع سے احتراز کرنا ضروری ہے، ورنہ خوف و رجا جو اصل سرمایہ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

مولانا محمد علی جوہر نے فرمایا یہ اصول خالص الہام ومعرفت کے سرچشمے سے نکلی ہوئی باتیں ہیں۔ تحریکِ خلافت کے موقع پر جب مولانا محمد علی جوہر مرحوم دار العلوم میں آئے اور اُنھوں نے حضرت نانوتویؒ کے اصول ہشتگانہ دیکھے تو مولانا مرحوم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کہ ''ان اصول کا عقل سے کیا تعلق! یہ تو خالص الہام ومعرفت کے سرچشمے سے نکلی ہوئی باتیں ہیں۔ سو برس کے بعد دھکّے کھا کر ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں، حیرت ہے کہ یہ بزرگ پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے۔''

اب جب کہ بڑی بڑی ریاستیں خواب وخیال بن چکی ہیں اور زمینداریاں ختم ہوگئی ہیں، مگر کشمیر سے آسام تک ہزاروں دینی مدرسے چل رہے ہیں اور اُن پر حکومت کی تبدیلیوں کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اس سے عوامی چندے کی افادیت اور مدارس کی بنیادوں کے استحکام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اوقاف کے سابقہ طریقے کے بجائے عوامی چندے کا یہ طریقہ بہت کامیاب اور بڑا نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ دینی مدارس کے قیام اور دینی تعلیم کی نشر واشاعت کے لیے یہ ایک ایسا مفید اور

مستحکم طریقہ تھا جس نے دینی تعلیم کے فروغ کو عوامی چندے کی تحریک میں تبدیل کر دیا، چندے کی نسبت دار العلوم کا شروع سے طے شدہ اصول یہ رہا ہے کہ اس میں نہ تو چندے کے لیے کوئی لازمی مقدار مقرر کی گئی ہے۔ نہ مذہب وملت کی تخصیص روا رکھی گئی ہے۔ چندے کی اس دفعہ کے الفاظ یہ ہیں:

''چندے کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے اور نہ خصوصیتِ مذہب وملت ہے۔''

قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

۱) متوسلین کو بعد نمازِ فجر ومغرب "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ" سو بار، ایک تسبیح استغفار کی جس وقت فرصت ملے۔ اگر سوتے وقت ہو تو بہتر ہے۔ سیّد الاستغفار آپ کو زیادہ پسند تھا: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ۔

۲) جناب رسول اللہ ﷺ کا ہم پر بڑا احسان ہے پھر بھی ہمارا آپ پر درود شریف بھیجنے میں بخل کرنا بڑی بے مروّتی وخسران کی بات ہے۔ درودِ ابراہیمی آپ کو زیادہ پسند تھا۔

متوسلین کو درود شریف پڑھنے کی تلقین فرماتے کہ کم از کم تین سو مرتبہ روزانہ پڑھا جائے اور اتنا نہ ہو سکے تو ایک تسبیح میں کمی نہ کی جائے۔

۳) مختلف اوقات میں جو دعائیں رسول اللہ ﷺ سے وارد ہیں ان کو پابندی سے ادا کیا جائے اور جملہ اعمال میں سنت کی متابعت کی جائے کہ قرب کا اقرب ترین راستہ سنتِ رسول اللہ ﷺ ہے۔

۴) مقصود نسبت احسان کی تحصیل ہے لہٰذا اس نسبت کے کمال و رسوخ کے لیے کثرتِ ذکر وفکر کی ضرورت ہے۔ سالکین کو اس کی پابندی کرنی چاہیے۔ شروع میں بارہ تسبیح کی پابندی کی جائے۔ ہر حال میں مداومت کی تاکید ہے۔ پھر جب ذکر اللہ سے مناسبت و رغبت ہو جائے تو مرشد کی ہدایت سے اضافہ۔ اسم ذات اللہ اللہ یا نفی و اثبات لا الہ الا اللہ، ہزار، بارہ ہزار، چوبیس ہزار تک کیا کرے۔ مگر اطلاع ہر حال کی مرشد کو کرتا رہے۔ ساتھ ساتھ پاسِ انفاس کا خیال

رکھے یا ذکرِ قلبی میں مشغول رہے۔ جب ذکر کا اثر محسوس ہو تو پھر مراقبہ حضوری کا اہتمام ہو۔

۵) ذکر میں کچھ خصوصیت رات کی ہی نہیں ہے۔ دن کو بھی کرو۔ باقی جو یہ اوّل کیفیت تھی پھر وہ نہ ہوئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اوّلاً جو حال وارد ہوتا ہے وہ بہت زور سے آتا ہے۔ قلبِ ناآشنا ہوتا ہے، اس لیے کیفیت زیادہ ہوتی ہے۔ پھر اس حال سے یک گونہ مناسبت ہو جاتی ہے تو وہ زور شور نہیں معلوم ہوتا کہ اوّل کورے ظرفِ گلی (مٹی کے برتن) میں پانی ڈالیں تو کیسا شور ہوتا ہے، دوبارہ میں حالانکہ پانی کا اثر زیادہ ہوتا ہے مگر وہ جوش نہیں ہوتا۔ ایسا ہی حال قلب و جسدِ انسان کا ہے اور غرض کیفیت سے نہیں۔ مقصد سکون و ربطِ قلب باللہ ہے۔ حالات جو اولیاء پر ہوئے وجد و حال کے اس کا بیسواں حصہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں۔ غرض نسبت وسکون وطمانیت باللہ تعالیٰ اصل ہے اور کیفیت لازم و داعی ہے۔ یہ حال ہے مقام نہیں، سو اس کا افسوس مت کرو۔ اب اس حالت سے تم میں زیادہ نسبت ہے۔

اور ذکر میں رعایت دماغ وقوت کی ضرور رکھنا۔ لذت میں آ کر ایسا نہ کرنا کہ اصل کام سے رہ جاؤ۔ تھوڑا تھوڑا بڑھتا ہے۔ جلدی کا کام نہیں ایک دو روز کی بات نہیں، ساری عمر کا کام ہے۔ ساعۃً فساعۃً۔ قول رسول اللہ ﷺ ہے۔ رات دن یکساں حال نہیں ہوتا، اس امر کو بہت یاد رکھنا۔ فقط والسلام۔ (مکاتیبِ رشیدیہ، ص:۲۵۔ اقوالِ سلف، ج:۴، ص:۱۵۲)

شوق کی فضیلت، ولایتِ نظری کی حقیقت اور کام کی اہمیت

۶) فی الوقع کوئی شئے شوق سے زیادہ نہیں، صاحبِ شوق کو کوئی چیز مانع نہیں ہوتی۔ جس کو شوق ہوتا ہے وہ حسبِ لیاقت و استعداد ضرور کچھ لے جاتا ہے اور بدون شوق ساری عمر کی محنت بھی تھوڑا حظ (حصہ) دیتی ہے۔ آپ کو شوق لگا ہوا ہے سو خالی نہ جائے گا۔ نالاں و گریاں ہونا ہی کافی ہے۔

ولایتِ نظری کے یہ معنی ہیں کہ بعض وقت بدون اختیارِ عارف کے ایسا آ جاتا ہے کہ عارف کی نظر میں اور توجہ میں اثر ہوتا ہے کہ جس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس پر ایک اثر پڑتا ہے جس سے ملوّن (رنگین) ہو جاتا ہے۔ مثل آفتاب کے کہ جب وہ نمایاں ہوتا ہے تو ہر شے پر اس کی شعاع ہوتی ہے۔ مگر جو طبع مصفا (صاف) قابل ہوتی ہے تو انوار کا عکس آتا ہے اور نہیں تو

حرارت کا اثر ہوتا ہے۔اس میں بھی تفاوتِ استعداد ہے۔آئینہ پر نور زیادہ اور عاج (ہاتھی دانت) پر کم۔پتھر پر گرمی زیادہ اور گارے پر کم۔علی ہٰذا پھر جو وہ عکس بزرگ کا قائم ہوگیا فبہا۔اور جو زائل ہوگیا تو پھر ویسا ہی رہ گیا۔یہ بھی تفاوت رکھتا ہے،تو یہ امر اتفاقی ہے۔بے اختیاری،اس پر کوئی انتظار کر کے نہیں بیٹھتا۔اپنا سر مارنا اور مجاہدہ مشروط ہے اور اپنا ہی کیا،حال قائم و دائم لاتا ہے۔

الغرض اب آپ ملازمت پاسِ انفاس بہت رکھیں اور اس پر زیادہ توجہ رہے اور اوراد و وظائف زبانی جو ارشادِ حضرت ہیں ان کو بھی کرتے رہیں جو مقدر ہے،ملے گا۔(مکاتیبِ رشیدیہ، ص:۱۸۶۔اقوالِ سلف،ج:۴،ص:۵۳)

قطب العالم حضرت گنگوہیؒ بنام حاجی ظہور الحسنؒ

۷) برادرم حاجی ظہور احمد صاحب سلّمہٗ،السلام علیکم!آپ کا خط آیا جس سے بوئے دین و دیانت آتی ہے۔الحمد للہ۔افسوس دین اس صاحبِ نصیب کو نصیب ہوتا ہے کہ نصیب رحمتِ کاملہ کا کامل رکھتا ہے۔

برادر!یہ تمام شریعت کا علم اور طریقت کا طریقہ نورِ یقین کی تحصیل کے واسطے ہے اور انجام و منتہی سب کا یہی تو ہے کہ جس کو مسلمان سرسری طور پر رکھتے ہیں وہ یقین حق یقین مثل مشاہدہ کے ہوجائے۔یہ انتہا سب طرق کی ہے۔سوتم نے اس سر کو پکڑا کہ اس سے وراء ہرگز نہایت نہیں۔صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تمام اپنا جان و مان اور آبرو و جان کیوں دی تھی؟ کیا دیکھا تھا؟یہی فیضِ صحبتِ فخرِ عالم علیہ السلام سے یقین حاصل ہوگیا تھا کہ دنیا کا فانی ہونا اور آخرت کا باقی ہونا۔اپنا لاشیٔ (کچھ نہ) ہونا،اور حق کا کارساز ہونا یقین ہوگیا تھا۔بس اس پر مدار سب کام کا تھا۔

حضرت سیّدی عبد القادر جیلانیؒ اور خواجہ خواجگان معین الدین چشتیؒ اور سیّد الطائفہ بہاء الدین بخاریؒ کیوں بڑے ہوگئے؟اسی یقین ہی کے سبب سے بڑے ہوئے تھے۔

سو عزیز!یہ دولت اگرچہ ہرگز ہرگز سہل نہیں،تمام جان و مال دے کر اس سے ایک ذرّہ ملے اور عمرِ نوح علیہ السلام خرچ کر کے اگر ایک ذرّہ ملے تو مفت اور بہت سہل اور جلد ہے مگر تاہم کچھ مشکل نہیں اگر مقدر ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔

سیّد الطائفہ حضرت احمد مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ کل سات قدم ہیں و بس۔ قدم تو سات ہی ہیں لیکن ایک قدم بھی اگر لاکھ سال میں طے ہو تو جلد ہے۔ مگر فضل اللہ تعالیٰ شانہ ہو تو ایک ساعت ہے۔ الحاصل اگر حاصل نہ ہو پائے، (پھر بھی) محصلین (پانے والوں) کی جماعت میں تو شمار ہو جائے۔

الحق کہ کشف و کرامت ایک جو کے برابر بھی نہیں اس نور کے سامنے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ (سورۂ نحل، آیت: ۹۹) یعنی اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ آپ کو موت آ جائے۔

جس قدر یقین ہے اسی قدر قوتِ ایمان و تقرب ہے۔ الحاصل اگرچہ یہ قوت تاثیر اور وجد اور کشف اور تصرف دنیا میں بہت ہے مگر نورِ یقین مثل کیمیا کے نادر الوجود ہے۔ اگرچہ عالم خالی نہیں۔ اشغال سب اس کے مقدمات تھے، مگر اب خود مقصود ہو گئے۔ پس اپنے شرائط و ارکان کے ساتھ آدمی کار کرلے تو قدرِ مقدر پاتا ہے، نہ یہ نسبتِ حقہ معدوم و مفقود ہے اور نہ تحصیل اس کا محال ہے۔ اگرچہ اہل، اس نسبت کے ہر روز کم ہو رہے ہیں اور اب اقل قلیل ہیں مگر عالم خالی بھی نہیں ہے۔ چنانچہ طرقِ اربعہ کا اسی نسبت پر انتہا ہے اور اہلِ طریق، اس کے ہی واسطے گھر بار ترک کر کے حیران و پریشان ہوتے ہیں۔ ہر چند آپ نے تھوڑا کلمہ کہا مگر الحق کہ خوب فہم کی بات اور تمام مدعی لکھا۔ مجھ کو تمھاری اس تحریر سے نہایت ذوق آیا۔ اے کاش کہ اس یقین کا شائبہ، ہوا بھی اس محروم کو لگ جائے کہ سارا مدار اسی پر ہے۔

اس نسبت کا نام 'نسبتِ احسان' ہے کہ بعثت جناب فخر رسل ﷺ کی اسی کے واسطے تھی اور جملہ صحابہ کرامؓ اس نسبت کے حامل تھے علی حسب مراتبهم۔

پھر اولیائے اُمت نے اس کو دوسرے طریقے سے پیدا کیا کہ ہر ایک نے اشغال اپنے اپنے طریقہ کے وضع کیے۔ سو یہ سب مقدمات اس کے ہیں اور بس۔ اس کا کوئی طریق معین نہیں۔ ہر شخص کا طرز جداگانہ ہے مگر اس زمانہ میں ترکِ تعلق (غیر ضروری جس کو حدیث میں 'ترکِ مالا یعنی' کہا گیا) کو شرطِ کامل ٹھہرایا۔

درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے شیخ کی یہ پہلی نصیحت ہے کہ ناجنس و نالائق ہم نشین سے پرہیز کیا

کرو۔ اور پھر کسی بتلانے والے کی ضرورت شدید ہے کہ بدون ہادی کے کس طرح اندھیری راہ کو طے کرے۔ بس زیادہ کیا لکھوں، ہر چند حاصل کچھ نہیں۔ مگر

اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَ لَسْتُ مِنْھُمْ
لَعَلَّ اللّٰہُ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحاً

(مکاتیبِ رشیدیہ، ص:۱۱۵۔ اقوالِ سلف، ج:۴، ص:۱۵۶)

دردِ نایافت

۸) آپ کا خط آیا، آپ کی حسرت عدم حصولِ مطلب اگرچہ عدم ہے مگر بندہ کے نزدیک عمدہ حالت ہے۔ جیسا کہ حصولِ مطلوب کی فرحت وسرور حالتِ بسط کہلاتی ہے۔ ایسا ہی عدمِ حصول مطلوب کی حسرت قبض کہلاتی ہے۔ قبض وبسط دونوں حالت نیک ہیں۔ اگر حسرت عدمِ حصول ہے تو الحمد للہ کہ طلب ہے اور دردِ نایافت (نہ پانے والا درد) ہے۔ ہمارے شیخ الشیوخ قطبِ عالم شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو بعد مجاہدہ ہزار سالہ حسرت دردِ نایافت حاصل ہوجائے تو سب کچھ اس کو حاصل ہوگیا۔ ہائے افسوس کہ دردِ نایافت نہیں ملتا کہ کام تمام ہوجائے پس اب لازم ہے کہ شغل باطن کو خوب التزام کے ساتھ بجالاؤ اور بحکم ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ (یعنی اگر کل حاصل نہ ہوسکے تو کل کو ترک بھی نہ کرے جو ملے لے لے) جس قدر ہوسکے اس کے شغل میں رہو اور پھر حسرت نایافت میں لطف دیکھو اور اُمید ہے کہ حق تعالیٰ آپ کو ضائع نہ فرمائے گا۔ (مکاتیبِ رشیدیہ، ص:۱۰۸۔ اقوالِ سلف، ج:۴، ص:۱۵۷)

قطب العالم کا مکتوب بنام مولوی ممتاز علی

از بندہ رشید احمد عفی عنہ، مکرمی مولوی ممتاز علی صاحب سلّمہٗ، بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند۔

آپ کا خط آیا، حال دریافت ہوا۔ آدمی کو جو کام کرنا ضرور ہے اُس کے واسطے انتظار فرصت کا نہیں کرنا چاہیے مثلاً اگر کوئی بیمار ہے اور علاج کرنا ضرور ہے تو یہ نہیں انتظار کرتا کہ جب سب کاروبار سے فراغ ہوجائے گا تو معالجہ شروع کروں گا بلکہ معالجہ کو مقدم یا منجملہ تمام اُمور کے کرنا شروع کردیتا ہے۔ ہاں اگر مرض کا غلبہ نہیں اور علاج کی ضرورت نہیں یا علاج کرنا ہی مراد نہیں تو دوسری بات ہے۔ پس جب ذکر کرنا بندہ کو اگرچہ وہ نفل ہی ہے اپنے خیال وعزم میں

ضرور ہوا تو انتظار فرصت کا ہرگز درست نہیں کیونکہ انسان ہرگز فارغ نہیں ہوسکتا معاش کے اکتساب میں عیال کی تربیت میں حوائج کی فراہمی میں، ہر روز پریشان ہے تھوڑا یا بہت پس تا دمِ مرگ فرصت نہ ملے گی اور جب شیطان کو محقق ہوا کہ یہ مرد فرصت کے خیال میں ہے تو ہرگز فرصت نہ لینے دیوے گا اور اس خیالِ اُمیدِ فرصت کو قوت دے کر راسخ کرے گا اور تسویف (موخر کرنا) ڈال کر سادِّ طریق (روکنے والا) خیر ہووے گا۔ یہ فی الواقع دھوکا شیطان کا ہے لہٰذا انسانِ عاقل کو واجب ہے کہ ذکر وفکرِ آخرت کو کسی حال تعویق (شش و پنج) میں نہ ڈالے البتہ اگر ممکن ہو تو اُمورِ دنیاوی کو تسویف کر دیوے اور جس قدر ذکر ہوسکے اگرچہ قلیل ہو اس کو اسی تشاویش سے مخلوط کر کے کرتا رہے۔ اگر پریشانیٔ خاطر ہے تو فقط لسانی ہی سہی کہ اگر لطیفۂ قلب معطل رہا وہ غافل ہوا تو زبان تو معطل و غافل نہیں رہی۔ ما لا یدرك كله لا يترك كله۔ ذکر ایسی شئے ہے کہ اگر اس کو کرتا رہے اگرچہ بے ہوشی خواطر و پریشانی تعلقات میں محض تحریکِ لسانی ہو نافع اور موجب نورانیتِ قلب کے ہوتا ہے۔ ہر چند ذکر قلبی ہی ہے اور ذکرِ کامل وہی ہے کہ تمام لطائف کو شاغل بنا دیوے۔ اگر یہ نہ ہو تو فقط لسان (زبان) کو بھی کیوں بے کار کر دیوے۔ یہ محض لسانی غفلت کا ذکر کشاں کشاں قلب تک پہنچا دیتا ہے۔ عضوِ لسان اگر جنت میں جائے گا تو کیا دیگر جملہ اعضاء محلِ نار ہوسکتے ہیں؟ ذکر وہ شئے ہے کہ اگر کسی جزوِ انسانی سے متصل ہووے گا تو تمام جسد کو اپنی طرف کھینچ لیوے گا۔ زنہار کہ آپ التزامِ شغل کے واسطے فرصت کا انتظار کریں۔ اگرچہ چار پانچ منٹ ہی ہو مگر شغل کو شروع کرو اور "خَيْرُ الْعَمَلِ مَا دِيْمَ عَلَيْهِ" کو پیشِ نظر کر کے اس ہی پانچ منٹ پر التزام کریں۔ اگرچہ محض لسانی بھاگتے دوڑتے ہو، پس اس تحریر کو مبالغہ نہ تصوّر فرمائیں اور اپنا کام انہی کاموں میں بالالتزام شروع فرما دیں۔ جب پانچ منٹ کا التزام ہوگا وہ زائد ہو جاوے گا۔ فقط والسلام۔ (مکاتیبِ رشیدیہ، ص: ۱۱۱)

مکاتیبِ رشیدیہ میں اس قسم کے بہت سے خطوط درج ہیں جو سالکینِ راہ بلکہ جملہ مسلمین کے لیے نہایت مفید و مؤثر ہیں۔ اگر فرصت ملے اور کتاب دستیاب ہو تو ضرور مطالعہ فرمائیں۔

حضرت قطب العالمؒ کی مزید وصایا

۱- اپنی اولاد، زوجہ اور سب دوستوں کو بتاکید وصیت کرتا ہوں کہ اتباع سنت کو بہت

ضروری جان کر شرع کے موافق عمل کریں۔تھوڑی مخالفت کو بہت سخت دشمن اپنا جانیں۔

۲- رسوم دنیا کو سرسری جان کر کرنا نہایت خرابی کی بات ہے۔

۳- لذت کھانے کی اور کپڑے کی قید نہایت خرابی ڈالنے والی دین اور دنیا کی ہے۔

۴- اپنے مقدور سے بڑھ کر کام کرنا مآل کار ذلیل ہونا ہے، اس کی رسوائی دین و دنیا میں اُٹھانی پڑے گی۔

۵- بدمزاجی و کج خلقی سخت ناراضگیٔ حق تعالیٰ ہے، دنیا میں ایسا آدمی خوار رہتا ہے اور آخرت میں نہایت ذلت اُٹھاتا ہے۔

۶- نرمی سب کے ساتھ لازم ہے۔

۷- برا کام قلیل بھی برا ہے اور اطاعت و اچھا کام اگرچہ تھوڑا ہو بہت بڑا رفیق ہے۔

۸- تکلّفات شادی و غمی کے بدعت سے خالی نہیں ہیں، ان کو سرسری نہ جانیں۔طعن و تشنیع و برادری کے سبب سے اپنے مقدور سے زیادہ کام کرنا یا خلافِ شرع یا بدعت کو کرنا عقل کی بات نہیں، دنیا و دین میں اس کا خمیازہ برا ہے۔

۹- اسراف کی مذمت اور برائی شریعت میں سخت آئی ہے کہ شیطان کا بھائی اس کو قرآن میں فرمایا ہے۔

۱۰- اگر میرا انتقال ہو جائے تو حسب مقدور ثواب پہنچا دیں۔انداز ہ سے زیادہ ہرگز نہ کریں نہ کوئی تکلّف غیر مشروع کریں۔جو کچھ ہو موافق سنت کے ہو، باہم اتفاق و سلوک سے رہیں۔

۱۱- میرے ذمہ کسی کا ایک پیسہ بھی قرض نہیں، اس کی کچھ فکر نہ کریں۔(تذکرۃ الرشید، ص:۳۴۱۔مطبوعہ مکتبۂ بحر العلوم، کراچی۔حضرت کی مکمل وصیت وصل الحبیب میں طبع ہوئی)

۱۲- ترکہ رامپور جو فروخت ہوا سب کا حصہ دیا، یا صاحبِ حق نے معاف کیا، مگر ہمشیرہ کلاں نے نہیں لیا، ان کی رضامندی سے وہ روپیہ ہمارے پاس خرچ ہوا ہے۔اور ترکہ گنگوہ جو جدی ہے اس میں امۃ الحق کا حصہ نہیں، کیونکہ وہ دادا صاحب مرحوم نے ہمارے نام ہبہ کیا تھا۔ اس میں ہم ہر سہ کا حصہ ہے، دو دو سہام بندہ اور بھائی صاحب کے، اور ایک حصہ ہمشیرہ صاحبہ کا ہے، اور جو ترکہ والد صاحب مرحوم کی خرید ہے اس میں ۶۴ سہام ہیں، سات سہام امۃ الحق کے

ہیں، باقی کے پانچ حصے ہوکر دو دو ہر برادر کے اور ایک ہمشیرہ صاحبہ کا ہے جب اہل حق طلب کریں دے دیویں۔

۱۳- کتب جو میرے پاس ہیں، ان کی فہرست لکھی ہوئی ہے۔سب کتب زرخرید اپنے نام کا لکھا ہے مگر محض رسائل کا نام نہیں لکھا گیا، اور وقفی کتابیں اور مستعار اور ترکہ والد سب کا نام لکھ دیا ہے۔مستعار کتب حوالہ مالک کردیویں۔اور وقفی کتابیں اگر احتیاط سے رکھ سکیں تو رکھیں ورنہ کسی دینی مدرسہ کو دیویں۔اور ترکہ کی رکھیں مگر جو حصہ ہوئے تو حسبِ فرائض دیدیویں فقط اس سب پر عمل درآمد غور سے کریں۔آئندہ مختار ہیں اپنے کیے کو آپ دیکھیں گے۔ یہ عاجز بری الذمہ ہوگیا۔الحمدللہ رب العالمین۔

۱۴- الماری کلاں حجرہ میں سب کتب وقفی ہیں، بعد موت بندہ جہاں مناسب ہو، یہ کتب رکھی جائیں اور جو حافظ مسعود احمد کو درس کا خیال ہو تو فقہ جات خود بھی رکھیں، اور الماری مِلک بندہ کی ہے۔

۱۵- دوسری الماری خوردتن کی لکڑی کی الماری میں سب کتابیں مِلک بندہ کی ہیں مگر بعض کتب جو مستعار ہیں، اس پر نام مالک کا ہے، وہ مالک کو دی جائے۔اور شامی کا تکملہ خود مِلک بندہ کی ہے۔اور جو کتاب ترکہ والد مرحوم کی ہے، اس پر نام والد کا لکھا ہوا ہے، اور مملوک پر نام بندہ کا ہے۔

۱۶- مولوی عبدالکریم کی کتب خارج الماری، الماری نما صندوق میں رکھی ہیں، وہ انھوں نے ہبہ بنام بندہ کر دیا ہے اور وقف خود وقف ہیں۔

۱۷- حجرہ کا اسباب سب کا سب مِلک بندہ ہے۔سوائے دو ایک عدد رضائی کے وہ مہمانوں کے واسطے رکھی ہیں، وہ صدقہ کردی جائیں، مگر دھوپ گھڑی جامع مسجد کی ہے۔

۱۸- روپیہ جو کچھ قلمدان والماری میں ہے جس پر کچھ نشان لکھا ہے وہ اس کا ہے، مسجد کا یا کسی کا اور جس پر کچھ تحریر نہیں، وہ مِلک بندہ ہے۔کاغذاتِ قرض قلمدان میں ہیں، ان سب سے حال واضح ہوجائے گا۔موافق اس کے عمل کریں۔ ہر شئے اپنے مصرف پر اور مالک کو ملے اس میں فروگذاشت نہ ہو۔

۱۹- گھر کی الماری میں سب کتب مِلک بندہ ہیں یا ترکہ والد کی، اور روپیہ سب اپنا ہے سوائے اس کے کہ اس پر کسی کا نام لکھا ہو، وہ ان کا ہے، امانت مالک کو دیویں، باقی کے مختار ہیں۔

۲۰- میرے ذمہ کسی کا قرض نہیں ہے، جو میرا قرض ہے اس کی فرد قلمدان میں ہے، دیکھ کر وصول کرلیں۔ اگر دو چار آنے گھاس دانے کے عاشق یا کوئی خادم بتادے وہ دیدیویں، شاید سہو سے رہ گیا ہو۔ ورنہ قرض مجھ پر نہیں ہوتا۔ فقط۔ (وصایا، ص:۵۳)

حضرت مولانا محمد حسین فاروقی الٰہ آبادی

خلیفہ مجاز حضرت حاجی امداد اللہؒ

(ولادت: ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۳ء۔ وفات: ۱۹۸۹ء)

۱) سنت کے مطابق طہارت کرنے میں جو انوار پیدا ہوتے ہیں وہ اذکار و اشغال میں بھی بعض دفعہ نہیں پیدا ہوتے۔

(ف: آخر سنت کس کی ہے؟ حضور ﷺ کی سنت ہے نا تو پھر اس پر عمل سے کیوں نہ نور پیدا ہوگا؟)

۲) اگر کچھ دنوں کے لیے بھی میری سلطنت ہوجاتی تو تعزیہ داروں کے خلاف جہاد کرتا اور ان کو قتل کرڈالتا۔ (اقوالِ سلف، ج:۴، ص:۲۲۰)

حضرت مولانا صوفی سلیمان لاجپوریؒ خلیفہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ

(وفات: ۱۳۴۳ھ۔ مدفن: صوفی باغ، سورت، گجرات)

۱۔ عمر گرامی انمول و بیش قیمت جوہر ہے۔ اس کو حقیر و ناچیز دنیا کے عوض فروخت کردینا باعثِ خسارتِ دارَین ہے۔

۲۔ قرآن مجید کو اپنے اعمال کا آئینہ بنانا چاہیے۔ خصوصاً ان دو رکوع سے اپنے افعال کا موازنہ کرنا فلاح ونجات کا ایک طریقہ ہے۔ ”قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ“ الآیۃ۔ دوسرے ”وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ“ الآیۃ۔ ان دو رکوع کو ہر روز پڑھ کر اس پر عمل کرنا چاہیے۔

۳۔ سچا یقین اس بات پر رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر آن اپنی مخلوقات کی حرکات وسکنات

کا ناظر ہے۔

۴۔ اللہ پاک کے پاس جانے کا جب پورا یقین ہے تو اس سے حیا و شرم کرنی چاہیے۔

۵۔ سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اپنے کو سب سے بُرا سمجھے۔

۶۔ قلب نورِ حق، نورِ الٰہی، نورِ ربّانی کے نزول کا محل ہے۔ اس لیے اس کو برے خطرات و مذموم خیالات سے خراب نہ کرنا چاہیے۔

لہٰذا ان امور سے ہمیشہ مجتنب رہنا چاہیے کہ اس سے دل خراب ہوتا ہے۔ وہ یہ ہیں: کبر، کینہ، بغض، حسد۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کا ایک اصلاحی مکتوب

بنام مولانا محمود الحسن اور مولانا خلیل احمد رحمہما اللہ تعالیٰ

حضرت مولاناؒ اوائل صفر ۱۳۰۹ھ سے لے کر ۱۳۱۴ھ تک دار العلوم دیوبند میں مدرّسِ دوم کی حیثیت سے رہے۔ وہ زمانہ حاجی عابد حسین صاحبؒ دیوبندی کے اہتمام کا تھا جو اس مدرسے کے بانیوں میں سے تھے۔ چند سال کے بعد ممبرانِ کمیٹی کے اضافے میں اختلاف پیدا ہوا اور اس نے فتنہ و شورش پیدا کردی، جس کا اثر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب جو مدرسہ کے مدرّس اوّل تھے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب پر جو مدرسہ کے مدرّسِ دوم تھے، بہت زیادہ پڑا۔ اس لیے دونوں حضرات نے اپنے شیخ و مربی حضرت مولانا گنگوہیؒ کو مدرسہ کے حالات من و عن تحریر کیے۔ اس کا جو جواب عنایت فرمایا وہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے، جس کا ابتدائی حصہ یہ ہے:

از بندہ رشید احمد عفی عنہ

برادرانِ مکرمان مولانا محمود حسن صاحب و مولوی خلیل احمد صاحب مدفیوضہما۔

بعد سلام مسنون مطالعہ فرمائیں۔ آپ دونوں کے چند خطوط پہنچے جس سے وہاں کا حال معلوم ہوتا رہا۔ آج مولوی خلیل احمد صاحب کا خط آیا جس سے پریشانی مدرّسین کی دریافت ہوئی، لہٰذا یہ تحریر ضرور ہوئی۔

میرے پیارے دوستو! تم کو کیوں اضطراب و پریشانی ہے۔ تم تو ﴿وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى

اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ﴾ پر قانع رہو۔ مدرسہ سے فقط آپ کو اتنا تعلق ہے کہ درس دیے جاؤ۔ اگر مدرسہ بند حق تعالیٰ کرادے گا تم اپنے گھر بیٹھ رہنا۔ اگر مفتوح رہا درس میں مشغول رہنا، جو تم سے درس کرانا اہلِ شہر کو منظور نہ ہوگا۔ تو دوسرا باب مفتوح ہو جائے گا۔ تم کس واسطے پریشان ہوتے ہو، خبر بھی مت پوچھو کہ کیا ہو رہا ہے، اپنا کام کیے جاؤ۔ تمھارے برابر تو کسی کے دست و پا نہیں چلتے تم کیوں بے دست و پا اپنے آپ کو لکھتے ہو۔ جس کام میں تم ہو اُس میں تکرار نہیں۔ اب فقط نزاع یہی ہے کہ اہلِ شوریٰ کی زیادت ہو۔ تمھارا کیا حرج ہے؟ تم اپنا کام کرو۔ حاجی صاحب مصلحت کا کام کرتے ہیں وہ اپنی تدبیر میں رہیں، خواہ کچھ ہو، ہماری تمھاری مرضی کے موافق ہو یا مخالف، اور اہلِ شوریٰ خود سب اختیار حاجی صاحب کو دے کر مطمئن ہو گئے تو تم پر کیا بار ہے۔ بس تم جیسے لوگوں سے تردّد کا ہونا بے موقع ہے۔ تم کسی امر میں لب کشا مت ہو۔ کوئی پوچھے تو جواب دو کہ درس کے باب میں ہم سے پوچھو، جو ہمارا کام ہے۔ انتظام وغیرہ کو نہ ہم مانیں، نہ ہم دخل دیں اور اندیشۂ بدمعاشاں کیوں کرو۔ اس شعرِ حضرت شیخ المشائخ قدس سرہ کو مدنظر رکھو ؎

قصدِ ظالم بسوئے کشتنِ ما

دلِ مظلومِ ما بسوئے خدا

(یعنی ظالم کا قصد تو ہمیں مار ڈالنے کا ہے اور ہمارے مظلوم دل کی توجہ اللہ کی طرف ہے۔)

او دریں فکر تا بما چہ کند

ما دریں فکر تا خدا چہ کند

(ظالم تو اس فکر میں ہے کہ ہمارے ساتھ کیا کرے اور ہم اس فکر میں ہیں کہ دیکھیں اللہ تعالیٰ کیا کارروائی فرماتا ہے۔)

اے عزیزان! روزِ ازل مقدر ہو چکا ہے، ذرّہ ذرّہ جو واقع ہوگا، مدرسہ کے امور میں بھی بس وہی ہوگا اور ہو کر رہے گا۔ خواہ کوئی دفع کرے یا واقع کرے۔ پھر تم کیوں سرگشتہ ہوتے ہو۔ 'ہر چہ از محبوب رسد شیریں بود' (یعنی محبوب کی طرف سے جو کچھ پیش آتا ہے وہ شیریں ہوتا ہے۔)

ف: سبحان اللہ! اس مکتوبِ گرامی میں کیسی نصیحتیں مذکور ہیں جن سے حضرت گنگوہیؒ کی فہم و فراست کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ واقعی پیر دستگیر وہی ہے کہ پیروں کے پھسلنے کے موقع پر مریدین

کوسنبھال لے، نہ کہ مزید اُلجھاوے اور قعرِ ضلالت میں گرادے۔ اس لیے ایسی نصائح کو تو پیر و مرید سبھی کو مستحضر رکھنا چاہیے تا کہ اصلاح وتربیت کا سلسلہ بخوبی جاری رہے۔
(اقوالِ سلف، ج:۴،ص:۳۰۴)

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی صدر المدرّسین دار العلوم دیوبند بنام منشی محمد قاسم نیانگری

(ولادت: ۱۳/صفر ۱۲۴۹ھ۔ وفات: ۳/ربیع الاوّل ۱۳۰۲ھ)

۱۔ کثرتِ تلاوت، اسم 'یاودودُ' کی بے قید کسی پرہیز اور کسی شرط کے ہر وقت اور ہر لحظہ اور بطور وظیفہ کے ایک ہزار ہر روز بالضرور پڑھنا چاہیے (مراد یہ ہے کہ اپنے ساتھ حق تعالیٰ کی مودت کی تحصیل اور اپنے قلب کی خلق سے خالق کی طرف تحویل کی نیت سے پڑھے) اور 'یا مقلّب القلوبُ' ایک سو بہتر باراس کے ساتھ پڑھے۔ اور اگر کسی وقت خلوت ممکن ہو تو ان اسماء کو دو سو تین (۲۰۳) بار بتصوّر مطلوب (رضائے حق) تلاوت کرے، اور خداوند کریم سے دعا کرے کہ الٰہی مجھ کو بت پرستی سے چھڑا کر حق پرستی نصیب کرا و راپنے غیر سے روگرداں کر کے اپنی طلب اور عشق عنایت فرما اور جس صورت کے ساتھ دل کو ربط ہے اس کو حجابِ نور مطلوب حقیقی خیال کرے اور یہ خواہش کرے کہ یہ پردہ میرے حق میں رہزن نہ ہو اور مجھ کو دریافت اصلِ حقیقت سے غلطی میں نہ ڈال اور اگر فرصت ملے تو بارہ سو (۱۲۰۰) بار 'لا الٰہ الا اللّٰہُ' بحضور وقصور لامقصود کے بہ آواز نرم وحزیں پڑھے۔ اور اگر یہ عدد ایک وقت میں ممکن نہ ہو تو شب وروز میں یہ حسب فرصت دو بار یا تین بار کر کے پورا کرے اور کسی قدر درود شریف کہ کم پانچ سو مرتبہ سے نہ ہو، اور اسی قدر استغفار ہر روز وظیفہ کرے بلکہ اگر اور وظیفہ قضا ہو تو یہ دونوں قضا نہ ہوں، اس کو اصل سمجھے اور ہر وظیفہ کے اوّل و آخر میں درود شریف گیارہ گیارہ بار ضرور پڑھے۔ اگر اس عرصے میں صحبت کسی صاحبِ باطن متبع شرع کی نصیب ہو تو اس کی خدمت غنیمت سمجھے ورنہ بظاہر سب سے حسنِ ظن رکھے۔ (مکتوباتِ یعقوبی، ص:۳۶)

۲۔ جانتے ہو علم اور شئے ہے اور عمل اور شئے۔ علم سے بدون عمل کے کچھ حاصل نہیں، خاص کر جب علم بھی ناتمام اور ناقص ہو تو سراسر بیکار ہے۔ (مکتوباتِ یعقوبی، ص:۴۳) (علمِ کامل اور عقلِ سلیم اور تقویٰ منجملہ شرائط ہے)

۳۔ نصیحت عام یہ ہے کہ بندگی کو اپنا ضروری کام جانے اور ذوق وشوق کو پونجی راہِ طلب کی، اگر یہ موجود ہوں شکرِ الٰہی کرے اور نہ ہوں تو اس غم سے خالی نہ ہو۔

گر نہ داری شادی از وصل یار

خیز بر خود ماتم ہجران بدار

دو باتیں طالب کو اور بھی ضروری ہیں؛ ایک تلاوتِ قرآن شریف کہ کم سے کم ایک سیپارہ روز پڑھے۔ اگر حافظ ہو تو نفل میں پڑھے اور نہیں تو دیکھ کر اور دوسرے روزہ نفل کہ ہر مہینے میں تین روزے تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کے رکھے اور نوافل صلوٰۃ جو آئے ہیں جیسے اشراق کی دو رکعت اور چاشت کی چار اور چھ اوّابین اور تہجد کی چار سے دس تک ان سب پر یا جتنا ہو سکے مداومت ہو تو کیا کہنا! غرض کہ جو کام ہو سکے دوام اس میں شرط ہے اور اسی لیے اتنا کام مقرر کرے کہ نباہ سکے۔ (مکتوباتِ یعقوبی، ص:۵۱)

۴۔ تم نے پوچھا ہے کہ اس وقت تنگی میں کیا کیا جائے؟ اس وقت میں کثرتِ استغفار اور دعائے عفو زیادہ کرنی چاہیے اور جتنا ممکن ہو ہر آدمی بقدرِ حیثیت تصدق کرے اور راضی قضائے الٰہی پر ہو وہ حکیم مطلق ہے جو کچھ کرتا ہے وہی عین مصلحت ہے۔ ہم بیچارے نادان کیا جانیں کہ ہمارا بھلا کس صورت میں ہے اور اس دعا کو اکثر پڑھتے رہیں۔ اَللّٰھُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِنَا وَ رَحْمَتُكَ اَرْجٰی مِنْ عِنْدِنَا مِنْ اَعْمَالِنَا ۔ یا اللہ تیری مغفرت بہت وسیع ہے۔ ہمارے گناہوں سے اور تیری رحمت کی زیادہ اُمید ہے بہ نسبت ہمارے اعمال کے۔

اور جو تنگی تکلیف پیش ہو اس کو کشادہ پیشانی سے منظور کریں اور کچھ جزع فزع نہ کریں، اور سمجھیں کہ ہم اس سے بھی زیادہ عتاب کے لائق ہیں اور ہر وقت التجا اور استدعا صبر کی کریں۔ الٰہی تو نے ہی بلا بھیجی ہے اور تو ہی صبر عنایت فرما ورنہ ہم کیا اور ہماری قوت کیا۔

(مکتوباتِ یعقوبی، ص:۱۴۴)

۵۔ جب ذکر غلبہ کرتا ہے ایک قلب کیا تمام جسم متحرک ہوجاتا ہے بلکہ آواز آتی ہے۔ بلکہ ہر طرف سے آواز آتی ہے اور ایسی آواز کا غلبہ اس قدر ہوجاتا ہے اور اس کو سلطان الذکر کہتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب خواستہ ایزدی ہے ظہور اس کا ہوگا اور بوقت فرصت ذکر آرہ کرتے رہو اور مراقبہ کسی قدر اگر طبیعت چسپاں ہو کرو، خواہ کچھ معلوم ہو یا نہ ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ سب کچھ معلوم ہونے لگے گا اور جتنے وردو وظائف تم پڑھتے ہو بہت ہیں۔ ان میں سے جن پر مداومت ہوسکے رکھو، باقی کو ترک کردو اور تم نے۔ اللہ الصمد کو اور 'یا حی یا قیوم' کو پوچھا ہے۔ اللہ الصمد کو پانچ سو بار اور 'یا حی یا قیوم' کو گیارہ سو بار کا معمول ہے۔ اللہ الصمد اکثر بزرگوں کے نزدیک اسم اعظم ہے اور اس کو گدازگیٔ قلب میں نہایت تاثیر ہے اور مجاہدہ پر اس سے اعانت ہوتی ہے۔

اور 'یا حی یا قیوم' کی مداومت سے دل زندہ ہوجاتا ہے اور زندہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اثر ذکر اور مراقبہ کا جلد قبول کرنے لگے اور 'یا حی یا قیوم' کو ضرب کے ساتھ بھی کیا کرتے ہیں۔ ایک ضربی یا دوضربی۔ ایک ضربی میں 'حی' پر ضرب کرتے ہیں اور دوضربی میں ایک ضرب 'حی' پر اور ایک 'قیوم' پر۔ کبھی فرصت میں اس کو بھی کرلیا کرو۔

تم نے پوچھا ہے کہ صبح اور شام کے وظیفہ کب تلک ادا کیے جائیں؟ بھائی اوّل روز صبح ہے، اور اوّل رات شام۔ جب تلک ممکن ہو ادا کرلیں اور یہ وظائف چلتے پھرتے کرلیا کرو۔ بات چیت کرتے رہے اور پڑھتے بھی رہے یوں آسانی ہوتی ہے۔ جتنی قید زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی کام دشوار ہوتا ہے اور پھر نبھتا نہیں اور اصل دوام اور نباہ ہے۔ (مکتوباتِ یعقوبی، ص: ۹۲)

ہم نے گمنام وہاں پاؤں جمائے اپنے　　پا فرشتے کا بھی جس جا سے پھسلتا دیکھتا

۶۔　ملنے نہ ملنے کا وہ مختار آپ ہے
پر تجھ کو چاہیے تگ و دو لگی رہے

طالب کا کام طلب ہے اور وصولِ مطلوب قسمت سے متعلق ہے۔ آدمی اپنا کام کرے انشاء اللہ تعالیٰ ربّ کریم کسی کی محنت رائیگاں نہیں فرماتا۔ (سیرت یعقوب ومملوک، ص: ۱۲۰)

۷۔ اتباعِ شریعت کو اصل مقدم سمجھے اور اگر عمل میں کوتاہی ہو تو توبہ و استغفار وطیرہ رکھے۔ ندامت توبہ ہے۔ گناہ کو گناہ سمجھنا اصل ایمان کی ہے اور جبھی توبہ ہوتی ہے کیونکہ جب

تک گناہ کو گناہ نہ سمجھے اس سے باز آنا ممکن نہیں۔ (سیرتِ یعقوب و مملوک، ص: ۱۲۰)

۸۔ عزیزِ من! معنی نفی و اثبات کے یہ نہیں کہ موجود کو معدوم کردے بلکہ یہ معنی ہیں کہ غلط فہمی سے جس معدوم کو موجود سمجھ رہا ہے اور موجود کو معدوم، اور حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر۔ اس کو صحیح سمجھ لے اور یہ بات پوری پوری بدون رفع حجاب ممکن نہیں۔ (سیرتِ یعقوب، ص: ۱۱۹)

۹۔ عزیزِ من! راہِ محبت بہت نزدیک مگر نہایت دشوار گزار ہے۔

سعدیا! کنگرۂ عشق بلند ست بلند
دستِ ہر بو الہوس آنجا بہ فضولے نرسد

(ترجمہ: اے سعدیؔ! عشق کا کنگرہ بہت ہی بلند ہے اس لیے ہر بوالہوس کا ہاتھ صرف ہوس سے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا (بلکہ اس کے لیے طلب صادق اور جہد و ہمت کی ضرورت پڑا کرتی ہے۔)

اور یہ راہ آسان ہے بلکہ بہت آسان ہے مگر نہایت ہی دور۔ ہر چند اس راہ کے دو قدم ہیں مگر ہر قدم لکھوک منزل اور کردہ (کوس) کا ہے، جس کی دستگیری ہو جائے ایک پل میں طے ہو، اور جس پر عنایت نہ ہو ایک آڑ اور ایک کانٹے میں اُلجھ کر سر کھودے۔

خلاصہ اس طول کا یہ ہے کہ اس بارگاہِ عالی میں قبولیت حاصل ہو، اگر چہ دیکھے کہ وصول وہاں تک میسر نہیں، اور اگر غور کیجیے، تو مطلوبِ حقیقی قبول نہ ہے وصول، چور کمند لگا کر خوابگاہِ شاہی میں جا سکتا ہے مگر جب خبر ہو جائے تو جوتیاں کھاوے۔ اور غلام خاص کہ خدمتِ شاہی سے برسوں کی راہ پر ہو اور خدمات (سپرد فرمودہ) نمایاں بجا لاوے تو وہ ہر دم مقبولِ بارگاہ ہے۔ ہر چند بظاہر دور ہے مگر اس کا ہر کام مقبول ہے اور اگر وصول اور قبول باہم جمع ہوں تو سبحان اللہ۔ محبوبیت سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں اور راہ وصول کا خلاصہ خودی کو چھوڑنا ہے کہ علاج اس کا متقدمین کے نزدیک وہ ہے جو منہاج العابدین میں مذکور ہے۔ (یعنی اصلاحِ اخلاق جدا جدا) اور متاخرین کے نزدیک کثرتِ ذکر اور کم کھانا، کم سونا، کم بولنا اور کم خلق سے ملنا۔ اس کی اصل ہے کہ غلبہ ذکر میں سب صفائی ایک ہی ساتھ ہو جاتی ہے اور مشغولی ذکر کی کم سے کم ایک پہر یعنی آٹھواں حصہ (تین گھنٹے) شب و روز کا چاہیے اور اعلیٰ یہ ہے کہ ایک تہائی آرام کرے اور ایک تہائی ذکر

میں گزارے اور ایک تہائی میں حقوقِ خلق اگر ذمہ ہوں ادا کرے اور اگر کچھ علائق نہیں رکھتا ہے تو اس کو اوراوراد و وظائف میں گزارے۔ اوّل ابتدائے ذکر جہر لسانی پھر ذکر جہر کے ساتھ ذکر خفی بھی کرے۔ اس کے بعد مراقبات، اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ وہ امور (نمایاں) ہوتے ہیں کہ وہی خود رہبر ہو جاتے ہیں اور ان سب امور میں اتباعِ شرع شریف اور استقامت راہِ سنت پر لازم ہے ورنہ یہ سب باتیں بیکار ہوتی ہیں۔ اگر چہ وصول ہو مگر وہی چور کا سا قصہ ہوتا ہے۔

راہِ قبول: راہِ قبول[1] منحصر اتباعِ سنت پر ہے۔ ظاہر میں، باطن میں، عقیدہ میں، عمل میں، بدعات اور رسوم سے اعتراض کرنا، اس زمانہ میں اتباعِ سنت کی اصل ہے۔ طالب کو لازم ہے کہ ہر امر کو حکمِ خدا اور رسول پر اور اقوالِ علمائے حقانی پر جانچ لے اور اس کو حق سمجھے۔ اور اعتقاد کرے، اگر توفیق عمل کی پاوے شکر بجالاوے، نہیں تو اپنے کو قصوروار اور نابکار سمجھے اور عجز وزاری میں عمر گزارے اور زنہار زنہار راہ تاویل کی نہ چلے اور برے عمل کر کر اپنے آپ کو بھلا نہ بتاوے کہ یہ اصل تمام شیطان کے مکروں کی ہے۔ (مکتوباتِ یعقوبی، ص:۳۳)

اسی مکتوب کے اخیر میں حضرت مولانا منشی محمد قاسمؒ صاحب کو یوں رقمطراز ہیں:

اور یہ بھی معلوم ہو کہ طلب اس راہ کی غایت مطلوب ہے اور بڑی نعمت، اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو ضائع نہ کرے اور اگر کچھ حاصل معلوم نہ ہو تو گھبراوے نہیں۔

چوں نشینی بر سر کوئے کسے
عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

گفت پیغمبرؐ کہ چوں کوبی درے
عاقبت زاں در بروں آید سرے

سایۂ حق بر سرِ بندہ بود
عاقبت جوئندہ یابندہ بود

---

[1]: یہ بہت ہی اصولی بات ارشاد فرمائی کہ اپنی ہر بات کی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام اور علمائے حقانی کے ارشادات پر جانچ کرنا چاہیے، اس کے بعد اس پر عمل کرنا چاہیے۔ یہ بہت ہی ضروری ہے تاکہ اُمت ضلالات و بدعات سے محفوظ رہے۔ اور علمائے حقانی وہی ہیں جو کتاب و سنت کے علم کے ساتھ ساتھ شریعت پر عمل پیرا بھی ہوں یعنی متقی و دیانتدار ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوں۔ العبد ثمین اشرف

(ترجمہ: جب تم کسی کی گلی کے سرے میں بیٹھوگے تو آخرکار کسی نہ کسی کے چہرے کو ضرور دیکھوگے۔ پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کسی دروازے کو کھٹکھٹاؤگے تو اس دروازے سے ضرور کوئی سر نمودار ہوگا۔ حق تعالیٰ کا سایہ بندہ پر موجود رہتا ہے اس لیے ڈھونڈنے والا ایک نہ ایک دن، ضرور کامیاب ہوجاتا ہے۔)

ہمت عالی رکھے اور خواب وخیال اور کشف وکرامت کی حقیقت کچھ نہ سمجھے، اور ان کو کچھ شمار نہ کرے اور ان کا ہونا نہ ہونا ایک جانے، بلکہ نہ ہونے کو فراغِ خاطر کا سبب سمجھے۔ اور اگر احیاناً کوئی خواب ایسا نظر آوے کہ کچھ انوار دیکھے یا زیارت بزرگوں کی ہووے یا کوئی نعمت حاصل ہو، اس کو مبارک سمجھے اور سوتے وقت آیۃ الکرسی عظیم تک اور درود شریف اور الم نشرح سترہ بار اور سبحان اللہ ۳۳ بار اور الحمد للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھا کرے۔ اس کی برکت سے اچھے خواب نظر آیا کریں گے اور چاہیے کہ بہرحال طلب کم نہ ہو، باقی زیارت حضرت رسول مقبول ﷺ کی وقت اور نصیب پر منحصر[۲] ہے۔ ہر چند اس کے لیے بہت طریقے لکھے ہیں اور بزرگوں سے پوچھے مگر بات وہی ہے کہ نصیب سے تعلق ہے اور وقت پر موقوف ہے۔ والسلام

(مؤرخہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۲۸۴ھ) (مکتوبات: ۳۷)

شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی نصیحت مولانا حسین احمد مدنی کو

(ولادت: ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء۔ وفات: ۱۸ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ م ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء)

۱۔ پڑھانا کبھی نہ چھوڑنا چاہیے۔ ایک دو ہی طالب علم ہوں۔ (اکابر علماء دیوبند، ۱۱۳)

۲۔ ہر ایک حالتِ عسر ویسر میں اللہ پر اعتماد ہو۔ کسی سے کچھ توقع نہ کی جائے۔

(مکتوباتِ شیخ الہند، ص: ۳۶۵)

۳۔ آدمی کو صرف اپنے نفع پر اکتفا نہ کرنا چاہیے بلکہ خلق اللہ کی نفع رسانی ہر امرِ خیر میں ملحوظ رہے۔

جملہ مرغوباتِ نفس صرف زندگی تک نظر آتے ہیں۔ بعد حیات کارآمد نہیں۔ آدمی کو ایسے

۲: بڑی غلطی کا ارتفاع ہے۔ لوگ اس دولت کو اختیاری سمجھ کر عدمِ حصول سے بیحد پریشان ہوتے ہیں۔ اس میں ان کی ضیق سے نجات ہے۔ العبد ثمین اشرف

کاموں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے جو بعد میں کام آویں۔ (مکتوبات شیخ الہند، ص: ۲۶۷)

شیخ الہند کے نزدیک پوری دنیا میں مسلمانوں کی تباہی کے اسباب

۴۔ میں نے جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیاوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں؟ تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے:

۱) ایک ان کا قرآن کا چھوڑ دینا۔

۲) دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔

اس لیے میں وہاں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معنیً عام کیا جائے۔ بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی قائم کیے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درس کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیم پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کی باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔ (اقوالِ سلف، ج: ۴، ص: ۲۹۳)

شیخ الہند کی ہدایت علمائے اُمت کے نام

۱۔ اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن انگریز ہے جس سے ترکِ موالات فرض ہے۔

۲۔ تحفّظِ ملّت اور تحفّظِ خلافت کے خالص اسلامی مطالب میں اگر برادرانِ وطن ہمدردی اور اعانت کریں تو جائز اور مستحق شکریہ ہیں۔

۳۔ استخلاصِ وطن (آزادیٔ وطن) کے لیے برادرانِ وطن سے اشتراکِ عمل جائز ہے۔ مگر اس طرح کہ مذہبی حقوق میں رخنہ واقع نہ ہو۔

۴۔ اگر موجودہ زمانے میں توپ، بندوق، ہوائی جہاز کا استعمال مدافعتِ اعداء کے لیے جائز ہو سکتا ہے باوجودیکہ قرونِ اولیٰ میں یہ چیزیں نہیں تھیں تو مظاہروں اور قومی اتحادوں اور متفقہ مطالبوں کے جواز میں تامل نہ ہوگا۔ کیونکہ موجودہ زمانہ میں ایسے لوگوں کے لیے جن کے ہاتھ میں توپ، بندوق، ہوائی جہاز نہیں ہیں یہی چیزیں ہتھیار ہیں۔ (خطبۂ صدارت، ۱۶)

حضرت شیخ الہندؒ کا مکتوب گرامی

حضرت شیخ الہندؒ کا یہ خط حضرت مولانا محمد انوری صاحب کے والد ماجد مولانا فتح الدین صاحب نمبردار اوگی ضلع لائل پور کے نام ہے۔ حضرت مولانا محمد انوری صاحب کے شکریہ کے ساتھ ہم یہاں اس کو درج کرر ہے ہیں۔

مکرم سراپا فضل و عنایت زید مجدکم۔ بندہ محمود سلام مسنون کے بعد ملتمس ہے۔ آپ کا گرامی نامہ مولوی عبداللہ صاحب کی وساطت سے پہنچا۔ مولوی صاحب نے چند بار جواب کا تقاضا اور یاد دہانی بھی کی مگر حضر و سفر کی مشاغل کی وجہ سے جواب کی نوبت نہ آئی۔ مکرما! کاہلی و غفلت سخت مضر ہے۔ آپ کو لازم ہے کہ ہمت کے ساتھ اپنے مشاغل و اذکار کی طرف رجوع کریں اور بہتر ہو جو شبِ جمعہ میں غسل کر کے اور دو رکعت خشوع کے ساتھ ادا کر کے اپنے اللہ سے توبہ کریں اور توفیق حسنات کی الحاح کے ساتھ دعا مانگیں اور اپنا کام التزام کے ساتھ شروع کریں اور عزم و ہمت کے ساتھ اپنے کام میں چست رہیں۔ اور کاہلی کو پاس نہ آنے دیں، بندۂ حقیر بھی آپ کے لیے دعا کرتا ہے۔

عشاء کے بعد "یَا حَيُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ" ایک سوایک مرتبہ جہر کے ساتھ پڑھ لیا کرو۔ اور 'یا حیؔ' کی ضرب قلب پر لگنی چاہیے۔ باقی اذکار فرمودۂ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کیے جاؤ۔ (غالباً مراد حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ ہوں)

پریشان خوابوں کا فکر نہ کرو۔ سونے کے وقت آیۃ الکرسی، سورۂ فاتحہ، مُعوّذتین پڑھ کر دم کرلیا کرو اور کوئی خواب پریشانی کا نظر آوے تو فوراً لاحول اور تعوّذ پڑھ کر قلب پر تھتکار دو اور کچھ پرواہ نہ کرو۔

اور حق کے مقابلے میں کسی کی پرواہ نہ کرو اور اللہ پر توکل رکھو۔ آپ کو اللہ تعالیٰ شرِ مخالفین سے محفوظ رکھے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ لوگوں کے ساتھ اخلاق اور نرمی اور صبر و تحمل سے معاملہ کرو۔ کلمۃ الحق ضرور کہو، مگر نہایت نرمی اور للّٰہیت سے، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت کرے۔

اپنی اہلیہ سے بعد سلام مسنون کہہ دینا کہ مہلت ہو تو تمام دن رات میں ایک دفعہ یا مختلف اوقات میں اسم ذات یعنی لفظ 'اللہ' کو چار ہزار مرتبہ پورا کرلیا کرو۔

وہم اور وسوسہ بری بلا ہے۔ ہرگز اس کا خیال نہ کرو۔ اور دل میں ٹھہرالو کہ جو چیز شریعت میں پاک ہے کسی وسوسہ سے وہ ناپاک نہیں ہوسکتی۔ بلکہ وسوسہ، شیطانی خیال ہے۔ جب وسوسہ آئے تو لاحول پڑھو۔ اور اس کو دفع کرو اور اس کے موافق عمل درآمد نہ کرو۔ ورنہ اور زیادہ وسوسہ ترقی کرے گا اور دفع کرنے سے انشاء اللہ رفتہ رفتہ جاتا رہے گا۔

اپنی صاحبزادی سے بعد سلام مسنون فرمادیجیے کہ تلاوتِ قرآن پاک حسبِ مہلت اور صبح وشام درود، استغفار، سبحان اللہ، الحمدللہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر ایک ایک تسبیح پڑھ لیا کریں۔

اللہ کے نام سے نکاح لڑکی کا کردیجیے۔ جہیز کی کوئی مقدار نہ کوئی وقت ضروری۔ جو بہ سہولت میسر ہو، اب یا دوسرے وقت وہ دے دیا جائے۔ مہر کی مقدار کو کم رکھنا بہتر ہے۔ لیکن کوئی مصلحت درپیش ہوتو پانچ صد سے بڑھاؤ تو مضائقہ نہیں۔ باقی خیریت ہے۔ والسلام

مکتوب بسلسلہ اصلاحِ حال واصلاحِ معاشرہ

حضرت شیخ الہندؒ کا یہ مکتوبِ گرامی نہایت اہم احکام ومسائل پر مشتمل ہے جو حضرت شیخ الہندؒ (اور بقول حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ شیخ العالم) کی جامعیت پر دال ہے۔ وہ مسائل یہ ہیں:

۱۔ وظائف واوراد کی ادائیگی میں غفلت وکوتاہی نہ کرنی چاہیے بلکہ عزم واستقلال سے کام میں لگنا چاہیے۔ یہی کلیدِ کامیابی ہے۔

۲۔ حق کے مقابلے میں کسی کی پرواہ نہ کرنی چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے حق بات کہنی چاہیے ہاں مگر اس کے ساتھ رفق ونرمی کو ملا لینا چاہیے تاکہ مخاطب حق کی کڑواہٹ کو بخوشی گوارا کرلے۔ اسی کی ہدایت عارفِ رومیؒ یوں فرما رہے ہیں ع

نرم گو لیکن مگو غیر صواب

یعنی نصیحت نرمی سے کرو مگر ہاں حق کے خلاف کوئی بات نہ کہو۔

۳۔ عورتوں کو بھی حسبِ فرصت وطاقت علاوہ فرائض اور دیگر وظائف کے کسی قدر اسمِ ذات کا بھی ورد رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ علاوہ موجبِ خیرات وبرکات ہونے کے تزکیۂ نفس میں معین ہے۔

۴۔ وساوس کی طرف التفات نہ کرنا چاہیے اور نہ اس کی وجہ سے پریشان ہونا چاہیے بلکہ ذکر وشغل میں مزید مستعدی سے لگنا چاہیے۔ یہی اس کا علاج ہے۔

۵۔ جہیز کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے اس لیے جس سے بھی جو بھی بہ سہولت انتظام ہوجائے اپنی لڑکی اور داماد کو بطور عطیہ وتحفہ دے دینا چاہیے۔ لہٰذا داماد یا اس کے گھر والوں کو جہیز کے مطالبے کا کوئی حق نہیں ہے۔

۶۔ مہر کی مقدار کم رکھنا یقیناً مستحسن ہے لیکن اگر کوئی مصلحت ہو تو حضرت شیخ الہندؒ کے خیال کے مطابق پانچ سو روپیہ سے زیادہ بھی رکھی جاسکتی ہے جبکہ یہ مکتوب ۱۹۲۰ء سے پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ لہٰذا اب تو اس کی حیثیت بیس ہزار روپیہ سے کم نہ ہوگی۔ پس اگر شوہروں کی بد خلقی اور عموماً مالی فراخی کو دیکھتے ہوئے کچھ زیادہ بھی رکھی جائے تو مضائقہ نہیں۔ یوں اصل تو مہر مثل ہے تاہم اگر مہر فاطمی رکھ دی جائے تو اچھا ہے جس کی مقدار ۱۳۱/تولہ ۳ ماشہ چاندی ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ (متوفی ۱۹۴۲ء) نے خورجہ کے برادر مکرم الحاج محمد الیاس خان صاحب کی والدہ محترمہ کا نکاح بعوض مہر دس ہزار روپیہ خود پڑھایا۔ اس لیے جیسے کثرتِ مہر مذموم ہے اسی طرح مہر کی اس قدر قلت بھی جس سے عورتوں کی بے وقعتی معلوم ہو، مذموم ہے۔ بلکہ اگر کسی اور ضرر کا اندیشہ ہو تو وسعت کے مطابق کثرتِ مہر بھی مطلوب ہے۔ خوب سمجھ لیجیے۔

امیرِ شریعت حضرت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

(ولادت: ۱۴/ربیع الاوّل ۱۳۱۰ھ بروز جمعہ، پٹنہ بہار۔ وفات: ۱۹/ربیع الاوّل ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۱/اگست ۱۹۶۱ء۔ پاکستان)

(۱) چوالیس برس تک لوگوں کو قرآن سنایا۔ پہاڑوں کو سناتا تو عجب نہ تھا کہ ان کی سختی بھی نرمی میں بدل جاتی۔ غاروں سے ہم کلام ہوتا تو جھوم اُٹھتے، چٹانوں کو جھنجھوڑتا تو چلنے لگتیں، سمندروں سے مخاطب ہوتا تو ہمیشہ کے لیے طوفان بلند ہوجاتے، درختوں کو پکارتا تو وہ دوڑنے لگتے، کنکریوں سے کہتا تو وہ لبیک کہہ اُٹھتیں، مرمر سے گویا ہوتا تو وہ صبا ہوجاتی، دھرتی کو سناتا تو اس کے سینہ میں بڑے بڑے شگاف پڑ جاتے، جنگل لہرانے لگتے، صحرا سرسبز ہوجاتے۔ میں نے

ان لوگوں کو خطاب کیا جن کی زمینیں بنجر ہوچکی ہیں، جن کے ہاں دماغ کا قحط ہے، جن کے ضمیر عاجز آچکے ہیں، جو برف کی طرح ٹھنڈے ہیں، جن کی پستیاں انتہائی خطرناک ہے، جن کے پاس ٹھہرنا المناک اور جن سے گزر جانا طرب ناک ہے، جن کے سب سے بڑے معبود کا نام طاقت ہے۔ (خطباتِ فقیر، ج:۷، ص:۲٦۷)

میں وہاں چلا جاؤں گا جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آتا، پھر تم مجھے پکاروگے مگر تمھاری پکار تمھارے کانوں سے ٹکرا ٹکرا کر تمھیں ہلکان کردے گی اور تم مجھے نہ پاؤگے۔ (مسلمان، ۸۸۹)

(۲) نظر کا فیضان کتابوں سے نہیں، بزرگوں کی صحبت اور توجہ سے پیدا ہوتا ہے اور یہی اصل تصوف ہے۔ (سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، ص: ۵۵)

(۳) پہلے لوگ اہل اللہ کی نگاہ سے مسلمان ہوتے تھے۔ اب اہل علم کی زبان سے کافر ہورہے ہیں۔ (سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، ص: ۵۵)

(۴) دو چیزوں نے دین کو نقصان پہنچایا ہے: پہلی چیز دین سے تعصب، دوسری دین میں تشدد۔ یہی وجہ ہے کہ پہلی چیز سے دین کی دعوت ختم ہوگئی اور دوسری چیز سے نوجوان باغی ہورہے ہیں۔ (سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، ص: ۲۸۰)

(۵) عمر بھر مسلمانوں کے دروازے پر دستک دیتا رہا، جواب نہ آیا۔ سوچتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعی سرشت بوڑھوں کی ہمت، بچوں کی ضد اور عورتوں کی عقل سے تیار ہوئی ہے۔ (سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، ص:۲۸۴)

(٦) خطابت ابلاغ کی معراج کا نام ہے جس سے دماغوں میں افکار کو راہ ملتی اور دلوں میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔ تقریر الفاظ مطالب کی مینا کاری ہے۔ وعظ عقیدہ کی آبیاری ہے۔ پارلیمانی تقریر افہام وتفہیم کی نمائش ہے۔ مذاکرے یا مباحثے افکار و اذہان کی شطرنج ہیں۔
(شورش:۲۸۴)

(۷) میرے اعضاء نے مجھ سے بغاوت کردی ہے۔ ہمت نہیں کہ آپ سے خطاب کروں۔ ساری عمر کی پونجی وہ نوجوان ہیں جو گھر سے اُٹھا کر مجھے یہاں لے آئے۔ حقیقتاً یہاں سزا کے طور پر کھڑا ہوں۔ ان نوجوانوں نے سزا دی ہے اور میں نے وہ سزا قبول کرلی ہے۔ (شورش، ص:۲۸۴)

(۸) ہم دونوں بیمار ہیں۔ آپ بھی بیمار، میں بھی بیمار ہوں۔ مجھے سچ بولنے کا عارضہ ہے، تمھیں سچ نہ سمجھنے کی بیماری ہے۔ آیئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ دونوں کو شفاء دے، ورنہ ؎

جی کا جانا ٹھہر گیا صبح گیا یا شام گیا

(شورش۔ص: ۲۸۵)

(۹) پاکستان یزیدوں کی آماجگاہ بن کر رہے گا۔ (شورش،ص: ۲۹۸)

(۱۰) ہندوستان میں مسلمان اور پاکستان میں اسلام نہیں رہے گا لیکن اسلام نہ رہا تو پاکستان کہاں ہوگا۔ (سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری،ص: ۲۹۸)

مذہب کا دارومدار مسئلہ ختم نبوت پر ہے

(۱۱) مذہب کا دارومدار صرف اور صرف مسئلہ ختم نبوت پر ہے۔ یہ مسئلہ اگر اپنی سیزدہ صد سالہ جگہ سے ہل جائے تو اسلام کی تمام عمارت دھڑام سے زمین پر آ رہے گی۔ اس لیے میری وصیت اور آخری وصیت ہے کہ اس اصولِ دین کی حفاظت کی جائے اور اس کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔ دعا گو سیّد عطاء اللہ بخاری۔ ملتان شہر۔ (۲۰ بڑے مسلمان،۸۶۲)

(۱۲) دولت انسان کی خدمت کے لیے ہے، مخدوم بننے کے لیے نہیں۔ مال جمع کرنے اور گننے میں لذت محسوس کرنا اہل جہنم کا نشان ہے۔ "جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ" اچھے لوگوں کے حق میں نہیں۔ (بیس بڑے مسلمان،ص:۸۶۶)

رسالت کی آبرو تمھارے دروازے پر دستک دے رہی ہے

(۱۳) اے مسلمانِ لاہور! آج جناب رسول اللہ ﷺ کی آبرو تمھارے شہر کے ہر دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ اے اُمتِ رسولؐ! آج ناموسِ محمدی کی حفاظت کا سوال درپیش ہے اور یہ سانحہ سقوطِ بغداد سے بھی زیادہ غمناک ہے۔ زوالِ بغداد سے ایک سلطنت پارہ پارہ ہوگئی تھی مگر توہینِ رسولؐ کے سانحے سے آسمانوں کی بادشاہت متزلزل ہو رہی ہے۔

(بیس بڑے مسلمان،ص:۸۷۵)

(۱۴) عامۃ المسلمین میں بڑی جان ہے۔ اس قوم کا مزاج حرارت سے بنا ہے، یہ سمجھنے کے لیے پیدا نہیں کی گئی۔ ساری خرابی لیڈر شپ کی ہے، خواص تو عضو معطل ہیں۔ انھیں اپنے جسم

کا عیش چاہیے، لیڈر گم کردہ راہ ہیں، لوگوں کو صحیح راستے پر نہیں لاتے۔ (بیس بڑے مسلمان، ۸۸۲)

ختمِ نبوت کی حفاظت میرا جزوِ ایمان ہے

(۱۵) ختم نبوت کی حفاظت میرا جزوِ ایمان ہے۔ جو شخص بھی اس رداء کو چوری کرے گا جی نہیں چوری کا حوصلہ کرے گا، میں اس کے گریبان کی دھجیاں پھاڑ دوں گا۔ میں میاںؐ (حضور ﷺ کو شاہ جی میاں کہا کرتے تھے) کے سوا کسی کا نہیں، نہ اپنا نہ پرایا۔ میں انہی کا ہوں، وہی میرے ہیں۔ جس کے حسن و جمال کو خود ربِ کعبہ نے قسمیں کھا کھا کر آراستہ کیا ہوں، میں اُن کے حسن و جمال پر نہ مرمٹوں تو لعنت ہے مجھ پر اور اُن پر جو اُن کا نام تو لیتے ہیں لیکن شارقوں کی خیرہ چشمی کا تماشا دیکھتے ہیں۔ (ص:۸۸۸)

(۱۶) اللہ کی کتاب کی بلاغت کے صدقے جایئے۔ خود بولتی ہے کہ میں محمدؐ پر اُتاری گئی ہوں۔ بابولوگو! اس کی قسمیں نہ اُٹھایا کرو، اس کو پڑھا کرو۔ سیّد احمد شہید اور شاہ اسماعیل کی طرح نہ سہی اقبالؔ کی طرح پڑھا کرو۔ دیکھا اس نے قرآن کو ڈوب کر پڑھا تو مغرب پر ہلّہ بول دیا۔ پھر اس نے قرآن کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں، وہ تمھارے بت کدے میں اللہ اکبر کی صدائیں۔ (ص:۸۸۹)

(۱۷) تم میرے بارے میں جو چاہو سوچ لو، مسلمانوں کا یہ شعار ہو گیا ہے کہ وہ برائیاں عقاب کی آنکھ سے چنتا اور صبا کی رفتار سے پکڑتا ہے۔ کبھی کبھی نیکیوں پر بھی نگاہ کر لیا کرو۔ تمھاری فطرتیں اس سے خوبصورت ہوتی چلی جائیں گی۔ (ص:۸۸۹)

(۱۸) عرض کیا، شاہ جی! زمانہ بہت بڑھ چکا ہے۔ اپنے بچوں کو انگریزی مدرسوں میں داخلہ لے دیں، انگریزی کے بغیر تعلیم مکمل نہیں ہوتی، زمانہ کا تقاضہ ہے۔

فرمایا: مجھے معاف رکھو۔ میں اس زمانے کا آدمی نہیں۔ تم مجھے محمد قاسم نانوتوی اور محمود الحسن دیوبندی کی روحوں سے بغاوت کرنے کی ترغیب دیتے ہو؟ یہ کیوں نہیں کہتے کہ تمھارے بچے مرجائیں یا اپنے ہاتھوں بچوں کو قتل کر دوں۔ (ص:۸۹۱)

(۱۹) جو لوگ روٹی کے لیے جدوجہد کرتے اور اسی کے لیے جیتے ہیں، ان میں اور ایک کتے میں کوئی فرق نہیں۔ وہ بھی روٹی کے لیے بھونکتا اور دُم ہلا کر مالک کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔

روٹی کوئی چیز نہیں، اصلی چیز عقیدہ اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کا دُھن ہے۔ (ص:۸۹۲)

(۲۰) شخصیتیں توفیقاتِ ایزدی سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان کا وجود قدرت کے معمولی قوانین کا کرشمہ نہیں ہوتا۔ وہ تو قدرت کے کسی غیر معمولی اور پُراسرار عمل سے ظہور میں آتی ہیں۔ (بیس بڑے مسلمان، ص:۸۸۳)

(۲۱) آخر میں میں مسلمانِ کانپور کو حیاتِ اجتماعی کی ترغیب دیتا ہوں کیونکہ مسلمان ہر حالت میں اجتماعی زندگی قائم کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اللہ کی مخلوق کی خدمت ہمارا نصب العین ہے۔ (خطباتِ امیر شریعت، ص:۷۶)

(۲۲) پاکستان کی بنیاد ہندو کی تنگ نظری اور مسلمان دشمنی پر استوار ہوئی ہے۔ دولت سے پیار کرنے والے ہندو نے گائے کی پوجا کی، پیپل مہاراج پر پھول چڑھائے، چیونٹیوں کے بِلوں پر شکر اور چاول ڈالے، سانپ کو اپنا دیوتا مانا لیکن مسلمان سے ہمیشہ نفرت کی، اس کے سائے تک سے اپنا دامن بچائے رکھا۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ ذات پات کے پجاری بڑے سے بڑے ہندو نے اچھوتوں پر اپنے مندروں کے دروازے کھول دیے لیکن مسلمان کے لیے اپنے دل کے دروازے کبھی وا نہ کیے۔ (خطباتِ امیر شریعت، ص:۱۰۳)

(۲۳) یاد رکھو، اگر آج تم باہم بیٹھ کر کوئی معاملہ طے کر لیتے تو وہ تمھارے حق میں بہتر ہوتا۔ تم الگ الگ رہ کر باہم شیر وشکر رہ سکتے تھے۔ مگر تم نے اپنے تنازعہ کا انصاف فرنگی سے مانگا ہے اور وہ تم دونوں کے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والا فساد ضرور برپا کر کے جائے گا۔ جس سے تم دونوں کبھی چین سے نہیں بیٹھ سکو گے اور آئندہ بھی تمھارا آپس کا کوئی ایسا تنازعہ باہمی گفتگو سے کبھی بھی طے نہیں ہو سکے گا۔ (خطباتِ امیر شریعت، ص:۱۰۴)

مقامِ انبیاء: انبیاء نہ آتے تو کائنات ایک ایسی کتاب ہوتی جس کے ابتدائی اور آخری صفحات کھو گئے ہوں۔ یہ چیز انبیاء ہی کی معرفت بنی نوع انسان کو ملی ہے کہ انسان اور اس کے رب کے مابین کیا رشتہ ہے۔ (خطباتِ امیر شریعت، ص:۱۴۱)

مقامِ نبوت: توحید رسالت، قیامت اور تمام عقائد، عبادات اور معاملات اسلام کی اصل ہیں۔ میرا استدلال یہ ہے۔ ان تمام مسائل کی تعریف اور تعیینِ نبوت کرتی ہے اگر نبوت

بدل سکتی ہے تو یہ سب کچھ بدل سکتا ہے۔ یہاں تک کہ حلال و حرام بھی بدل سکتا ہے۔ (ایضاً)

عقیدۂ ختم نبوت: عقیدۂ ختم نبوت اساسِ اسلام اور روحِ قرآن ہے۔ اگر مسلمان اس سے بال برابر بھی اِدھر اُدھر ہو جائیں تو پھر محمد عربی ﷺ کا قرآن باقی رہتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی وہ تنزیہہ و تقدیس کہ جس پر آدم علیہ السلام سے لے کر نبی ختمی مرتبت ﷺ تک تمام انبیاء متفق ہیں۔

مرزائیت اسی اساسِ دین روحِ قرآن اور جانِ اسلام پر مرتدانہ ضرب ہے۔ میں اس کے استیصال کو ہر مسلمان کے لیے فرض نہیں، افرض جانتا ہوں۔ میں عقیدۂ ختم نبوت کے تحفّظ کے لیے اپنی زندگی کی آخری بازی لگا دوں گا۔ (خطبات، ص:۱۶۷)

بوقت روانگی - لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

(۲۴) مولانا رزین احمد! آپ گواہ رہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے تین دفعہ کلمہ شہادت، تین دفعہ لا نبی بعدی .. کی حدیث پڑھی اور اس کا ترجمہ کیا۔ نیز فرمایا تمام دوستوں سے میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ دین کا کام بہر حال کرتے رہیں۔ (حیاتِ امیر شریعت، ص:۴۶۰)

میرے تین مشن ہیں: اللہ کو معبود سمجھتا ہوں، مصطفیٰؐ کو محبوب سمجھتا ہوں۔ انگریز کو مبغوض سمجھتا ہوں۔ (خطباتِ امیر شریعت، ج:۱، ص:۸۶)

سیّد عطاء اللہ شاہ کی مبلغین کو ہدایت و نصیحت

۱۳ر ستمبر ۱۹۵۴ء امیر شریعتؒ کو اکثر احباب کے اصرار پر ملتان کے ایک خصوصی اجلاس میں 'مجلس تحفّظ ختم نبوت' کا صدر منتخب کیا گیا۔ آپ نے صدر منتخب ہوتے ہی حسب ذیل بیان پریس کے نام جاری کیا:

''مسئلہ ختم نبوت جانِ اسلام اور روحِ قرآن ہے۔ اگر مسلمان عقیدۂ ختم نبوت سے بال برابر اِدھر اُدھر ہو جائیں گے تو پھر نہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن باقی رہتا ہے اور نہ ہی خدا تعالیٰ کا وہ تقدس اور توحید باقی رہتا ہے، جن پر آدم علیہ السلام سے لے کر حضور ختمی مرتبت ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام متفق ہیں۔ مرزائیت اس روح پر، اس جانِ قرآن اور جانِ اسلام پر مرتدانہ ضرب ہے۔ میں اس کے استیصال کو ہر مسلمان کے لیے فرض جانتا ہوں اور اپنی زندگی کی

آخری بازی لگادوں گا۔ پاکستان کے جسم میں یہ سیاسی ناسور ہے۔ اگر حکومت نے اس کا آپریشن نہ کیا تو یہ ناسور سارے جسم کو تباہ کر کے رکھ دے گا۔"

مبلغین کو وصیت

مجلسِ تحفّظِ ختمِ نبوت کے تمام مبلغین کو امیر شریعتؒ نے اپنے مکان کی بیٹھک میں بلا کر حسب ذیل وصیت فرمائی۔

ا۔ تبلیغ کانٹوں کا تاج

"عزیزو! اسلام کی تبلیغ کانٹوں کا تاج پہننے کے مترادف ہے، جدھر منہ کرو گے مخالف ہی مخالف نظر آئیں گے، حتی کہ ایسے ایسے مقامات سے گزر ہوگا اور مخالفت ہوگی، جہاں تمھارا گمان بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اگر تم اس عزم پر پکّے اور پختہ رہے تو کامیاب ہو جاؤ گے (پھر تھوڑا مسکرائے اور فرمایا) احرار بظاہر کسی تحریک میں کامیاب نہیں ہوئے لیکن جس عزم کو لے کر اُٹھے اس پر ڈٹے رہے تو نتیجہ یہ ہے کہ آج برسر اقتدار آنے والا ہر گروہ احرار کے نام سے لرزتا ہے۔"

۲۔ ایڈوانس کرایہ

وعظ کرنے کے لیے جانے سے پہلے داعی سے کرایہ کبھی وصول نہ کرنا۔ اگر اتنا بھی کرو گے تو منہ کھائے گا، آنکھ شرمائے گی، حق بیان نہ ہوگا۔ (فرمایا) آمد و رفت کا کرایہ گھر سے لے کر چلنا۔ تقریر و بیان کے بعد اگر داعی کچھ خدمت کرے تو اس کے سامنے شمار نہ کرنا۔ اور اگر کچھ بھی نہ دے تو اپنی زبان سے طلب بھی نہ کرنا، بلکہ چپکے سے ہنس مکھ واپس آجانا۔ (فرمایا) ساری زندگی میرا یہی عمل رہا ہے۔ جب کہیں جانا ہوتا تو میں تمھاری اماں سے پوچھا کرتا تھا کہ مجھے فلاں جگہ وعظ کہنے جانا ہے، کرایہ ہے؟ اگر ہوتا تو آمد و رفت کا خرچ گھر سے لے کر چلتا۔

۳۔ حق الخدمت کا مطالبہ نہ کرنا

(فرمایا) کچھ بھی خدمت نہ کرنے والا، اگر پھر بھی بلا لے اور دعوت دے دے تو جانے سے انکار نہ کرنا۔ (فرمایا) اب اگر پچھلی اور پہلی مرتبہ ہدیہ، حق الخدمت وغیرہ نہ مل سکنے کے سبب جانے سے رُک جاؤ گے تو للّٰہیت نہ ہوگی بلکہ نفسانیت ہوگی۔

۴۔ داعی کے سامنے شمار نہ کرنا

اور داعی کے سامنے شمار کرنے سے روکنے میں یہ حکمت فرمائی۔ ہوسکتا ہے داعی غریب اور مفلس ہونے کے سبب حق الخدمت یا کرایہ بھی پورا نہ دے سکے۔ اس سے خود کو بھی تردد ہوگا اور داعی کے دل میں بھی ہوک اُٹھے گی۔ ہائے! میں غریب تھا نا، کہ کرایہ بھی نہ دے سکا اور اس سے غریب کے دل سے ایک آہ نکلے گی۔ لہٰذا یہ نصیحت یاد رکھنا کہ غریب کی آہ اور دل دُکھانے کے ہر پہلو سے پرہیز کرنا۔ اگر ان باتوں پر عمل کروگے تو انشاء اللہ کبھی بھوکے نہیں رہوگے اور یہی باتیں دنیا و عقبیٰ کی فلاح و بہبود اور ترقی و سربلندی کا موجب ثابت ہوں گی۔
(خطباتِ امیرِ شریعت، ص: ۲۱۵)

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری بنام مولانا محمد علی جالندھریؒ

بھائی محمد علی! تم میری ریس نہ کیا کرو، میرے پر اللہ کی خاص رحمت ہے، تم زیادہ سے زیادہ پانچ سال اس طرح چلوگے اور تم پھر ختم ہوجاؤ گے، یا کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہوجاؤ گے، جبکہ مجھے چالیس برس ہوچکے ہیں سفر کرتے، اور میں نے اپنے جسم سے وفا نہیں کی، جس کی وجہ سے اب مر رہا ہوں۔ (حیات، ص: ۴۰۲)

راجندر سنگھ آتش...... قاتل کو نصیحت

راجندر سنگھ آتش ہے، مرزائیوں کی طرف سے آپ کے قتل پر مامور کیا گیا تھا (مرزا بشیر نے دس ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ پانچ ہزار پیشگی اور پانچ ہزار واقعہ کے بعد طے پائی تھی۔) پھر کون سی چیز مانع رہی ...... یہ میں نہیں جانتا شاہ صاحب، مگر آپ کے طرزِ تکلم نے مجھے اس گناہ سے بچائے رکھا۔ اس پر شاہ نے فرمایا میرا طرزِ تکلم مجھے کیا بچا سکتا ہے بابو۔ موت اور زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یاد رکھو۔ جو رات قبر کی ہے وہ باہر نہیں آسکتی، اور جس رات کو باہر آنا ہے، اسے دنیا کی کوئی طاقت قبر کے سپرد نہیں کرسکتی۔ البتہ تمھیں میری نصیحت ہے کہ بحیثیت انسان ہمیشہ انسان کی بھلائی کے لیے سوچا کرو۔ دولت ہاتھ کی میل ہے بابو۔ اس کی لالچ میں اگر تم مجھے قتل بھی کر دیتے اور میرے قتل کے الزام سے تمھارا دامن محفوظ بھی رہتا تو کسی دوسرے موقع پر بغیر جرم کے مار کھا جاتے۔ (حیاتِ امیر، ص ۱۹۳)

سیّد عطاء اللہ شاہ بنام چودھری غلام رسول

دیکھو غلام رسول! اس وقت پیغمبر اسلام ﷺ کی عزّت کا سوال ہے۔ غیر ملکی حکومت کا نمائندہ (وائسرائے) کہتا ہے کہ تم ظفر اللہ (قادیانی) کو مسلمان نہیں کہتے لیکن اس حلقے کا مسلمان تو اس کو ووٹ دے کر منتخب کرتا ہے۔ چودھری صاحب! اگر آج اس سیٹ سے اس خاندان کا کوئی فرد جو حضور سرورِ کائنات ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتا، مسلمانوں کے ووٹ سے اسمبلی میں چلا گیا تو قیامت کے دن تم مجرم قرار پاؤگے کیونکہ تمھیں اللہ تعالیٰ نے دنیوی خوبیوں سے نوازا ہے، برادری میں تمھارا اثر اس سے کم نہیں، دولت اور عزت تمھیں بھی اللہ تعالیٰ نے دی ہے، حکومت میں بھی تمھارا وقار ہے ...... چودھری نے جواب دیا: شاہ جی! میں بہت سیاہ کار ہوں، اس کے باوجود آپ حکم دیتے ہیں تو حاضر ہوں لیکن میرے پاس برادری کی وہ قوت نہیں جو چودھری سر ظفر اللہ کے پاس ہے۔ روپیہ تو میں خرچ کرسکتا ہوں لیکن حلقہ اور برادری کے ذمہ دار لوگ شاید میرا ساتھ نہ دیں۔ چودھری غلام رسول کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے امیرِ شریعت نے کہا، تم اللہ کے رسول ﷺ کی عزت رکھو، اللہ تمھاری عزت کا وارث ہوگا۔ (حیات، ص:۲۰۶)

لوگوں نے پہلے ہی کب کسی سرفروش کے بارے میں راست بازی سے سوچا ہے

میں ان علمائے حق کا پرچم لیے پھرتا ہوں جو ۱۸۵۷ء میں فرنگیوں (انگریزوں) کی تیغ بے نیام کا شکار ہوئے تھے۔ ربّ ذوالجلال کی قسم! مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں، لوگوں نے پہلے ہی کب کسی سرفروش کے بارے میں راست بازی سے سوچا ہے۔ وہ شروع سے ہی تماشا دیکھنے کے عادی ہیں۔ میں اس سرزمین میں مجدد الف ثانی کا سپاہی ہوں، شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کا متبع ہوں۔ سیّد احمد شہید کی غیرت کا نام لیوا ہوں اور شاہ اسماعیل شہید کی جرأت کا پانی دیوا ہوں۔ میں ان پانچ مقدمہ ہائے سازش کے پابہ زنجیر صلحائے امت کے لشکر کا خدمت گزار ہوں جنھیں حق کی پاداش میں عمر قید اور موت کی سزائیں دی گئیں۔ مولانا یحییٰ علیؒ، مولانا عبد الرحیمؒ صادق پوری، قاضی میاں جان، میاں عبد الغفار، مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ کو ۱۸۶۶ء میں سزائے موت کا حکم سنا کر صرف اس لیے عمر قید میں تبدیل کر دیا

گیا کہ پھانسی کی شہادت عزیز جانتے تھے۔ ہاں ہاں! میں انہی کی نشانی ہوں، انہی کی صدائے بازگشت ہوں، میری رگوں میں خون نہیں، آگ دوڑتی ہے۔ میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں محمد قاسم نانوتویؒ کا علم لے کر نکلا ہوں۔ میں نے شیخ الہند مولانا محمود حسن کے نقشِ قدم پر چلنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ میں زندگی بھر اسی راہ پر چلتا رہا ہوں اور چلتا رہوں گا۔ میرا اس کے سوا کوئی مقصد وموقف نہیں۔ میرا ایک ہی نصب العین ہے اور وہ ہے برطانوی سامراج کی لاش کو کفنانا یا دفنانا۔

ہر شخص اپنا شجرۂ نسب رکھتا ہے۔ میرا یہی شجرۂ نسب ہے۔ میں سر اونچا کر کے فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں اس خاندان کا ایک فرد ہوں۔ (دینی دسترخوان، ج:۳،ص: ۲۴۵)

ایک بار وجد میں فرمایا

ایک بار آپ نے وجد میں فرمایا کہ اگر میری قبر پر کان لگا کر سننے کی قدرت تمھیں طاقت بخشے تو سن لینا کہ میری قبر کا ذرہ ذرہ پکار رہا ہوگا کہ مرزا قادیانی اور اس کے ماننے والے کافر ہیں۔

شاہ جی نے لاہور کے جلسہ عام میں خطاب کرتے ہوئے کہا: جو لوگ تحریکِ ختمِ نبوت میں جہاں تہاں شہید ہوئے ان کے خون کا جوابدہ میں ہوں۔ وہ عشقِ رسالت میں مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ان میں جذبۂ شہادت میں نے پھونکا تھا۔ جو لوگ ان کے خون سے دامن بچانا چاہتے اور ہمارے ساتھ رہ کر اب کنی کترا رہے ہیں، ان سے کہتا ہوں کہ میں حشر کے دن بھی ان کے خون کا ذمہ دار ہوں گا۔

وہ عشقِ نبوت میں اسلامی سلطنت کے ہلاکو خانوں کی بھینٹ چڑھ گئے لیکن ختمِ نبوت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی سات ہزار حافظِ قرآن اسی مسئلے کی خاطر شہید کر دیے گئے۔ (دینی دسترخوان، ج:۱،صفحہ:۵۴۴)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی وصایا

(ولادت: ۲۷شوال ۱۲۹۲ھ م ۱۶/۱۰ اکتوبر ۱۸۷۵ء، وفات: ۳ صفر ۱۳۵۲ھ بروز پیر)

۱۔ علامہ انور شاہ کشمیری نے اپنے آخری ایامِ علالت میں دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ و طلبہ اور دیگر بہت سے علماء کے مجمع میں نہایت دردمندی و دل سوزی سے فرمایا تھا وہ تمام حضرات جن کو مجھ سے بلا واسطہ یا بالواسطہ تلمذ کا تعلق ہے اور جن پر میرا حق ہے کہ میں ان کو خصوصی وصیت اور تاکید کرتا ہیں کہ وہ عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت و پاسبانی اور فتنۂ قادیانیت کے قلع قمع کو اپنا خصوصی کام بنائیں، جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ان کی شفاعت فرمائیں ان کو لازم ہے کہ ختمِ نبوت کی پاسبانی کا کام کریں۔ (حضرات کرام نقشبندیہ، ص: ۳۳۳)

۲۔ بھاولپور سے چلتے وقت مولانا غلام محمد شیخ الجامع گھوٹویؒ سے فرمایا اور مولانا محمد صادق صاحبؒ سے، جو کہ دوم مدرس تھے، جامع عباسیہ کے: جب مقدمہ کا فیصلہ ہمارے حق میں ہو جائے تو میری قبر پر آ کر آواز دے دینا۔ ہم نے یہ بات سنی تو معمولی بات سمجھی۔ جب وصال ہو گیا تو پتہ چلا کہ یہ بھی اپنے وصال کی طرف اشارہ تھا۔

حضرت کے وصال کے کئی ماہ بعد مقدمہ کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا تو مولانا محمد صادق صاحبؒ نے حضرت کی وصیت کو پورا کرنے کے لیے دیوبند کا سفر کیا اور آپ کی قبر مبارک پر روتے ہوئے آواز دی۔ مولانا محمد صادق صاحب کو حضرت شاہ صاحب سے بڑی عقیدت تھی اور حضرت مولانا غلام محمد دین پوری سے بیعت تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے دربار میں بالکل خاموش رہتے تھے ویسے بڑے فاضل تھے۔ علوم مستحضر تھے۔ (محدث کشمیری)

۳۔ فارغ التحصیل طلبہ کو نصیحت فرمائی کہ گھر جا کر مطالعہ کتب ضرور کرتے رہنا کیونکہ علم کسب و محنت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ آدمی کو پہلے ہی سے کتاب دیکھنے کا قصد کر لینا چاہیے ورنہ علم نہ پڑھے۔ ہدایہ، بخاری شریف وغیرہ پر نظر رکھے اور علماء عارفین کی کتابیں بھی دیکھے۔ بہت سی جگہ احادیث کی حقیقت کو انھوں نے محدثین سے بھی زیادہ اچھا سمجھا ہے۔ مثلاً احادیثِ متعلقہ احوال بعد الموت۔ لیکن جو عارف شریعت سے ناواقف ہو اس کی کتاب دیکھنا مضر ہوگا۔ سنا ہے

کہ لمعات اور اس کی شرح عارف جامی کی دہلی کے علماء کو پڑھائی جاتی تھی۔ میں کہتا ہوں کہ حجۃ اللہ البالغہ اور الطافِ قدس بھی مطالعہ میں رکھنا۔ (ملفوظات محدثِ کشمیری، ص: ۱۷۸)

۴۔ حدیث میں ہے کہ اگر دیکھنا چاہو کہ تمہاری وقعت حق تعالیٰ کے یہاں کتنی ہے تو دیکھ لو کہ تمہارے دل میں حق تعالیٰ کی کس قدر وقعت ہے اور آج کل تو حق تعالیٰ کی اس قدر بھی وقعت نہیں ہے جتنی ایک آشنا کی ہوتی ہے۔ (محدثِ کشمیری، ص: ۲۳۱)

۵۔ تمام عالم کی روح ذکر اللہ ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی یاد قائم رہے گی عالم قائم رہے گا۔ جب دنیا اللہ کی یاد چھوڑ دے گی تو سمجھو کہ عالم کے کوچ کا وقت آ گیا۔ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِي الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ ۔ جب ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی کیونکہ جب روح نہ رہی تو ڈھانچہ کسی کام کا نہیں، اسے گرا دیا جائے گا۔ معلوم ہوا سارے عالم کی روح اللہ کا ذکر ہے۔ مقصودِ اصل ذکرِ الٰہی ہے۔ حدیث شریف وارد ہے ذاکر کے لیے موت نہیں اور غافل کے لیے حیات نہیں۔ کیونکہ اصلی زندگی یادِ الٰہی ہے۔ اعمالِ صالحہ دراصل زندگی کے کام ہیں۔ اسی واسطے حدیث میں آیا ہے۔ اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ ۔ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ یعنی زندگی والے کام کرتے ہیں۔ ان کی قبور والی زندگی بھی اعمالِ صالحہ سے معطل نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور زندوں والے کام بھی کرتے ہیں۔ اس حدیث کو بیہقی نے اور فتح الباری نے صحیح کہا ہے۔

(محدثِ کشمیری، ص: ۳۱۵)

۶۔ جس پر ذکرِ الٰہی کا غلبہ ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کے ارتکاب میں اللہ تعالیٰ سے حیا کرتا ہے اور جس پر دنیا کا غلبہ ہوتا ہے وہ صرف ان چیزوں سے بچتا ہے جو اہل دنیا کی نظر میں معیوب ہوتی ہیں۔ (اکابر علماء دیوبند، ص: ۱۴۵)

۷۔ عصر کی نماز کے بعد طلبہ کو وداعی خطاب سے سرفراز کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو اب ان کا رنگ ہی دوسرا تھا۔ رسالت مآب ﷺ کے ذکر پر اپنے آنسو کو ضبط کرنے کی قوت کھو چکے تھے۔ ذکر مبارک آتا تو آواز بھرا جاتی اور خاص حال میں طلبہ سے کہتے ''جاؤ! انؐ ہی کے دین کی خدمت کو زندگی کا نصب العین بنا لینا۔'' (تصویر انور، ص: ۲۶۷)

۸۔ ہمیں تو یہ بات یقین کے درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ ہم سے گلی کا کتا بھی اچھا ہے۔ ہم اس سے گئے گزرے ہیں۔ یعنی وہ اپنی گلی اور محلے کا حقِ نمک خوب ادا کرتا ہے۔ مگر ہمارے ہوتے ہوئے لوگ ناموسِ پیغمبر پر حملہ کرتے ہیں۔ (بیس بڑے مسلمان، ص:۳۸۹)

۹۔ مالا یعنی سے احتراز میں دنیا اور آخرت دونوں کی راحت ہے۔ (ایضاً، ص:۳۸۹)

۱۰۔ ہندوستان میں اب دین کی خدمت اور دین کا دفاع کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اُردو میں مہارت پیدا کی جائے اور باہر کی دنیا میں دین کا کام کرنے کے لیے ضروری ہے کے انگریزی زبان کو ذریعہ بنایا جائے۔ میں اس بارے میں آپ صاحبان کو خاص طور سے وصیت کرتا ہوں۔

۱۱۔ کتاب اللہ اس لیے بھیجی گئی تا کہ اُمت کے سامنے علم آ جائے اور رسول اللہ ﷺ کو اس لیے مبعوث فرمایا گیا تا کہ اُمت کے سامنے عملی نمونے آ جائیں اور علم وعمل کے دونمونوں سے درحقیقت دین کی تکمیل ہوتی ہے۔ (فیض ابرار، ج:۲، ص:۲۷۱۔ اقوالِ سلف، ج:۶، ص:۲۳۸)

محدث کبیر حضرت مولانا سیّد محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ کی وصایا

(صاحبِ فیض الباری وترجمان السنہ)

(ولادت: ۱۸۹۸ء شہر بدایوں۔ رحلت: رجب المرجب ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۲/ اکتوبر ۱۹۶۵ء۔ مدفون جنت البقیع اُمہات المومنینؓ کے عین قدموں میں)

عزیزوں کو مجھے ایک راز کی ہے اب خبر کرنا — اگر محفوظ رہنا ہو تو طیبہ میں گذر کرنا

جہاں اب پھنسنے والا فتن میں دین وایمان کے — بہت مشکل ہے مومن کو کہیں باہر بسر کرنا

جو ناقدری میں گذری وہ تو گذری زندگی اپنی — جو باقی ہے اسی کی قدر تم اب عمر بھر کرنا

دعائیں مانگنا اس کی کہ اب جو عمر باقی ہے — خدا تم کو عطا کردے مدینہ میں بسر کرنا

بھروسہ بھول کر بھی تم نہ کرنا اپنی دولت پر — نہیں آساں کسی کو اس کٹھن منزل کا سر کرنا

بلالیں جس کو مرضی ہو، نکالیں جسکو جی چاہے — انھی کے دستِ قدرت میں ہے، سب زیر وزبر کرنا

ہمیشہ عجز و زاری سے، ہمیشہ آہ و نالہ سے — فقط ایک اس کی رحمت پر جما کر تم نظر کرنا

امیدیں اس سے رکھنا جسکی رحمت ہے جہانوں پر
اسی سے مانگنا اور بس اسی پر تم نظر رکھنا

یہ مرکز ہے مہاجر ہے مسلمانوں کا اول سے
پہنچ جاؤ مقدر سے تو غفلت سے حذر کرنا

تجارت کے ارادے سے نہ آنا اس طرف ہرگز
قناعت سے یہاں رہنا شرافت سے گذر کرنا

حرم میں خوب جا جا کر مزے لینا عبادت کے
اسی میں آکے پڑ رہنا وہیں شام و سحر کرنا

کسی پر نکتہ چینی سے ہمیشہ محترز رہنا
کہیں باہر نکلنا ہو تو بس ہمیشہ نیچی نظر کرنا

بہت غیرت ہے انکو اس حرم کے بسنے والوں پر
اگر منظور ہو بسنا تو ڈر ڈر کے بسر کرنا

حماقت ہے کہ غیبت کر کے خود حبطِ عمل کرلو
نہ باہم تفرقے پھیلا کے پھر سب کو نڈر کرنا

ہمیں توفیق مل جائے کہ سب شیر و شکر بن کر
یہی سیکھیں عدو سے بھی ہے بہتر درگذر کرنا

یہ اخلاقِ نبویؐ ہے یہی تعلیم ہے ان کی
بہت آسان ہے تم کو عمل چاہو اگر کرنا

تمہیں سنت سے اُلفت ہو تو چلنا اس طریقے پر
کوئی چاہے یا نہ چاہے تم عمل اس پر مگر کرنا

وصیت ہے یہی میری بس اپنے سب عزیزوں کو
مدینہ آ کے بس جانا یہیں آ کر گزر کرنا

یہی صورت ہے بخشش کی کہ توبہ ہر گھڑی کرنا
اگر ٹوٹے تو پھر کرنا مگر اس سے حذر کرنا

جو چاہو زندگی عزت کی، اسکی ایک صورت ہے
خدا کو یاد کرنا پھر نہ اس میں کچھ کسر کرنا

جو شب میں آنکھ کھل جائے تمہاری اپنی قسمت سے
تو پھر تسبیح و استغفار کر کے سحر کرنا

تمہارا کام اک یہ ہو کہ سنت پر عمل کرنا
ہر اک بدعت سے تم ڈرنا حذر کرنا حذر کرنا

شریعت پر عمل کرنا یہی شیوہ ہے مومن کا
بہت معیوب ہے دیں میں اگر کرنا مگر کرنا

بہت بچنا تنعّم اور تکبر کے طریقوں سے
بس اک مسکین بن کر زندگی اپنی بسر کرنا

اگر درپے ہو کوئی بھی کسی ایذا رسانی کے
تجاہل عارفانہ کر کے پھر بھی درگذر کرنا

اگر تم سے لڑے کوئی تو اس سے صلح کرلینا
اگر غصہ کرے کوئی تو تم نیچی نظر کرنا

بہت مکروہ شرعاً ہے نقل منسوخ دینوں کی
بہت مبغوض ہے دشمن کی صورت میں بسر کرنا

نہ رکھنا تم ذرا سا غم کسی کے کہنے سننے کا
عمل دیں پر کیے جانا نہ کچھ خوف و خطر کرنا

جو کرنا ہے وہی کرنا فقط نقلوں میں غیروں کی
خدارا شرع اسلامی کو مت زیر و زَبر کرنا

ہمیشہ پالنا بچوں کو اسلامی طریقوں پر
کہ آساں ہو انھیں ان پر عمل کرنا بسر کرنا

نمازیں ان کو پانچوں وقت پڑھوانا مساجد میں
پھر اسلامی عقائد سے بھی ان کو باخبر کرنا

بچانا ہر قدم پر ان کو کافر کے تشبّــــــــہ سے
نہ کرنا نذرِ آتش ان کو تم اس سے عذر کرنا

بہت وسعت ملی ہے ہم کو دیں میں عیش و عشرت کی
اسی حد میں بسر کرنا یہی چاہو اگر کرنا

جو ہو بے دین تم صحبت سے اس کی بھاگتے رہنا
کسی مسلم پر ذلت کی نہ تم ہرگز نظر کرنا

اگر ہم تم کو ملنا ہو تو ملنا ہوشیاری سے
کسی پر جلد بازی سے نہ حکم خیر و شر کرنا

ہمیشہ تم الگ رہنا بس اب جھگڑوں کی باتوں سے
اگر بچنا ہو طوفاں سے تو ساحل پر بسر کرنا

سمندر میں ہے طوفاں زور پر سن لو سفر والو!
نہ لنگر توڑنا کشتی کا جس پر ہو سفر کرنا

نہیں میں منع کرتا تم کو ہرگز زیب و زینت سے
حدود شرع میں رہنا تجاوز سے حذر کرنا

فقط تعلیم دے دیکر بس اونچی ڈگریاں لینا
تغافل ہی تغافل ہے ہمارا سر بسر کرنا

گذر کرنا بڑے انصاف سے اپنے پرایوں میں
ہمیشہ بات سچ کہنا نہ طمع سیم و زَر کرنا

بہت شدّت سے رہنا کافروں میں مثل دشمن کے
مقابل ہو اگر ان کے تو پھر سینہ سپر کرنا

کھٹکتے ان سے رہنا جو تمہارے دین کے دشمن ہوں
جو دشمن پر مناسب ہے وہی ان پر نظر کرنا

پس پردہ جو درپے ہے تمھیں برباد کرنے کے
وہ تم سے مکر کرتے ہیں مت ان سے درگذر کرنا

ترقی ہم نے سمجھی ہے سمجھنا دوست دشمن کو
تم اس پر کچھ نظر کرنا خدارا پھر نظر کرنا

کوئی مردِ خدا اہلِ تصوف کاش پیدا ہو
کہیں تم نے سنا ہے صرف باتوں کا اثر کرنا

میرا تو کام سمجھانا ہے مانو یا نہ مانو تم
تمہارا نفع ہوگا تم ہی چاہوگے اگر کرنا

جو گذرو روضۂ انور پہ تم اپنے مقدر سے
پسِ مُردن مجھے بھی یاد کرکے بہرور کرنا

بہت مذموم ہے شرعاً مچانا شور میّت پر
ہے لازم صبر کرکے بس خموشی سے بسر کرنا

گریباں چاک کرنا اور دہاڑیں مار کر رونا
کبھی حرکت نہ تم ہرگز مثال نوحہ گر کرنا

اجازت ہے تمھیں اس کی کہ دل میں غمزدہ رہنا
اور اس کی بھی اگر چاہو تو اپنی چشم تر کرنا

یہ اسلامی شریعت ہے کہ چپ رہنا مصائب پر
یہ رسمِ جہالت ہے کہ بَین و شور و شر کرنا

گذرنا ابنِ آدم کا نہیں ہے بات حیرت کی
ہے سنت حضرت آدم کی دنیا سے سفر کرنا

شفیع المذنبین کے سامنے سے مجھ کو لے جانا
بقیع پاک میں میرے لیے تیار گھر کرنا

ٹھہرنا قبر پر کچھ دیر یہ بھی ایک سنت ہے
کلام اللہ پڑھ کر پھر عنایت کی نظر کرنا

یہی درخواست ہے میری کہ مجھ کو عفو کر دینا
بہت کافی ہے مجھ کو بس یہ اتنی سی نظر کرنا

اگر تم عفو کردو کاش مجھ کو میرے جیتے جی
کرم ہوگا مجھے بھی اس کرم سے باخبر کرنا

دعا یہ ہے خدا تم کو نوازے دین و دنیا میں
تمہاری قدر میں نے کچھ نہ کی تم درگذر کرنا

میری حالت ابھی کچھ ہے تو تھوڑی دیر میں کچھ ہے
بہت دشوار ہے مجھ کو تمھیں جلدی خبر کرنا

وہ سب کچھ کہہ دیا میں نے جو مجھکو تم سے کہنا تھا
نہ کہنا مجھ سے پھر لازم تھا ہم کو بھی خبر کرنا

ضرورت ہے جہاں کو اب اسی مہدی کے آمد کی
جنھیں آسان ہوگا پھر جہاں کو آ کے سر کرنا

بلا کر میرے بچوں کو بسا لے اب مدینہ میں
خدایا سہل ہے تجھ کو اِدھر کرنا اُدھر کرنا

بہت حالت ہے خستہ مِلّتِ مرحوم کی اب تو
مرے مولیٰ کرم کرنا، میرے مولیٰ نظر کرنا

(وصایا، ص: ۷۸ تا ۸۲)

حضرت مولانا کی مزید وصایا

(۱) حدیث شریف میں ارشاد ہے ’اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ‘ یعنی دین کا خلاصہ خیر خواہی کرنا ہے، اس لیے اپنے سب برادران کو نصیحت کرتا ہوں اور اسی کو میری وصیت سمجھنا چاہیے کہ جتنے میرے احباب ہیں وہ حسب اپنی طاقت کے ذکرِ الٰہی میں مشغول رہیں اور اس میں ہرگز غفلت اور کوتاہی نہ کریں ؎

ذکر کن ذکر تا ترا جان است
پاکیٔ دل از ذکر رحمٰن است

(جب تک جان ہے اس وقت تک اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ اس لیے کہ دل کی پاکی رحمٰن کے ذکر سے حاصل ہوگی۔)

(۲) دوسری نصیحت یہ ہے کہ میرے جملہ احباب ہر سنت کا پورا پورا اہتمام رکھیں اور کسی سنت کو خواہ وہ کتنی چھوٹی سی ہو، معمولی نہ سمجھیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی ہر ہر سنت اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔

(۳) سب احباب کو یہ نصیحت اور وصیت ہے کہ وہ کسی مسلمان کو کسی وجہ سے حقیر و ذلیل

نہ سمجھیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے: "کَفٰی بِالْمَرْءِ اِثْماً اَنْ یُحَقِّرَ مُسْلِماً اَوْ کَمَا قَالَ" (مسلمان کے گنہگار ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ کسی دوسرے مسلمان کو حقیر سمجھے۔)

بات یہ ہے کہ اسلام اتنی بڑی نعمت ہے کہ جس کو یہ نصیب ہوگئی اس کو سب نصیب ہوگیا، اس لیے گناہ خواہ کتنا ہی ذلیل چیز ہو لیکن گنہگار ایمان دار ہو تو اپنے ایمان کی وجہ سے وہ پھر بھی محترم ہے اور ایک نہ ایک دن جنت میں جا کر رہے گا۔

(۴) اسلامی تعلیم یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ حسنِ ظن رکھے اور اس کے سامنے اور اس کے پیچھے اس کی تعریف میں زیادہ مبالغہ بھی نہ کرے۔ اس لیے احباب سے التماس ہے کہ وہ میرے بعد میری تعریف میں مبالغہ نہ کریں بلکہ اخلاص و تضرع کے ساتھ میری مغفرت کی ہمیشہ دعاء مانگا کریں۔

(۵) جس طرح حق تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ اس کی ذات و صفات میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے، نہ کسی بزرگ، نہ کسی ولی کو اور اس کی کتاب یعنی قرآن کریم کا حق یہ ہے کہ اس کے حکموں کو مانا جائے اور ان پر عمل کیا جائے اور اس کی تلاوت کی جائے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کا حق یہ ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور یقین رکھے کہ آپ ﷺ کے بعد اور کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔ جان و دل سے آپ ﷺ کی شریعت کا اتباع کرے اور بدعت سے کامل احتراز کرے اور آپ ﷺ کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے اوقات میں سے ایک حصہ بصد ذوق و شوق آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے لیے وقف کرے۔ اس لیے احباب کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ ذکر اللہ سے جس طرح ان کو تعلیم دیا گیا ہے، غفلت نہ کریں اور زبان سے بھی ایک تسبیح کلمہ طیبہ کی پڑھ لیا کریں کیونکہ حدیث شریف میں اسی کلمے کو افضل الذکر کہا گیا ہے اور کچھ نہ کچھ قرآن کریم کی روزمرہ تلاوت کریں اور درود شریف پڑھنا بھی حسبِ استطاعت و وقت اپنے ذمہ لازم سمجھیں۔
(نصیحت نامہ، ص:۲)

حضرت مولانا کی چند مفید باتیں

توحید کی اہمیت: مسلمانوں کی جماعت حق جل وعلیٰ کی توحید پر بنی ہے، اس لیے اس کو اپنا یہ امتیاز ہر عمل میں قائم رکھنا گویا اپنی ہستی کا قائم رکھنا ہے اور اس کو فنا کرنا گویا اپنی ہستی کو فنا

کرڈالنا ہے، اس لیے میں احباب کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ اسباب کے پیچھے اس طرح نہ پڑیں کہ دیکھنے والا ان کو بندگانِ رب کے بجائے بندگانِ اسباب سمجھنے لگے۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے اسباب میں تاثیر رکھی ہے اور اسی لیے ہم کو ہر کام کے اسباب اور اس کی تدبیر کا حکم بھی دیا ہے لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم اس تاثیر کے پیدا کرنے والے کو اعتقاداً اور عملاً بُھلا بیٹھیں۔

اسلامی معاشرت یہ ہے کہ ہم ہر ہر عمل میں فاعلِ حقیقی حق سبحانہ وتعالیٰ کو یقین کریں اور اسباب کو صرف مشیتِ ایزدی کا مظہر تصور کریں اور اپنے ہر نفع وضرر کو مالکِ حقیقی کی طرف سے سمجھیں یعنی علاج سے اگر فائدہ ہے تو زبان سے یہ بھی کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے دوا نے فائدہ دیا۔ تجارت میں اگر نفع ہے تو یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس سال ہم کو بہت نفع ہوا ہے۔ اسی طرح اگر ملک آرام میں ہے تو یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ایک عادل اور مہربان حاکم عطا فرمایا۔ یہاں یہ عذر ہرگز نہ کریں کہ ہمارے سب کے دلوں میں یہی بات ہوتی ہے لیکن ہم صرف زبانی طور پر اس نسبت کو استعمال نہیں کرتے۔ میں اپنے احباب کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ زبانی طور پر اسی نسبت کو اپنی معاشرت کا جزو بنالیں تاکہ جو قوم ایک اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ کے نام پر بنی ہے وہ اپنے جملہ خصائص میں ممتاز نظر آئے اور ایمانی غیرت اور اللہ تعالیٰ کی حق شناسی کا تقاضا بھی یہی ہے۔ قدیم مسلمانوں میں اس گہری حقیقت کی عادت اس طرح پڑی ہوئی تھی کہ اُن کی زبانوں پر دن بھر میں بے گنتی 'الحمدللہ، ماشاء اللہ' اور 'ان شاء اللہ' اور 'لاحول ولا قوۃ الا باللہ' اور 'حسبنا اللہ' اور 'انا للہ' اور 'بفضلہٖ تعالیٰ' کے مبارک کلمات جاری رہتے تھے۔ در حقیقت یہ کلمات اور اسلامی عادات اسی عقیدے کی تذکیر اور تازگی کے لیے سکھائے گئے تھے۔ اس لیے میں اپنے احباب کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ اپنی معاشرت میں تاامکان ان کلمات کو اسی تصور کے ساتھ زیادہ سے زیادہ استعمال میں لائیں اور بے وقوفوں کے بہکانے سے ان عادات کو معمولی نہ سمجھیں۔

[فائدہ: نہایت اہم نصیحت ہے جو واجب العمل ہے۔ مگر افسوس اب اس امر میں عوام تو عوام پڑھے لکھے لوگوں سے بھی کوتاہی ہو رہی ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ (مرتب)]

تعدیۂ امراض : اسی طرح امراض کا ایک دوسرے کو لگ جانے کا خیال بھی ہماری اسباب پرستی کا نتیجہ ہے۔ موجودہ تحقیقات خواہ کچھ بھی ہوں لیکن شرعی تحقیقات یہ ہے کہ جس نے پہلے شخص کو مرض میں مبتلا کیا اُسی نے دوسرے کو بھی مبتلا کیا ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ بعض مرتبہ گھر میں وہ مرض دوسروں کو بھی پیدا ہو جائے لیکن اگر قادرِ مطلق پر نظر رہے تو کیا پھر اس مرض کے پیدا ہونے کو اسباب کے بجائے مشیتِ الٰہی کے سپرد کر دینا بہتر نہیں ہے؟ کیا اس کی مشیت اور اس کا ارادہ اسباب کے برابر بھی تاثیر نہیں رکھتا؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

[فائدہ: سبحان اللہ! کیا ہی ایمانی بات فرمائی جو حرزِ جان بنانے کے لائق ہے۔]

بات یہ ہے کہ ہر شخص جو ضعیف الاعتقاد ہو وہ اپنی اسباب پرستی کی تاویل کرنے کے لیے یہ کہہ دیا کرتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا منکر نہیں لیکن قدرت کی عادت یہی ہے کہ جب ایک متعدی مرض گھر میں گُھستا ہے تو وہ دوسروں کو بھی لگ جاتا ہے، مسلمان کی توحید کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے منسوب کرے اور جب یہ ہوگا تو پھر اسباب ان کی نظروں میں بے وقعت ہو کر رہ جائیں گے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اعتماد اگر نصیب ہو گیا تو یہ ہوگا کہ پھر اسباب کی تاثیر کا راز فاش ہو کر رہ جائے گا۔

شکرِ نعمت کی تاکید اور کفرانِ نعمت سے احتراز

ہر نعمت پر ہم شکر کی عادت ڈال لیں خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، قدیم مسلمانوں کا طریقہ تھا کہ وہ ہر کام کو بسم اللہ سے شروع کرتے تھے خواہ وہ کھانا ہو یا پینا، اوڑھنا ہو یا پہننا اور یہی بسم اللہ ان کے اعمال میں نیت کے قائم مقام بن جاتی تھی۔ اسی طرح ان کی زبانوں پر الحمد للہ جیسے شکر کے کلمات چڑھے ہوئے تھے۔ اب ہماری معاشرت میں بسم اللہ اور 'الحمد للہ' کے مبارک کلمات گم ہوتے چلے جا رہے ہیں، اس لیے اس آسان بات کو اپنی زندگی میں پھر داخل کرنا چاہیے اور کثرت سے اس کی عادت ڈالنی چاہیے کہ ارادہ اور بے ارادہ یہ کلمات زبان پر جاری ہو جائیں تاکہ 'عباد اللہ' عبادِ دنیا سے ہر وقت محسوس طور پر ممتاز نظر آئیں اور اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہمارے گرد و پیش میں چھا جائیں۔ قرآن کریم میں ہے ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ یعنی اگر تم شکر ادا کرتے رہو گے تو میں اپنی نعمتیں تم کو اور زیادہ دوں گا۔ یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ

نعمتوں کی شکر گزاری صرف اس کا نام نہیں ہے کہ کلماتِ شکر زبان سے ادا کیے جائیں۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ نعمتوں پر عبادتوں کی کثرت ہو اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہیں ان کو اس طرح پر صَرف کیا جائے جو حق سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کا موجب ہو، مثلاً اگر کسی تاجر کو اللہ تعالیٰ نفع دیتا ہے تو شکر یہ نہیں ہے کہ زبان سے الحمد للہ کہہ کر اس کو خلافِ شرع مقامات پر خرچ کر دے بلکہ یہ ہے کہ وہیں خرچ کرے جہاں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں خرچ کرنی چاہیے تاکہ ان کے برمحل صَرف ہونے سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نازل ہوں اور دونی دونی برکتیں اُتریں۔

حدیث شریف میں ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے جب یہ دیکھا کہ راتوں کو کھڑے کھڑے آپ ﷺ کے پیروں پر ورم آ گیا تو عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ اتنی محنت کیوں برداشت فرماتے ہیں جبکہ آپؐ کے رب نے آپؐ کی اگلی پچھلی خطائیں سب بخش دی ہیں تو آپؐ نے یہی جواب دیا "اَ فَلَا اَکُوْنُ عَبْداً شَکُوْراً" کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

یعنی نعمت کا شکر یہ ہے کہ نعمت جتنی بڑھتی جائے شکر گزاری اتنی ہی اور دونی ہوتی چلی جائے۔

اس کے ساتھ دوسری ضروری بات یہ ہے کہ ناشکری سے حد درجہ پرہیز کیا جائے۔ صرف زبان سے نہیں بلکہ اس طرح بھی کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے لاپرواہی نہ برتی جائے اور نہ ان کو کم یا گھٹیا درجے کی سمجھی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مختلف قسم کے انسان پیدا کیے ہیں۔ کسی کو امیر بنایا ہے اور کسی کو غریب۔ یہاں غریب کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی امیر کو دیکھ کر یہ کہے کہ یہ نعمتیں مجھ کو کیوں نہیں دیں۔ اسی طرح امیروں میں بھی کسی کو بڑا بنایا، کسی کو چھوٹا۔ یہاں بھی چھوٹے کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ یہ کہے مجھ کو اس جیسا بڑا امیر کیوں نہیں بنایا۔ بلکہ غریب کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنے سے زیادہ غریب کو دیکھے اور چھوٹے امیر کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنے سے کم حیثیت امیر کی طرف نظر کرے اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی نعمت کی شکر گزاری اس طرح کریں کہ اگر وہ کسی سے کم ہے تو بہتوں سے زیادہ بھی ہے۔ خدانہ کردہ اگر کم وبیش کی بحث میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی عادت پڑ گئی تو پھر اندیشہ ہے کہ جو نعمتیں دے دی گئی ہیں کہیں وہ بھی نہ چھین لی جائیں۔ العیاذ باللہ! اسی لیے فرمایا ہے ﴿وَ لَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ﴾ (سورۂ ابراہیم، آیت: ۷) یعنی تم میری ناشکری کروگے تو یاد رکھنا میرا عذاب بھی سخت ہے۔

اس لیے میں یہ تاکید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے شکرگزار بندوں میں شامل ہونے کی بے انتہا کوشش کریں اور ناشکروں میں داخل ہونے سے پناہ مانگیں۔حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ (سورۂ سباء، آیت:۱۳) یعنی میرے ایسے بندے کم ہیں جو ہمیشہ میرے شکرگزار رہیں۔ جب ایسے بندے کم ہیں تو پورے شکرگزار بن کر اپنی قدر بڑھاویں۔(نصیحت نامہ)

مولانا بدر عالم مہاجر مدنیؒ کی وصیت بنام یوسف صاحب مرحوم والد ماجد مفتی سعید احمد پالنپوری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

یوسف! اگر تم اپنے لڑکوں کو اچھا عالم بنانا چاہتے ہو تو حرام اور ناجائز مال سے پرہیز کرنا اور بچوں کو بھی ناجائز اور حرام مال سے بچانا کیونکہ علم ایک نور ہے اور ناجائز اور حرام مال سے جو بدن پروان چڑھتا ہے اس میں یہ نور داخل نہیں ہوتا۔

(رحمۃ اللہ الواسعہ ،شرح حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱،ص: ۸۳۰)

حضرت مولانا محمد یٰسینؒ کی وصیت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ وفات سے ایک دن پہلے احقر سے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ’’شفیع بھول تو جایا ہی کرتے ہیں مگر اتنی بات کہتا ہوں کہ جلدی نہ بھول جانا‘‘۔ (ماہنامہ البلاغ کا مفتی اعظم نمبر۔ص:۹۳)

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد، بانی امارتِ شرعیہ، بہار

۱) قیامت کے دن (ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگی بغیر امیر کے غیر شرعی زندگی کا) جو سوال ہم لوگوں سے ہوگا اس کا جواب سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے کس طرح عہدہ برآ ہوں گے۔کفر کے اس بے پناہ غلبے اور اثرات کو جس قدر کم کیا جاسکے کرنا چاہیے۔اس راستے میں جس قدر قربانیاں پیش کرنے کی ضرورت ہو اس سے دریغ نہ کیا جائے۔(ص:۴۰۳)

۲) جب تک حکومت کافرہ کا مسلمانوں پر تسلط ہے اور جب تک مسلمان اس ابتلاء میں مبتلا ہیں اور جس وقت تک مسلمان اپنے سیاسی اقتدار کے مالک نہیں ہوجاتے، اس وقت تک اپنے

اقتصادی اور معاشرتی کاموں کیلئے ایک اپنا امیر منتخب کریں اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری پر بیعت کریں تاکہ اس کفرستان میں جس قدر ممکن ہوسکے مسلمان اپنی زندگی کو شرعی بناسکیں۔(ص:۴۰۵)

۳) ہندو اور مسلمانوں کی دو جداگانہ معاشرتیں ہیں، اس لیے ان کی اصلاح بھی جداگانہ قوانین کے ذریعے ہونی چاہیے۔ اصولاً ایک فرقے کے معاشرتی قانون میں دوسرے فرقے کے رکن کو ووٹ دینے کا حق نہ ہونا چاہیے۔(ص:۴۰۵)

۴) فسق والحاد کے عموم وشیوع کی وجہ سے ہماری دینی حس بڑی حد تک ماؤف ہوچکی ہے اور مجھے بسا اوقات شبہ ہوجاتا ہے کہ ہم لوگوں میں ایمان کا ادنیٰ درجہ بھی ہے یا نہیں۔(۴۰۷)

۵) اور ہم ملاحدہ اور فساق بلکہ کھلے کفار ومشرکین کو اعلانیہ فسق والحاد اور کفر وشرک کرتے دیکھتے ہیں اور بسا اوقات ہمارے قلب میں بھی اس کے خلاف غیض وغضب پیدا نہیں ہوتا۔(۲۲۳)

۶) دنیادار دنیاوی دولت پر غرور وفخر کرتے ہیں، اللہ پاک نے اپنی مہربانیوں سے کلامِ پاک کی جو دولت مجھے عطا فرمائی ہے اس کے مقابلے میں دولت مندوں اور ان کی دولت کی میری نظر میں کوئی حقیقت نہیں۔(۲۱۵)

مشروعیتِ جہاد کی حکمت ومصالحت

۷) اس کی مثال ایسی ہے کہ تمام انسانی ہستی کو بمنزلہ ایک انسان واحد کے خیال کیا جائے اور مختلف ٹولیاں اور آبادیاں اس کے مختلف اعضاء قرار دیے جائیں اور یہ صورت بھی پیش نظر رکھی جائے کہ جب کسی عضو میں ایسی سخت سمّیت پیدا ہوجاتی ہے کہ اگر اس کو کاٹ نہ دیا جائے تو بقیہ اعضاء بھی اس کی مضرت سے محفوظ نہیں رہ سکتے تو اس کو کاٹ دیا جاتا ہے۔ٹھیک اسی طرح جب کوئی انسانی گروہ انسانی ہستی کے لیے زہر خوردہ ہوجاتا ہے تو پھر اس سے قتال کا حکم اسلام دیتا ہے۔(۳۲۰)

مداہنت یا رواداری

۸) رواداری کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مذہب اور تہذیب و معاشرت پر قائم رہتے ہوئے غیر مسلم اقوام کے ساتھ صلح ومواعدت کا معاملہ کیا جائے، اس کے ساتھ حسن سلوک اور

اچھے برتاؤ کا معاملہ کیا جائے۔ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے...... مگر مداہنت جائز نہیں ہے۔ دینی معاملات میں معاہد قوم کی پیروی کی جائے، ان کے اثرات قبول کیے جائیں یا ان کی تہذیب و معاشرت اختیار کی جائے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ (۳۲۴)

۹) دنیا کی بہتر سے بہتر اور قیمتی سے قیمتی چیز غیر مسلموں کی مصالحت پر قربان کردی جاسکتی ہے۔ ان کے دلوں میں گھر کرنے کے لیے اپنے گھر کی ساری دولت لٹادی جاسکتی ہے مگر احکامِ اسلام، شعارِ ملت، حقوق و خصائص قومی میں سے چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی نہیں چھوڑی جاسکتی۔ یہ دنائت فی الدین ہے اور نہ غیر مسلموں کے مخصوص رسوم کو اختیار کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ شرک فی الاسلام اور فنائے قومیت اور تفویت مقاصد اسلام ہے۔ (۳۴۰)

۱۰) ایسے نازک وقت میں، مَیں اس نتیجے پر پہنچا کہ اُمت کی شیرازہ بندی سے قبل علماء کی شیرازہ بندی ضروری ہے۔ جب تک علماء اپنی جنگ ختم نہ کریں گے یہ اُمت لڑتی رہیں گی۔ (۴۳۳)

۱۱) اگر ہندو مطالبہ کرتے ہیں کہ مسلمان گائے کی قربانی ترک کرکے ان کے جذبات کا احترام کریں تو انھیں غیر اللہ کی پرستش چھوڑ کر مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرنا پڑے گا۔ ایک مسلمان کا اس وقت خون کھولتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ ایک اللہ کو چھوڑ کر کہیں پتھروں اور مورتیوں کو پوجا جارہا ہے، کہیں درختوں کو پوج کر اس کے اللہ کے حقوق کو پامال کیا جارہا ہے۔ (۳۴۱)

ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا: سال بھر میں صرف ایک دفعہ گائے کی قربانی سے ڈاکٹر صاحب کا خون کھول جاتا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کو یاد رکھنا چاہیے کہ ایک مسلمان جب بازاروں میں، دریا کے کنارے اور آبادی میں گزرتا ہے تو ہر قدم پر اس کا خون کھولتا ہے۔ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کے محبوبِ الٰہی کی تحقیر کی جارہی ہے، وہ دیکھتا ہے کہ کہیں پتھروں اور مورتیوں کو پوجا جارہا ہے، کہیں دریا کی موجوں کی پوجا ہورہی ہے، کہیں درختوں کو پوج کر اللہ کے حقوق کو پامال کیا جارہا ہے، لیکن مسلمان ان سب کو اس لیے برداشت کرتا ہے کہ اب تک وہ اس سلوک کا عادی ہے جو حکمراں ہونے کی حیثیت سے غیر مذاہب کے ساتھ کرنا چاہیے...... اگر ہندو مطالبہ

کرتے ہیں کہ مسلمان گائے کی قربانی ترک کرکے ان کے جذبات کا احترام کریں تو انھیں بھی غیراللہ کی پرستش چھوڑکر مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرنا پڑے گا۔(۴۰۶)

ایک سوال کے جواب میں وہ لکھتے ہیں: ہندو کے خیال سے کہ ان کا دل دُکھتا ہے، ذبحِ گاؤ کو ترک کرنا قطعاً حرام ہے کیونکہ اس صورت میں تائید علی الشرک ہوتی ہے اور مشرکین کی ہوا پرستی کی باتوں کو تسلیم کرنا اور ماننا بالکل ناجائز ہے۔

گئو رکھشا اور گئو کو بچانے کا مسئلہ ہندوؤں کی ہوا پرستی پر مبنی ہے یعنی گاؤ کے اندر وہ ایک خاص عظمت سمجھ کر قابلِ پرستش سمجھتے ہیں۔ پس جب تک ہندوؤں کے اندر جذبہ گاؤ پرستی موجود ہے اس وقت تک ذبحِ گاؤ سرزمین ہند میں ایک شعارِ توحید اور شعارِ اسلام ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَ هُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۴۵)

پھر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں: ''ہندوستان میں اسلام کے بڑے شعائر میں سے ایک شعائر ذبح گاؤ ہے کیونکہ کفار جزیہ دینا شاید منظور کرلیں لیکن گائے کے ذبح کیے جانے پر ہرگز ہرگز رضامند نہیں۔'' (حیاتِ سجاد، ص: ۴۷۔ ۴۰۶)

دلیل کا انوکھا اسلوب عملی وسماجی رُخ

ہر اس مسلمان پر جو چالیس روپے یا چالیس روپے کی مالیت کی چیز کا مالک ہو اور وہ اس کے حوائج اصلیہ سے زائد ہو اس پر اسلام میں قربانی واجب ہے۔ اب ہر وہ کسان جو پانچ کھٹہ کھیت بھی رکھتا ہے، اس پر قربانی واجب ہے۔ اب ایک گھر میں فرض کر لیجیے کہ ایک مرد ہے جس کو پانچ کھٹہ کھیت ہے، اور گھر میں چھے عورتیں ہیں (جن کے پاس عموماً اتنی مالیت کا زیور ہوتا ہے) سب پر قربانی واجب ہے اور آئین اسلامی کی رو سے اس کا فریضہ ہے کہ قربانی کرے۔ اب اگر سات راس خصی خریدتا ہے تو فی خصی دس روپے کے حساب سے ستر روپے اس کو چاہیے اور یہ اس کے امکان سے باہر ہے اور اگر ایک گائے خریدتا ہے تو زیادہ سے زیادہ پندرہ روپے میں اس کو مل جاتی ہے اور سب کے سب قربانی کے فریضے سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں

وہ کیا کرے گا اور اس کے لیے کیا حال ہے۔

یہ حساب وکتاب والی بات گاندھی جی کو مولانا محمد علی نے بآسانی سمجھا دیا اور وہ اس پر راضی ہو گئے کہ اس مسئلے پر وہ اب زور نہیں دیں گے۔ (ص: ۲۲۰)

توکل وقناعت واعتماد علی اللہ کا عالم

نواب عبد الوہاب خان مونگیری نے تنہائی میں مولانا سے خدمت کا موقع دینے کی درخواست کی -یعنی مالی اعانت قبول کر لی جائے۔ حضرت نے فرمایا: اس سے مجھ کر معاف رکھیے۔ اس سے ہمارے اور اللہ کے درمیان توکل کا جو رابطہ ہے اس میں خلل واقع ہو جائے گا۔ (ص:۲۲۳)

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

اوراد و وظائف کے سلسلے کو آپ دراز سے دراز تر کرتے چلے جاتے ہیں، اللہ میاں اس سے آدمی کے قابو میں نہیں آتے، اپنے حول وقوت سے جو خالی ہو کر ان کے قدموں میں گر گیا وہی اُٹھایا جاتا ہے ...... کاش جن اور بھوت سے آدمی جتنا ڈرتا ہے اللہ میاں کو اتنا بھی تو اپنے آگے پیچھے، اوپر نیچے جانتا ...... ذرا اس کی مشق اپنے پیغمبر ﷺ کی یافت کے تابع ہو کر کیجیے۔ سب کچھ آپ کو مل جائے گا۔ آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا ذکر کسی بادشاہ یا حاکمِ مجازی نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی مجلس میں ہو، سنیے آپ کے پیغمبر ﷺ سنا رہے ہیں کہ اللہ ان کو اطلاع دے رہا ہے ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ دل ہی دل میں اللہ میاں کو یاد کرنا شروع کیجیے، آپ کا ذکر آپ کا مالک کرے گا، ہم ان کو یاد کریں وہ ہمیں یاد نہ کریں؟ یہ ہو ہی نہیں سکتا! جو ایسا خیال کرے وہ مسلمان ہی نہیں ...... الغرض ورد و وظیفہ سے زیادہ اپنے علم کی تصحیح کیجیے، یعنی رسول اللہ ﷺ کو جو علم بخشا ہے، اسی علم کے مطابق اپنے علم کو کر لیجیے، آپ اس کے بعد اللہ کے سامنے ہیں اور اللہ آپ کے سامنے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن کو تھام لیجیے، جو کچھ انھوں نے سکھایا اس کے سواطے کر لیجیے کہ اس راہ میں اور کسی سے کچھ سیکھنا نہیں ہے۔ آپ کا سلوک طے ہو گیا۔ اللہ آپ کو مل گیا۔ آپ چین کیجیے آپ مانگتے چلے جائیں گے وہ دیتا چلا جائے گا۔ (حیات مولانا گیلانی، ص: ۳۲۷)

آدمی جب تنہائی میں گھبراتا ہے کوئی پاس نہیں ہوتا تو اس طرح کی باتیں یاد آ آ کر زخم لگاتی ہیں اور انسان اپنی بے بسی پر حیرت زدہ ہوتا ہے کہ کیا تھے کیا ہو گئے اور پھر رجوع الی اللہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور اپنے کو ربّ العالمین کے سپرد کر دیتا ہے۔ (حیات....ص: ۱۹۰)

رئیس التبلیغ حضرت مولانا یوسف صاحب کاندھلویؒ

(ولادت: ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ ۲۰/ مارچ ۱۹۱۷ء۔ وفات: ۲۹/ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲/ اپریل ۱۹۶۵ء بروز جمعہ)

۱۔ ایک جماعت کو رخصت کرتے وقت فرمایا: جاؤ اللہ تمھاری مدد فرمائے۔ صلوٰۃ الحاجۃ کا اہتمام کرنا۔ جس اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدد فرمائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد فرمائی اور حضرت محمد ﷺ کی مدد فرمائی وہ اللہ آج بھی موجود ہے۔ اسی کے کام کے لیے جا رہے ہو، وہ تمھاری مدد فرمائے گا۔ راتوں کو اُٹھنا اور خوب رو رو کر دعا مانگنا۔ حضور ﷺ کی سنتوں کو تلاش کر کر کے ان پر عمل کرنا۔ جاؤ اللہ کی حفاظت میں جاؤ، وہی تمھارا ناصر و حامی ہے۔

(سوانح مولانا یوسف، ص: ۳۱۰۔ اقوال سلف، ج: ۵، ص: ۱۷۱)

۲۔ یہ اُمت بڑی مشقت سے بنی ہے۔ اس کو اُمت بنانے میں حضورؐ اور صحابہ کرامؓ نے بڑی مشقتیں اُٹھائی ہیں اور ان کے دشمنوں یعنی یہود و نصاریٰ نے ہمیشہ اس کی کوششیں کی ہیں کہ مسلمان ایک اُمت نہ رہیں بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوں۔ اب مسلمان اپنا اُمت پنا کھو چکے ہیں۔ (غیروں پر رعب کھو چکے ہیں، ہیبتِ اسلام و ایمان کھو چکے ہیں، اپنا وزن کھو چکے ہیں، مسجدیں کچی تھیں، مکان کچّے تھے مگر ایمان پکا تھا۔)

۳۔ یہ اُمت اس طرح بنی تھی کہ ہر آدمی صرف یہ دیکھتا تھا کہ اللہ اور رسولؐ کیا فرماتے ہیں۔ اُمت جب ہی بنتی ہے جب اللہ و رسول کے حکم کے مقابلے میں سارے رشتے اور سارے تعلقات کٹ جائیں، جب مسلمان ایک اُمت تھے تو ایک مسلمان کے کہیں قتل ہو جانے سے ساری اُمت ہل جاتی تھی۔ اب ہزاروں لاکھوں کے گلے کٹتے ہیں اور کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔

۴۔ مسلمان ساری دنیا میں اس لیے پٹ رہا ہے اور مر رہا ہے کہ وہ اُمت پنے کو ختم

کر کے حضور ﷺ کی قربانی پر پانی پھیر رہا ہے۔ میں یہ دل کے غم کی باتیں کہہ رہا ہوں، ساری تباہی اس وجہ سے ہے کہ اُمت اُمت نہ رہی بلکہ یہ بھی بھول گئے کہ اُمت کیا ہے اور حضور ﷺ نے کس طرح اُمت بنائی تھی۔

۵۔ اُمت پنا جب آئے گا اَذِلَّۃً عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ پر مسلمانوں کا عمل ہو۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے مقابلہ میں چھوٹا بننے اور ذلت وتواضع اختیار کرنے کو اپنائے۔ تبلیغ میں اسی کی مشق کرنی ہے۔ جب مسلمانوں میں اَذِلَّۃً عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ والی صفت آجائے گی تو وہ دنیا میں اَعِزَّۃً عَلَی الْکَافِرِیْنَ (سورۂ مائدہ، آیت:۵۴) یعنی کافروں کے مقابلہ میں زبردست اور غالب ضرور ہوں گے چاہے وہ کافر یورپ کے ہوں یا ایشیا کے۔

۶۔ میرے بھائیو اور دوستو! اللہ ورسول ﷺ نے ان باتوں سے شدت وسختی سے منع کیا ہے جن سے دلوں میں فرق پڑے اور پھوٹ کا خطرہ ہو مثلاً تحقیر وغیبت وغیرہ۔ اور ایک دوسرے کا اکرام واحترام جس سے اُمت جڑتی بنتی ہے، اس کی تاکید فرمائی گئی ہے اور دوسروں سے اپنا اکرام چاہنے سے منع کیا گیا کیونکہ اس سے اُمت بنتی نہیں بگڑتی ہے۔ اُمت جب بنے گی جب ہر آدمی یہ طے کرلے کہ میں عزّت کے قابل نہیں ہوں اس لیے مجھے عزّت لینی نہیں بلکہ دوسروں کی عزّت کرنی ہے۔ اور دوسرے سب لوگ اس قابل ہیں کہ میں ان کی عزّت کروں، ان کا اکرام کروں۔ اپنے نفسوں، اپنی ذاتوں کو قربان کیا جائے گا تو اُمت بنے گی۔ اُمت بنے گی عزّت ملے گی، عزّت وذلت مخلوق کے نقشوں میں نہیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ (اقوال سلف، ج:۶، ص:۱۷۶)

مولانا احمد سعید دہلویؒ

۱) اگر علماء میں مداہنت اور منافست نہ ہوتی اور صوفیاء میں اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ بننے کا شوق نہ ہوتا تو آج تمام ہندوستان ایک امیر کے ماتحت شرعی زندگی بسر کررہا ہوتا اور اسلام کی حقیقی برکات سے متمتع ہوتا اور ان کی روح حکومت برطانیہ کی غلامی سے آزاد ہوتی، اگرچہ جسم غلامی میں مقید ہوتا۔ (حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد، ص:۴۵۳)

ایک اللہ والے کی وصیت

ایک اہل اللہ نے وصیت کی کہ میرے کفن پر یہ اشعار لکھ دیں۔ شاید میری نجات ہو جائے ۔

یا رب تیری رحمت کا اُمیدوار آیا ہوں
منہ ڈھاپے کفن سے شرمسار آیا ہوں
چلنے نہ دیا بارِ گناہ نے مجھ کو پیدل
اس لیے کندھوں پر سوار آیا ہوں

کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا کیا حال ہے؟ فرمایا: فضل ذوالجلال ہے۔ ان اشعار کی وجہ سے رحمتِ ربِ غفار کو جوش آیا۔ قبر باغِ جنت ہوگئی۔ (خطباتِ دینپوری، ج:۳، ص:۲۹۹)

حضرت مولانا عبدالشکور دین پوریؒ

۱) علی الاعلان سنو، برسرمیدان سنو، او دنیا کے مسلمان سنو! سنو تو قرآن سنو، مصطفیٰ کا فرمان سنو! حضور ﷺ ہمیں دو چیزیں دے کر گنبد خضریٰ میں صدیقہ کے حجرے میں آرام فرمانے چلے گئے، فرمایا دو چیزیں دے کر جا رہا ہوں:

تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ، تَرَکْتُ فِیْکُمْ شَیْئَیْنِ، تَرَکْتُ فِیْکُمْ ثَقَلَیْنِ، لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِہِمَا۔

دو تحفے، دو چیزیں، دو ہدیے دے کر جا رہا ہوں، مسلمانو! جب تک تم میں دو چیزیں رہیں گی گمراہ نہیں ہوں گے؛ کِتَابَ اللّٰہِ وَ سُنَّتِیْ!

ایک اللہ کا قرآن، ایک کملی والے کی زبان کا فرمان ہے۔ جو مان لے وہ مسلمان، جو چھوڑ دے بے ایمان ہے۔ (ج:۱، ص:۵۴)

۲) میں صرف محبوب کو امام نہیں امام الانبیاء - میں اللہ کی قسم زور سے کہتا ہوں واللہ العظیم۔ ربّ ذوالجلال کی قسم! میں ہر نبی کو اُمت کا نبی مانتا ہوں۔ محمد عربی کو نبیوں کا بھی نبی مانتا ہوں۔ سارے کہو نبیوں کا بھی (نبی مانتا ہوں) نبی الانبیاء۔ افضل الانبیاء۔ سیّد الانبیاء۔ امام

الانبیاء ﷺ۔ جو پیغمبروں کے نعلین کی توہین کرے وہ بھی اسلام سے نکل جاتا ہے۔(ج:ا،ص:۶۰)

۳)　جو تلوار لے کر نکلے اسے اسلامی اصطلاح میں مجاہد و غازی کہتے ہیں۔ جو مسجد میں پہنچے نمازی کہتے ہیں۔ جو قرآن اچھا پڑھے اسے اسلامی اصطلاح میں قاری کہتے ہیں۔ جو کعبے کا دیدار کرے اسے حاجی کہتے ہیں۔ جو فیصلہ صحیح کرے اسے قاضی کہتے ہیں۔ جو آنکھوں سے پیغمبرؐ کو دیکھے اسے صحابی کہتے ہیں۔ اسٹیج پر حق کہے اس کو آپ وہابی کہتے ہیں اور ہم ان کے دماغ کی خرابی کہتے ہیں۔

۴)　ہم وہ نہیں کہ فقط علی علی کا نعرہ لگائیں۔نہیں! نبی سچا تھا تو ابوبکر صدیق بن گیا۔ پیغمبر عادل تھا تو عمر عادل بن گیا۔ نبی سخی تھا تو عثمان سخاوت کا بادشاہ بن گیا۔ نبی بہادر تھا تو علی حیدر کرار بن گیا۔ اگر گواہی کا موقع آئے تو صداقت اختیار کرو، اگر حکومت ملے تو عدالت اختیار کرو۔ پیسہ ہو تو سخاوت اختیار کرو۔ میدان ہو تو شجاعت اختیار کرو۔ یہ سب پیغمبر کی سیرت کی جھلک ہے۔(۱۴۸)

۵)　ہم صحابہ کو چھوڑیں تو رافضی بن جائیں گے۔ اہلِ بیت کو چھوڑیں تو خارجی بن جائیں گے۔ دونوں کا دامن پکڑیں تو پکے مسلمان بن جائیں گے۔ صاحبِ ایمان بن جائیں گے۔ اللہ کی قسم صاحبِ عالیشان بن جائیں گے۔ یہ صحیح ہے یا نہیں! (۱/۱۴۸)

(۶)　اَبْغَضُ الْعِبَادِ اِلَی اللّٰہِ اَنْ یَّکُوْنَ ثَوْبَاہُ خَیْرٌ مِنْ عَمَلِہٖ نبی ﷺ نے فرمایا، وہ بدترین بندہ ہے جس کے کپڑے اچھے اور عمل گندے ہوں۔ سارے کہو، کپڑے اچھے ہوں یا عمل؟

اَنْ یَّکُوْنَ ثِیَابُہٗ ثِیَابَ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَمَلُہٗ عَمَلَ الْجَبَّارِیْنَ

کپڑے تو نبیوں والے پہنیں، بڑے لمبے کرتے اور جبے اور کردار خراب ہو۔(خطبات:۴۷)

جو اللہ کے نام کو شاندار لکھوا کر یا رسول اللہؐ کے نام کو شاندار لکھوا کر چمکدار لکھوائے اور محبت سے دیکھتا رہے اللہ کے نام کو، جتنا پیار سے دیکھے گا اتنا ہی اس کے دل پر منقش ہو جائے گا۔ اللہ ہمیں اپنے رب کا صحیح ادب عطا فرمائے۔ آمین (خطبات۴/۳۶۲)

اللہ ہمیں مسجد میں نمازی بنائے، میدان میں غازی بنائے، اپنے دربار میں عابد بنائے،

زندگی میں زاہد بنائے، اپنے دربار میں ساجد بنائے، میدان میں مجاہد بنائے۔ (خطبات ۲۶۶/۳)

حضرت سیّد نفیس الحسینیؒ خلیفہ شاہ عبد القادرؒ

۱۔ ذکر اللہ پر مداومت۔ ذکر اللہ میں حلاوت بھی بعد از مداومت نصیب ہو جاتی ہے۔

۲۔ علمِ شرعی کے ساتھ پورا پورا تعلق و وابستگی۔

۳۔ شیخِ کامل، عالم کی صحبت پر مداومت۔

۴۔ رزقِ حلال کی جستجو و تلاش۔

بنام سید محمد معاویہ

احکامِ شرعیہ پر سختی سے ہر حال میں کاربند رہیں۔ فکر نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔ بس استقامت سے اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے رہیں اسی میں برکت ہے اور عافیت بھی۔ (سیّد نفیس الحسینی، ص:۱۷۹)

حضرت مولانا شاہ بدر علی کی حضرت مولانا محمد احمد پرتاپگڑھیؒ کو تین قیمتی نصیحت

۱۔ طمع نہ کرنا۔ یعنی جو چیز حاصل نہیں اس کی طمع کبھی نہ کرنا۔

۲۔ جمع نہ کرنا۔ موجود ہو اس کو راہِ حق میں خوب خرچ کرنا اور دریغ نہ کرنا، جمع نہ کرنا۔

۳۔ منع نہ کرنا۔ یعنی اگر کوئی تم سے کوئی چیز مانگے تو گرچہ اس کی تم کو ضرورت ہو پھر بھی مانگنے والوں کو منع نہ کرنا۔

۲۳ شعبان المعظم ۱۳۵۴ھ بروز جمعرات ۲ بجے نماز ظہر کے دوسرے سلام پر واصل بحق ہو گئے۔ (اقوال سلف، ج:۴، ص:۴۱۲)

وصایا علامہ سیّد جمال الدین افغانیؒ

آپ مسلمانانِ عالم کے کامل اور مستقل اتحاد کے زبردست داعی تھے۔ انتقال سے پیشتر آپ کے الفاظ یہ تھے:

مشرق کی آزادی اور ممالکِ اسلامیہ کے اتحاد کے متعلق اگرچہ میرا خواب میری زندگی

میں شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا، لیکن مجھے یقین ہے کہ بعد وفات مستقبل قریب میں میری یہ آرزو عملی جامہ پہنے گی، صاحبِ نیت کے معدوم ہو جانے سے نیت ہرگز معدوم نہیں ہوسکتی اور اس کا عمل بالاستقلال جاری رہے گا۔

وہ اپنے آخری خط میں جو انھوں نے اپنے ایک دوست کو لکھا تھا، اس میں ان کے الفاظ ایک آخری وصیت کا وزن رکھتے ہیں، رقم طراز ہیں:

''میں یہ خط ایک ایسے موقع پر اپنے محبوب دوست کی جانب لکھ رہا ہوں، جبکہ میں صرف سلطان اور اس کے رفقاء کی مجلس میں محبوس اور دوستوں کی ملاقات سے محروم ہوں، ایسے ماحول میں نہ تو مجھے آزادی اور خودمختاری کا انتظار ہے اور نہ دنیائے دنی میں طویل زندگی کی خواہش، ایسے حالات میں نہ تو میں اپنی گرفتاری پر حیران و مضطرب ہوں اور نہ سلطان جابر کے ہاتھوں قتل کیے جانے پر خوفزدہ۔''

خدمت اسلام اور دعوتِ اخوت و اتحاد کے جرم پر نہایت مسرور ہوں، قید وحبس میں مطمئن ہوں قتل کیے جانے پر، میں محبوس ہوں تو صرف آزادی نوع انسانی کے لیے اور اگر قتل کیا جاؤں گا تو حیات قوم وملت کے لیے۔

لیکن مجھے رنج وافسوس اس چیز کا ہے کہ میں جس مقصد کی تعمیل کا آرزومند تھا اس کی تعمیل انتہائی جدوجہد کے باوجود اب تک قائم نہ ہوسکی اور میرے مخاطبین کی سقاوت و بدبختی نے انھیں اتنی توفیق نہ دی کہ میں سرزمینِ مشرق کی عام بیداری دیکھ سکوں اور ان کے دست جہالت نے اتنی فرصت نہ دی کہ حلقومِ مشرق سے صدائے آزادی سن سکوں۔

اے کاش! میں بادشاہوں اور فرمانرواؤں کو مخاطب کرنے کی بجائے قوم وملت اور عوام الناس کی قابل وزرخیز کھیتی میں اپنے افکار کے بیج بکھیرتا، کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اپنے پھل کے تخم ہائے افکار سلطنت وحکومت کی زمین شورہ زار میں بکھیر کر انھیں برباد و لا حاصل نہ کرتا۔

افسوس کہ میں نے سلطنت کی کھیتی میں جو کچھ بویا، وہ نمودار اور بارآور نہ ہوسکا، کیونکہ یہ زمین ہی میری تخم ریزی کے ناقابل تھی، عمر گزشتہ کی طویل جدوجہد میں میری خیر خواہانہ کوشش اور مصلحانہ آواز سلاطین مشرق کے کانوں میں نہ اتر سکی اور سب کو اتباع ہوا و ہوس اور جہالت قبولِ

مشورہ سے مانع رہی، مجھے ایران سے خاص توقعات تھیں۔

لیکن انھوں نے بھی میری بے غرض محنت و کاوش کا اجر ذاتی رنج و غضب سے ضائع کر دیا اور ہزاروں وعدے کر کے مجھے اقلیم ترکیہ کی جانب روانہ کیا، الغرض ایران ہو یا ترکیہ ان لوگوں نے مجھے محض اپنے غیظ و غضب سے مرعوب کر لینا چاہا اور اس حقیقت سے غافل رہے کہ کسی کا جبر و تشدد وجہ انہدام نیت نہیں ہو سکتا۔

اور حادثاتِ روزگار احکام و افعال حق کو ضبط نہیں کر سکتے لہٰذا میں آپ جیسے گرامی قدر دوست سے توقع رکھتا ہوں کہ آپ میرا یہ آخری خط ایران میں میرے ہم مسلک و ہم خیال دوستوں تک پہنچائیں اور ان سے زبانی بھی عرض کریں کہ آپ لوگ ہی ایران کا پختہ میوہ ہیں، لہٰذا بیداریٔ ایران کے لیے کمر ہمت باندھ کر اُٹھ کھڑے ہوں اور حکومت کے قید و حبس اور قتل و قتال سے ہرگز خائف نہ ہوں۔ آپ لوگوں کو نہ تو باشندگانِ ایران کی عام جہالت سے شکستہ خاطر ہونا چاہیے۔ اور نہ سلاطین کی مذموم و وحشیانہ حرکات سے مرعوب و مغلوب، آزادی و خوشحالی کے لیے تیز رفتاری سے کوشش کیجیے اور اپنی کوشش میں چالاکی، دور اندیشی اور سلیقہ مندی کو اپنا شعار بنائیے، طبیعت آپ لوگوں کے موافق ہے حق تعالیٰ اس نیک مقصد میں مددگار رہے۔

میری یہ بات ہرگز نہ بھولیئے کہ ایک سیل تجدید و اصلاح انتہائی تیزی سے مشرق کی طرف جاری ہے اور اس کے ناقابل مقاومت حملوں کے سامنے مطلق العنان حکومت کی بنیادیں منہدم ہو جانے والی ہیں، لہٰذا آپ لوگوں کو یہ سعادت کیوں حاصل نہ ہو کہ آپ کے ہاتھوں قصرِ استبداد کی بنیادیں اکھڑ جائیں، وہ موانع جو آپ اور آپ کے نصب العین کے درمیان حائل ہیں، ایمانِ محکم اور سعیٔ پیہم سے رفع ہو سکتے ہیں۔ (مشاہیر اسلام موت کی آغوش میں، ص: ۲۴۸)

وصایا امام القراء حضرت مولانا فتح محمد صاحب پانی پتی علیہ الرحمہ

حضرت والا نے اپنے وصیت نامہ کو درج ذیل چھ حصوں پر مشتمل و منقسم فرمایا ہے۔ (۱) چند قرآنی اور نبوی وصایا و نصائح (۲) بوقت وفات وصیت (۳) ذاتی و نجی اور مالی معاملات و امور کے متعلق وصیت (۴) احباب و متعلقین قراء و مقرئین کے متعلقین و احباب اور عامۃ المسلمین کے

لیے ضروری پند و نصیحت۔

(یہ وصیت نامہ ادارہ کتب طاہریہ مسجد باب الرحمہ محلّہ مغل آباد ملتان نے وصیت نامہ فتحیہ کے نام سے شائع کیا ہے)

وصایا نمبر ۱: چند قرآنی اور نبوی وصایا و نصائح

۱- **صبر:** دین اور نیکی پر اُبھارنے والی قوت کو برائی پر آمادہ کرنے والی قوت پر غالب کردینا، اس کا نام صبر ہے۔ ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اصْبِرُوْا﴾ (آلِ عمران:۲۰۰) یعنی اے ایمان والو! صبر کرو۔

حدیث میں ہے: عَجَبًا لِاِمْرِیءٍ مُؤْمِنٍ اَنَّ اَمْرَہٗ کُلَّہٗ خَیْرٌ وَّ لَیْسَ ذَالِکَ لِاَحَدٍ اِلَّا الْمُؤْمِنُ اِنْ اَصَابَتْہُ سَرَّاءُ شَکَرَ وَ اِنْ اَصَابَتْہُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَہٗ۔

ترجمہ: مومن کا حال عجیب ہے اس کا پورا حال بہتر ہی بہتر ہے اور یہ بات مومن کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوتی کہ اگر اسے راحت ملتی ہے تو شکر کرتا ہے اور تنگی پیش آتی ہے تو صبر کرتا ہے۔ (مسلم شریف)

۲- **حق گوئی و حق پرستی:** یعنی عقائدِ صحیحہ اور اعمالِ صالحہ پر قائم رہیں اور کلمۂ حق بالخصوص سلطان جابر کے سامنے افضل الجہاد ہے قُلِ الْحَقَّ وَ اِنْ کَانَ مُرًّا یعنی حق بات کہو گو وہ تلخ اور کڑوی کسیلی ہی ہو۔

۳- **رحم و شفقت:** ناحق کسی پر غصہ کرنا بری عادت ہے اس سے بچنا چاہیے آدمی یہ سوچے کہ جس پر غصہ آرہا ہے جس طرح میں اس سے زیادہ طاقتور ہوں اور اپنا غصہ اس پر چلا سکتا ہوں اس سے کہیں زیادہ اور کروڑوں حصے بڑھ کر حق تعالیٰ کو مجھ پر قدرت ہے اور میں ان کی نافرمانی بھی کرتا رہتا ہوں اگر وہ بھی میرے ساتھ ایسا ہی معاملہ کریں جیسا میں اس کے ساتھ کر رہا ہوں تو میرا کیا حال بنے گا، سوچے کہ حق تعالیٰ کے ارادے کے بغیر کوئی کام ہی نہیں ہوسکتا، پھر میں کیا چیز ہوں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے ارادہ میں رکاوٹ ڈالوں اور اعوذ باللہ پڑھے اور کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جائے اور ٹھنڈے پانی سے وضو کرے اگر اس کے بعد غصہ کم

نہ ہوتو خود اس سے علٰحدہ ہو جائے یا اس کو اپنے سے جدا کر دے۔

۴- اَلصَّلٰوۃُ وَ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ: دیکھو نماز کی پابندی و باقاعدگی رکھنا اور اپنے زیر دست لوگوں کی راحت و آسانی اور ان کے دکھ سکھ اور حقوق کا خیال اور دھیان رکھنا زیر دست لوگوں کے مصداق میں بطور دلالت و مقتضائے نص، ملازمین، خدام، مریدین اور اولاد سبھی لوگ داخل ہیں۔

وصایا نمبر ۲: وصیت بوقت وفات

۱- میرے پاس دیندار لوگ رہیں، جو کہ بکثرت تلاوتِ قرآن نیز کلمہ طیبہ، توبہ و استغفار کے ورد اور ذکر اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہیں، شور و پکار، قصے، کہانیاں، فضول باتیں نہ کریں، خوشبو مہکائیں، مکان اور بیمار کا بستر اور لباس پاک و صاف رکھیں، کلمہ طیبہ، سورۂ یٰسین اور قرآن شریف پڑھیں لیکن بیمار کو کچھ نہ کہیں۔

۲- جب روح جسم سے پرواز کر جائے تو فوراً میت کا سر قبلہ جانب کر دیں، لباس بدل ڈالیں، آنکھیں بند کر دیں، ٹھوڑی باندھ دیں اور تجہیز و تکفین میں ہرگز ہرگز تاخیر اور دیر نہ کریں بہت جلدی کریں۔

۳- تجہیز و تکفین اور غسل و دفن موافقِ سنت کریں۔

۴-کلمہ، درود، استغفار، ختمِ قرآن اور غرباء کو پوشیدہ طور سے مالِ حلال کا صدقہ دے کر امداد کریں، لیکن میرے ایصالِ ثواب کے لیے اجتماع بالکل نہ کیا جائے، بلکہ ہر متمنی شخص اپنے اپنے مقام پر فرداً فرداً حسبِ توفیق ایصالِ ثواب کرتا رہے۔

۵- مجھے جنت البقیع میں دفن کیا جائے۔

۶- اور قبر میں سنت کے مطابق ٹھیک داہنی کروٹ پر قبلہ رُخ لٹایا جائے، میّت کو سیدھا لٹا کر صرف چہرے کا رخ قبلہ کی طرف کر دینے کا دستور غلط ہے۔

وصایا نمبر ۳: ذاتی و نجی اور مالی معاملات و امور کے متعلق وصیت

۱- میرا نقد روپیہ شرعی طریق سے میرے بعد موجود ورثاء میں تقسیم کیا جائے، اس وقت بیوی، ہمشیرہ، وارث ہیں۔

۲- مدینہ میں یا پاکستان میں یا اور کسی مقام میں جو اسباب اور اثاثِ زیست بھی میری ملک ہے وہ سب کا سب حتیٰ کہ میرے استعمال کے کپڑے اور برتن بھی میری اہلیہ کی ملک ہیں، اس میں ان سے ہرگز کسی قسم کی مزاحمت نہ کی جائے۔

۳- مدینہ طیبہ میں جو میری ذاتی کتب ہیں، بندہ نے ان تمام کتب کا مالک اپنے عزیز قاری محمد طاہر رحیمی کو قرار دیا ہے، حق تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے، وہ خود بھی ان کتب سے نفع اٹھائیں اور دوسروں کو بھی ان کتابوں سے مستفید ہونے کا موقع دیں۔

۴- میں نے اپنی طبع شدہ تالیفات کے باقی ماندہ نسخے کافی عرصہ پہلے دارالعلوم کراچی کے نام وقف کر دیے تھے اور اربابِ مدرسہ کو ان کتب کا متولی ومختار بنا دیا تھا، اس بارے میں ان سے تعرض نہ کیا جائے۔

۵- بندہ کی تالیف کردہ کسی بھی کتاب یا رسالے کے حقوق مروجہ دستور کے مطابق محفوظ نہیں، ہر شخص کو ان کے طبع کرانے کی عام اجازت ہے مگر پوری احتیاط اور تصحیح کے ساتھ اور ان کتب کی تصحیح و اصلاح کے متعلق اپنے بعد میں اپنے عزیز (قاری) محمد طاہر سلّمہٗ کو متولی ومنتظم بناتا ہوں۔

۶- میرے ذمہ کسی کا قرض نہیں۔ پسماندگان اس کی کچھ فکر نہ کریں اور میرا قرض جو کسی کے ذمہ ہے (بعض کا استانی کو علم ہے) وہ بھی بعد وصولی ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے۔ اگر کسی کا قرض ہو تو وہ مجھے یاد دلا دیں، اگر مجھے اطمینان اور تسلی ہوگئی تو ضرور ادا کر دیا جائے گا اور یاد رہے کہ میرے ذمہ میری اہلیہ کا مہر بھی واجب الادا نہیں ہے۔

۷- جن عزیزوں اور بزرگوں کے مجھ پر احسانات ہیں، روحانی ودینی ہوں، یا جسمانی و مادی، میں ان سب کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! ان کے احسانات سے کروڑ درجے بڑھ کر اور کروڑ درجہ بہتر بدلہ ان سب حضرات کو دونوں جہاں میں عطا فرما دیجیے۔ (آمین)

۸- تعلیم قرآن وقرأت کے زمانہ میں طلبہ کو بغرض اصلاح زجر وتوبیخ اور بعض مرتبہ جسمانی سزا کی بھی نوبت آئی ممکن ہے ان مواقع پر ضرورت سے زیادہ شدت یا نفس کی آمیزش ہوگئی ہو، اس لیے میں ان سب حضرات سے نہایت عاجزی اور لجاجت سے درخواست کرتا ہوں

کہ للہ مجھے دل سے معاف فرمادیں، یہ معاف کرنا انشاء اللہ ان کے لیے بھی مفید اور بڑے اجر وثواب کا باعث ہوگا۔

۹- ممکن ہے کہ نادانستہ طور پر میری کچھ نمازیں اور کچھ روزے کسی وجہ سے درجۂ صحت کو نہ پہنچنے کے سبب میرے ذمہ سے ساقط نہ ہوئے ہوں، اس لیے ترکہ کی نقد رقم کے ربع (چوتھائی) حصہ سے احتیاطاً فدیہ ادا کردیا جائے تو بہتر ہے اس فدیہ کی ادائیگی کا متولی عزیز قاری محمد طاہر رحیمی سلّمہٗ کو قرار دیتا ہوں، لہٰذا نقدی ترکہ کا چوتھائی حصہ عزیزی موصوف کے سپرد کردیا جائے۔

۱۰- دارالعلوم نانک واڑہ کے احاطہ میں احقر کا کوئی ذاتی مکان وغیرہ نہیں ہے جو مکان احقر کی سکونت وغیرہ کی غرض سے تعمیر ہوا تھا، وہ سب مدرسہ کا مملوک ہے۔

۱۱- جن حضرات کے مجھ پر حقوق واجب ہوں، وہ مجھے میری زندگی ہی میں اطلاع کریں، بصورت دیگر میری جناب باری سے دعا ہے کہ اے بارِ الٰہی میرے اور تیری مخلوق کے درمیان والے معاملات میں جو حقوق مجھ پر ہوں، ان کی فروگزاشت کی معافی کا تو ذمہ دار بن جا اور اہل حقوق کو میری جانب سے راضی فرمادیجیے! آمین

اسی طرح خود ان حضرات سے بھی التجا ہے کہ مجھ پر جن کے حقوق ہوں وہ مجھے اطلاع دیں، ورنہ دل سے معاف کردیں اور جس کو کسی قسم کی اذیت پہنچی ہو، اے اللہ اس کو ذریعۂ طہارت وقرب بنادے، بالخصوص حالتِ مرض میں جس کسی کا ازقسم مہمان نوازی وتکلم وضیافت و اکرام، حق تلف ہوگیا ہو، وہ اس سے صدق دل کے ساتھ درگزر فرمادیں۔

۱۲- اپنی اہلیہ محترمہ سے گذارش ہے کہ آپ نے وفاداری، محبت اور خلوص کے ساتھ خوب خدمت کی، اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہاں میں اپنی شایان شان بہت جزاء خیر عطا فرمائے، بندہ آپ سے بہت ہی خوش ہے، اللہ پاک آپ کو دونوں جہاں میں خوب خوشیاں نصیب کرے، بندہ سے خاص کر معذور، مفلوج ہونے کے زمانہ میں آپ کی ضرور حق تلفی ہوئی اس کی معافی چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے لیے معاف فرمادیں، انشاء اللہ، اللہ پاک آپ کو دونوں جہان میں جزاءِ خیر عطا کریں گے اور بندہ کی جدائی پر صبر وتحمل کو ہاتھ سے نہ جانے دیں محض اللہ پاک پر بھروسہ رکھیں وہی سب کا متولی، مددگار ہے، میرے اور آپ کے پیر ومرشد حضرت مفتی محمد حسن

صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ رحمتہ واسعۃ جب اپنی پیرانی صاحبہ (حضرت تھانوی کی اہلیہ) کی خدمت میں تعزیت کے لیے حاضر ہوئے اور تعزیتی الفاظ عرض کیے تو پیرانی صاحبہ نے فرمایا: مولانا کی حیات میں بھی ان کے مولیٰ پر ہماری نظر تھی اب بھی وہی ہمارا مولیٰ ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔

وصایا نمبر۴: احباب و متعلقین قراء مقرئین کے متعلق وصایا و نصائح

۱- اپنی زندگی خدمتِ قرآن کے لیے وقف کردیں اور عمر کے عزیز اوقات کو تول تول کر خدمتِ قرآن میں صرف کریں، ہر قدم پر دھیان رکھیں کہ طلباء کا وقت ضائع نہ ہو اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائیں، دو چیزیں ہر حال میں ملحوظ خاطر رکھیں ایک تدبر و محنت دوسری استقلال و دعاء۔

۲- میری تالیفات میں خوبیاں معلوم ہوں ان کو متقدمین و سلف صالحین کے علمی کمالات کا نتیجہ تصور کریں، اور جو عیوب نظر آئیں ان کو ناظرین احقر کی طرف منسوب کریں اور عزیزی (قاری) محمد طاہر رحیمی کو ان مقامات سے آگاہ کرکے اصلاح و رہنمائی کا فریضہ بجالائیں، مجھے فن قرأت اور ان کی کتب میں ان پر پورا پورا اعتماد ہے، عزیز موصوف سے بھی تاکیداً وصیت کی جاتی ہے کہ میرے بعد اس فن کی خدمت کو مزید آگے بڑھائیں حق تعالیٰ توفیق و ہمت اور پوری صحت و قوت عطا فرمائے۔

۳- میرے اپنے تمام عزیز اور دوستوں کو وصیت ہے کہ قرآن کی خدمت لوجہ اللہ کریں عُجب دیندار اور ریاکاری و تفاخر اور بدخلقی اور دیگر عادات ناپسندیدہ سے بچیں، جو اہل ہو اسکو بتانے میں ہرگز ہرگز بخل نہ کریں، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ سَئَلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَ اُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ (رواہ احمد، ابوداؤد والترمذی بحوالہ مشکوٰۃ شریف ج:۱، ص:۳۴) اور نااہلوں کے درپے نہ ہوں قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ اَهْلِهٖ كَمُقَلِّدِ الْخَنَازِيْرَ جَوْهَرَ وَ اللُّؤْلُؤَ وَ الذَّهَبَ۔

(رواہ ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱، ص: ۳۴)

اور یاد رکھیں کہ سات چیزیں قرأت معلوم کرنے کا وسیلہ ہیں: اول عربی زبان، دوم تجوید، سوم رسم عثمانی، چہارم وقف و ابتداء، پنجم فواصل یعنی رؤس آیات، ششم سند، ہفتم متعلقات ابتداء و ختم قرآن۔

ان کے حصول و استحضار کی سعی کریں۔ جو لوگ ان کو نہیں جانتے وہ پڑھانے میں غلطی سے مصئون و محفوظ نہیں رہ سکے۔ قرآن کو تماشا نہ بنائیں اور نہ دنیا کے بدلے فروخت کریں اور طلباء کے ساتھ پڑھانے اور بتانے میں شفقت برتیں۔ بری عادات کی اصلاح نرمی سے کریں۔ نصیحت و مہربانی سے کریں۔ اہلِ مقدور اور غیر مستطیع تلامذہ میں امتیاز نہ کریں۔

۴- قرأت کی کتابوں میں فن کو باقاعدہ اُستاد سے پڑھیں ورنہ اُستاد کے بغیر محض ترجموں کی مدد سے جو شخص خود ہی پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرے گا، اس کے غلطیوں میں مبتلا ہونے کا سخت اندیشہ ہے۔ وَ لَنِعْمَ مَا قِيْلَ ۔

وَ مَنْ يَكُ اٰخِذًا لِلْعِلْمِ عَنْ صُحُفٍ
فَعِلْمُهُ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ كَالْعَدَمِ

۵- قرآن اور قرأت کے مدرسین و اساتذہ اپنے مفوضہ امور و خدمات و فرائض کا کامل ہمت و پامردی، فکرمندی و تندہی، جانفشانی و حاضر باشی اور دیانت و خلوص اور فرض شناسی کے جذبہ خالص کے ساتھ بجا لائیں اور تصحیح و تجوید نیز ضبط و یادداشت دونوں ہی پر پوری توجہ دیا کریں ورنہ روزِ محشر عند اللہ ماخوذ و جوابدہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سب کا حامی و ناصر ہو، آمین۔

۶- جو عزیز اور احباب پاکستان و ہندوستان وغیرہ میں خدمتِ قرآن میں لگے ہوئے ہیں وہ ان ممالک کو چھوڑ کر محض ایک محدود نفع کی خاطر بلا سوچے سمجھے سعودیہ وغیرہ کا رخ نہ کریں، بلکہ انہی ممالک میں رہ کر خوب ہی خوب قرآن کی خدمت کریں کہ اس میں زیادہ نفع ہے۔ البتہ اواخر عمر طبعی میں حرمین شریفین کے قیام میں چنداں مضائقہ نہیں۔

۷- قرآن کریم کی تلاوت میں اعتدال کی حد سے باہر نہ جائیں، کیونکہ جو قرأت مدات وغنات کی مقدار میں اعتدال کی حد سے باہر ہو جائے وہ کامل قرأت نہیں، بلکہ ناقص اور لحن ہے لِذَا قَالَ الْاِمَامُ حَمْزَةُ رَحِمَهُ اللّٰه — پس غنہ اور اخفاء اور الفات کو حد سے زیادہ نہ بڑھائیں، نیز ان میں برابری رکھیں اور تلاوت کے دوران جگہ جگہ سکتات اور تقطیع الفاظ سے پرہیز کریں اور بلا وجہ اپنے اوپر مشقت نہ ڈالیں، اللہ تعالیٰ کے کلام کو اسی کو خوش کرنے کی نیت سے پڑھو اور جس قدر ہو سکے عمدہ سے عمدہ طبعی اور سادہ لہجوں میں پڑھو، جن میں گانے اور تغنی کے اثرات بالکل نہ

ہوں اور آواز کو نفیس اور عمدہ بنانے کی کوشش کرو، لیکن تجوید کی حدود سے ذرا بھی باہر نہ جاؤ۔

اہلِ عرب میں سے صرف انہی ماہرینِ فن کی تلاوت کا اعتبار کریں جو ذی علم اور صاحبِ علم ہوں، جنھیں قرآن مجید اور اس کی قرأت خوب ضبط ہوں اور وہ تجوید پر کامل عبور رکھتے ہوں اور اگر کسی کو یہ خطرہ لاحق ہو کہ 'لحون' پر عمل کرنے سے حفظِ قرآن رخصت ہو جائے گا تو حرام ہے، یعنی نسیانِ قرآن سے بچنے کی خاطر مستحب یعنی صحیح مجود لہجہ اپنانے سے بھی پرہیز کرنا شرعاً لازم وضروری ہے۔

وصایا نمبر ۵: منتسبینِ بیعت و اجازت کے متعلق نصائح

۱- ذکر کی کثرت، اوراد وظائف اور اذکار و اشغال روزانہ باقاعدگی اور پوری پابندی سے بجالاتے رہیں، صفاتِ محمودہ، بردباری، علم ویقین، سخاوت، شجاعت، پاکدامنی، عفو، صبر، شکر، قناعت، تفویض، حسنِ خلق، حیا وتوکل ان کے حاصل کرنے میں کوشش کریں اور اخلاقِ رذیلہ، کذب، غضب، حرص، غیبت، بخل، حسد، ریا، کبر اور کینہ سے اپنا تزکیہ کریں۔ کوئی وقت بیکار نہ گزاریں، بلکہ کثرت و دوام سے ذکر اللہ میں خوب ہی خوب مشغول رہا کریں۔

۲- علمائے کرام سے خصوصاً اور دیگر حضرات سے عموماً درخواست و اپیل ہے کہ وہ اس عظیم الشان اور جلیل القدر فن (قرأت) کی پوری طرح قدر کریں اور اپنی خصوصی توجہات اس کی جانب مبذول فرمائیں اور عربی مدارس کے لیے اس علم کی کتب کو درسیات کا جزوِ لازم قرار دیں، اور اس فن کے فروغ دینے کے لیے اپنی کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں۔ واللہ الموفق!

۳- اپنے جملہ منتسبین ومتوسلین کو تاکیدی وصیت ہے کہ: نمازِ باجماعت کا اہتمام بطورِ خاص رکھیں، کسی وقت یادِ الٰہی سے غافل نہ ہوں، لذتِ ذکر پر شکر کریں، کشف و کرامات کے طالب نہ ہوں، اپنا حال کسی (غیر اور اجنبی) سے نہ کہیں، دنیا و ما فیہا کو دل سے ترک کریں، خلافِ شرع فقراء کی صحبت سے بچیں۔ خلق سے بقدرِ ضرورت ملیں۔ کسی پر بے جا اعتراض وتنقید اور نکتہ چینی نہ کریں۔ اپنے آپ کو سب سے حقیر و کمتر جانیں۔ بات نرمی سے کریں۔ سکوت و خلوت کو محبوب رکھیں۔ اوقات کو منضبط رکھیں۔

۴- جب اللہ کے خوش کرنے اور ان سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے

ہوں اس وقت پوری ہمت اور مضبوطی سے کام لیں۔ پس اس وقت قبض، رنج وغم کی حالت آجائے تو گھبرائے نہیں، بلکہ سوچ کر خوش ہو جائے کہ انشاء اللہ اس غم کے بعد مقصد میں کامیاب ہونے کی خوشی نصیب ہوگی۔ ابو علی دقاق کہتے ہیں:

صَاحِبُ الْحُزْنِ يَقْطَعُ مِنْ طَرِيْقِ اللّٰهِ مَا لَا يَقْطَعُهُ مَنْ فَقَدَ حُزْنَهُ سِنِيْنَ

(غم والا انسان اللہ تعالیٰ کا راستہ بہت جلد طے کر لیتا ہے، جسے وہ شخص سالہا سال میں بھی طے نہیں کر سکتا، جسے غم کی حالت پیش نہ آئی ہو) ہاں بے کار اور بے فائدہ چیزوں کی فکر میں نہیں پڑنا چاہیے کیوں کہ اس سے دل کی رونق برباد ہو جاتی ہے۔

۵- مناجاتِ مقبول کے آخر میں درج شدہ 'معمولات' کو اپنانے کی پوری سعی کریں، جو حسب ذیل ہیں۔

نمازِ تہجد، اشراق، چاشت، صلوٰۃ الاوابین، چار رکعت قبل العصر، صلوٰۃ تسبیح روزِ جمعہ، چار رکعت قبل عشاء۔

روزہ: ایامِ بیض، پیر، جمعرات، شش عید، روزِ اوّل ذی الحجہ، عاشورہ، شب برأت۔

وظائف: تلاوتِ قرآن شریف جس قدر ہو سکے (صبح) الحمد ۴۱ بار، یٰسین ایک بار، استغفار سو بار، کلمہ طیبہ سو بار، درود شریف سو بار، (ظہر) کلمہ سو بار، درود شریف سو بار، سورۂ انا فتحنا ایک بار، منزل دلائل الخیرات ایک بار، اللہ الصمد پانچ سو بار، (عصر) عم، یتساءلون (یعنی سورۂ نباء) ایک بار، آیتِ کریمہ سو بار، (مغرب) سورۂ واقعہ ایک بار، کلمہ طیبہ سو بار، درود شریف سو بار، (عشاء) سورۂ سجدہ و ملک ایک ایک بار، کلمہ طیبہ سو بار، درود شریف سو بار، فقط۔

۶- کسی وقت مندرجہ ذیل رسائل پر تین چار منٹ (کم از کم) روز صرف کیا کریں:

۱- حیات المسلمین، ۲- تسہیل قصد السبیل، ۳- رسالہ الابقاء۔

۷- بزرگوں، علماءِ دین، اہل قرآن سے محبت رکھیں اور ان کا ادب و احترام بے حد رکھیں، نیکوں کی محبت کو تریاق سمجھیں، بری صحبت کو زہرِ قاتل سمجھیں۔

۸- علماءِ دین کے باہمی اختلافات میں نہ پڑیں۔

۹- اپنے سے تعلق رکھنے والے جملہ احباب سے گذارش ہے کہ بندہ معذوری میں اضافہ

کے باعث افادہ کی خدمت سے معذور ہو چکا ہے لہٰذا مخلصانہ مشورہ ہے کہ مندرجہ ذیل بزرگوں حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب عارفی، کراچی یا مفتی رشید احمد صاحب، کراچی یا ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب، سکھر یا مولانا محمد فاروق صاحب، سکھر یا جس مستند صاحب نسبت بزرگ سے مناسبت ہو، ان سے تعلق قائم کر کے استفادہ کرتے رہیں۔

۱۰- بندہ نے اپنے عزیز قاری رحیم بخش رحمہ اللہ تعالیٰ کو اجازت بیعت دی تھی، جو اللہ پاک کو پیارے ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ تادم تحریر کوئی بندہ کے ذریعہ مجازِ بیعت نہیں ہوا۔ اگر بعد میں کوئی صاحب بتوفیق اللہ تعالیٰ مجاز ہوئے تو ان کا نام شائع کر دیا جائے گا۔

وصایا نمبر ۶: جملہ متعلقین واحباب اور عامۃ المسلمین کیلئے ضروری پند و نصیحت

۱- ٹی وی سے تحفظ اور کلی اجتناب و احتراز، روزانہ بلا ناغہ قرآن کریم کی تلاوت کی پابندی، ڈاڑھی اور ہر سنت کا پورا پورا اہتمام رکھیں۔ بدعت اور خلافِ سنت کام سے نفرت و اجتناب کریں۔

۲- کسی مسلمان کو کسی وجہ سے حقیر و ذلیل نہ سمجھیں۔ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ حسنِ ظن رکھیں۔

۳- ایصالِ ثواب میں شرعی طریقہ کا لحاظ رکھیں۔ کسی دن کی تخصیص نہ کریں۔ اسی طرح اجتماع کو بھی لازم ہرگز نہ سمجھیں۔

۴- مسجد میں نمازِ باجماعت کا التزام وانضباط تکبیرِ اولیٰ کی پابندی کے ساتھ بجالائیں۔

۵- شرعی پردہ کا پورا پورا خیال رکھیں اور اپنی اولاد کو اسکول اور کالج کی تعلیم سے پوری طرح بچائیں۔

۶- فناء کا یقین اور موت کا استحضار رکھیں، عمر خواہ کتنی ہی طویل فناء و موت ہے اپنے سے پہلے فناء ہو جانے والوں کا ہر وقت مراقبہ اور تصور کریں اور ان کی موت سے عبرت و سبق حاصل کر کے حیات مستعار کو غنیمت جانیں اور کچھ کر گزرنے کا جذبہ ہمیشہ دل میں موجزن رہے۔

۷- ٹیلی ویژن سے، ریڈیو کے گانوں سے، فلموں سے، سینماؤں سے، آپس کی عداوت سے، کفر کے تمام نظاموں سے، سودی لین دین سے، انگریزی لباس اور انگریزی صورت سے،

فوٹوؤں سے ان سب نحوستوں اور بے برکتیوں سے اپنے آپ کو پوری طرح محفوظ رکھیں۔

فارغ البال علماء، قراء، عوام، تجار، اسکولی و کالجی طبقہ بالخصوص تبلیغی جماعت کے ساتھ وابستگی اور باضابطہ ربط کو بسا غنیمت جانیں اور اس کو ہمیشہ حرز جاں بنائے رکھیں اور تبلیغی جماعت میں وقت ۴ ماہ لگا کر کلمہ، نماز، علم و ذکر، اکرام و اخلاق، تصحیحِ نیت، مسلمانوں کو دین پر عمل کرانے کی خوشامد کی مشق کرنے کے لیے جماعتوں کے ساتھ جتنا گھر سے دور جا کر پھر سکیں، پھریں۔ انشاء اللہ العزیز اس طریقِ کار سے ان کی دینداری درست اور سیدھی رہے گی اور وہ دینی فکر و عمل میں رو بہ ترقی رہیں گے۔ واللہ الموفق!

۹- بچوں کو جب تک قرآنِ کریم ناظرہ مکمل اور دین کی ضروری معلومات سے پوری طرح واقفیت نہ ہو جائے کسی دوسرے کام میں نہ لگائیں۔ بچوں کی تربیت میں اس کا خاص اہتمام کریں کہ ان کے اعمال و اخلاق شریعت کے موافق ہوں۔ جھوٹ، فریب، بدمعاملگی، سے بچنے کی پوری کوشش کریں اور فرائض و واجبات اور سنن کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔

۱۰- اتباعِ سنت کی غرض سے حضور ﷺ کی مجموعی طرزِ زندگی میں عقائد، عبادات، معاملات، و عادات تمام میں ایک مرتبہ آپ ﷺ کی پوری زندگی مبارک پر نظر ڈالیں اور اس کے لیے اسوۂ رسول اکرم ﷺ مؤلفہ ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی مدظلہ کا مطالعہ بے حد موزوں ہے۔ یہ میری دعوت ہے۔

۱۱- خود کو اور اپنی اولاد و احباب کو نماز باجماعت کا پابند بنائیں۔ عورتیں اوّل وقت گھروں میں نماز ادا کرنے کی عادی بنیں۔ اذان ہوتے ہی سب کام کاج موقوف کر کے نماز میں مشغول ہوں۔ خانگی نظام الاوقات میں پہلے سے اس کا خیال رکھا جائے۔

۱۲- صبح کی نماز کے بعد جب تک ہر بچہ اور ہر بڑا مرد اور عورت کچھ نہ کچھ تلاوت قرآن نہ کر لے کسی کام میں نہ لگے۔

۱۳- بے پردگی اور عریانی کو اپنے معاشرے میں کسی حال میں برداشت نہ کیا جائے، رشتہ اور منگنی کرتے وقت ان چیزوں کی پوری دیکھ بھال کی جائے۔

۱۴- عورتوں میں غیر شرعی رجحانات زیادہ تر ایسی آزاد عورتوں کے اختلاط سے بڑھتے

جاتے ہیں جو شرعی پردہ اور عبادات و معاملات میں شرعی حدود کی پابند نہیں، ایسی عورتوں سے زیادہ اختلاط کو زہر قاتل سمجھیں، جن سے تعلقات رکھنا ہوں ان کو کوشش کر کے اپنی راہ اور اپنے دینی رنگ (صبغۃ اللہ) پر لائیں، ورنہ یکسوئی اختیار کریں۔

۱۵- میرے جملہ احباب ہر سنت کا پورا پورا اہتمام رکھیں۔ حضور ﷺ کی ہر ہر سنت اللہ کو محبوب ہے، میری جانب سے سنت پر عمل کرنے کی جتنی تاکید ہے اس سے بڑھ کر بدعت سے اجتناب اور نفرت رکھنے کی تاکید ہے، کیونکہ بدعت سے حضور ﷺ کو نہ صرف نفرت ہے بلکہ ایذاء اور تکلیف بھی ہوتی ہے۔ بدعت ایک مہلک اور متعدی مرض ہے۔ اس کے مریضوں سے متعدی امراض کی طرح دور رہنا چاہیے، یعنی بدعت کی محفلوں میں شرکت نہ کرنی چاہیے، اہلِ بدعت سے اختلاط بھی نہ رکھنا چاہیے۔

۱۶- میں اپنے احباب اور تمام مسلمانوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اس زندگی کا ایک ایک لمحہ گوہرِ نایاب ہے، جس کی قیمت ساری دنیا و ما فیہا نہیں ہوسکتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی اس بھاری نعمت کو اس کی نافرمانیوں میں صرف کرنے سے بچیں اور اس میں پوری کوشش صرف کریں، کسی نفسانی غرض اور دنیوی راحت و نفع کو اس پر غالب نہ ہونے دیں۔ عمر کی جو مہلت اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہے، اس کے ایک ایک منٹ اور سیکنڈ کی قدر کریں۔ گزشتہ کا کفارہ توبہ و استغفار سے اور آئندہ کی اصلاح عزمِ مصمم سے کرتے رہیں۔ فضول اور لایعنی کلام و کام اور مجلسوں سے کلی احتراز کریں۔ عمر کے اوقات کو خوب تول تول کر صحیح کاموں میں صرف کرنے کی کوشش کریں۔ ہر کام سے پہلے سوچیں کہ جس طرف قدم یا قلم اُٹھ رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تو نہیں۔ خلاف نظر آئے تو سارے مصالح قربان کر کے پوری ہمت کے ساتھ اس سے بچنے کی کوشش کریں اور آگے اللہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

مولانا الطاف حسین حاؔلی

(ولادت ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء بمقام پانی پت۔ وفات: ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۴ء بمقام پانی پت۔
مدفن بوعلی شاہ قلندر کی درگاہ)

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

كَلِمَتَانِ غَرِيْبَتَانِ فَاحْتَمِلُوْهُمَا

كَلِمَةُ حِكْمَةٍ مِنْ سَفِيْهٍ فَاقْبَلُوْهَا

وَ كَلِمَةُ سَفْهَةٍ مِنْ حَكِيْمٍ فَاغْفِرُوْهَا

دو باتیں نادر ہیں انھیں گوارا کرو۔

دانائی کی بات جو نادان کہے اسے قبول کرو۔

اور نادانی کی بات جو دانا کہے اسے بخش دو معاف کردو۔

رباعی

پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے
مانے نہ مانے کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

مدوجزرِ اسلام

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا — مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا — کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا

مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں

سبب یا علامت گر ان کو سمجھائیں — تو تشخیص میں سو نکالیں خطائیں
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں — یونہی رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں

طبیبوں سے ہرگز نہ مانوس ہوں وہ
یہاں تک کہ جینے سے مایوس ہوں وہ

یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے ۔ بھنور میں جہاز آکے جس کا گھرا ہے
کنارہ ہے دور اور طوفان بپا ہے ۔ گماں ہے یہ ہردم کہ اب ڈوبتا ہے

نہیں لیتے کروٹ مگر اہل کشتی
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہلِ کشتی

(ص:۱۳-۱۴)

اس کے چند اشعار کے بعد زمانۂ جاہلیت کا حال بیان کیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی ولادت و بعثت کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

خطا کار سے درگذر کرنے والا ۔ بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا ۔ قبائل کو شیر و شکر کرنے والا

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

سبق پھر شریعت کا ان کو پڑھایا ۔ حقیقت کا گر ان کو اِک اِک بتایا
زمانہ کے بگڑے ہوؤں کو بنایا ۔ بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا

کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دیے ایک پردہ اُٹھا کر

جتائی انھیں وقت کی قدر و قیمت ۔ دلائی انھیں کام کی حرص و رغبت
کہا چھوڑ دیں گے سب آخر رفاقت ۔ ہوں فرزن و زن اس میں یا مال و دولت

نہ چھوڑے گا پر ساتھ ہر گز تمھارا
بھلائی میں جو وقت تم نے گذارا

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے ۔ فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے ۔ اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے

فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کر لو کہ تھوڑی ہے مہلت
(ص:۲۳)

ڈرایا تعصب سے ان کو یہ کہہ کر کہ زندہ رہا اور مرا جو اسی پر
ہوا وہ ہماری جماعت سے باہر وہ ساتھی ہمارا نہ ہم اس کے یاور
نہیں حق سے کچھ اس محبت کو بہرا
کہ جو تم کو اندھا کرے اور بہرا

کہیں حفظ وصحت کے آئین سکھائے سفر کے کہیں شوق ان کو دلائے
مفاد ان کو سوداگری کے سمجھائے اصول ان کو فرماندہی کے بتائے
نشان راہ و منزل کا اک اک دکھایا
بنی نوع کا ان کو رہبر بنایا

جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت ادا کر چکی فرض اپنی رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت نبی نے کیا خلق سے قصد رحلت
تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی
کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی
(مسدس:۲۶)

اس کے بعد مسلمانوں کی ترقیات علمی وعملی کو دکھلایا ہے پھر ہر میدان میں ان کی تنزلی کو بھی واشگاف فرمایا ہے اور مسلمانانِ ہند کے بدحالی کی بھی بڑے درد سے عکاسی فرمائی ہے۔ جس کے چند اشعار ملاحظہ فرمایں۔

ہماری ہر ایک بات میں سفلہ پن ہے کمینوں سے بد تر ہمارا چلن ہے
لگا نام آباء کو ہم سے گھن ہے ہمارا قدم ننگ اہل وطن ہے
بزرگوں کی توقیر کھوئی ہے ہم نے
عرب کی شرافت ڈبوئی ہے ہم نے
(ص:۴۵)

نہ قوموں میں عزت نہ جلسوں میں وقعت	نہ اپنوں سے الفت نہ غیروں سے ملت
مزاجوں میں سستی دماغوں میں نخوت	خیالوں میں پستی کمالوں سے نفرت

عداوت نہاں، دوستی آشکارا
غرض کی تواضع، غرض کی مدارا

نہ اہل حکومت کے ہمراہ رہیں ہم	نہ درباریوں میں سرفراز ہیں ہم
نہ علموں میں شایان اعزاز ہیں ہم	نہ صنعت میں حرفت میں ممتاز ہیں ہم

نہ رکھتے ہیں کچھ منزلت نوکری میں
نہ حصہ ہمارا ہے سوداگری میں

تنزلی نے کی ہے بری گت ہماری	بہت دور پہنچی ہے نکبت ہماری
گئی گذری دنیا سے عزت ہماری	نہیں کچھ ابھرنے کی صورت ہماری

پڑے ہیں اک امید کے ہم سہارے
توقع پہ جنت کی جیتے ہیں سارے

(ص:۴۵)

کسی قوم کا جب الٹتا ہے دفتر	تو ہوتے ہیں مسخ ان میں پہلے تونگر
کمال ان میں رہتے ہیں باقی نہ جوہر	نہ عقل ان کی ہادی نہ دیں ان کا رہبر

نہ دنیا میں ذلت، نہ عزت کی پروا
نہ عقبیٰ میں دوزخ نہ جنت کی پروا

نہ مظلوم کی آہ وزاری سے ڈرنا	نہ مفلوک کے حال پر رحم کرنا
ہوا و ہوس میں خودی سے گزرنا	تعیش میں جینا نمائش پر مرنا

سدا خواب غفلت میں بے ہوش رہنا
دمِ نزع تک خود فراموش رہنا

یہ ہوسکتے ہیں ان کے ہم جنس کیوں کر	نہیں چین جن کو زمانے سے دم بھر
سواری کو گھوڑا نہ خدمت کو نوکر	نہ رہنے کو گھر اور نہ سونے کو بستر

پہننے کو کپڑا نہ کھانے کو روٹی
جو تدبیر الٹی تو تقدیر کھوئی

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا — کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا
وہی دوست ہے خالق دوسرا کا — خلائق سے ہے جس کو رشتہ وِلا کا
یہی ہے عبادت، یہی دین و ایمان
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

پڑی ہیں سب اجڑی ہوئی خانقاہیں — وہ درویش و سلطاں کی امیدگاہیں
کھلی تھیں جہاں علمِ باطن کی راہیں — فرشتوں کی پڑتی تھیں جن پر نگاہیں
کہاں ہیں وہ جذب الٰہی کے پھندے
کہاں ہیں وہ اللہ کے پاک بندے

وہ علم شریعت کے مہر کدھر ہیں — وہ اخبار دین کے مبصر کدھر ہیں
اصولی کدھر ہیں مناظر کدھر ہیں — محدث کہاں ہیں، مفسر کدھر ہیں
وہ مجلس جو کل سربسر تھی چراغاں
چراغ اب کہیں ٹمٹماتا نہیں واں

(ص:۵٦)

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں — اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں — شہیدوں سے جاجا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

(ص:٦٠)

حضور ﷺ کی جناب میں آپ کا عرضِ حال

اے خاصۂ خاصان رسلؐ وقتِ دعا ہے
امت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے (ص:۱۱۷)

شاعرِ اسلام علامہ اقبالؒ کی چند نصیحتیں

دینی مدارس نہ ہوتے تو جانتے ہو کیا ہوتا؟

مشہور ادیب اور شاعر حکیم احمد شجاع، علامہ اقبالؒ کے دیرینہ نیاز مند تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب 'خون بہا' میں علامہ اقبال کے بارے میں بھی اپنی بعض یادداشتیں قلمبند کی ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک مجلس میں مَیں نے دینی مکاتب و مدارس کا تذکرہ کیا تو علامہ اقبال نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے بڑی دردمندی اور دلسوزی کے ساتھ فرمایا:

''جب میں تمھاری طرح جوان تھا تو میرے قلب کی کیفیت بھی ایسی ہی تھی۔ میں بھی وہ کچھ چاہتا تھا جو تم چاہتے ہو۔ انقلاب! ایک ایسا انقلاب جو ہندوستان کے مسلمانوں کو مغرب کی مہذب اور متمدن قوموں کے دوش بدوش کھڑا کردے۔ یورپ کو دیکھنے کے بعد میری رائے بدل گئی ہے۔ ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو۔ غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہی مکتبوں میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ اگر ہندوستان کے مسلمان اِن مکتبوں کے اثر سے محروم ہوگئے تو بالکل اسی طرح جس طرح ہسپانیہ میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمراء اور باب الاخوتین کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش ہی نہیں ملتا۔ ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دلّی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔''

(اوراقِ گم گشتہ، از رحیم بخش شاہین، صفحہ:۴۷-۳۴۷) (بحوالہ: چراغِ راہ، ص:۹۲)

دینی مدارس کا فیضِ عام

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ دینی مدارس، ملتِ اسلامیہ کا دھڑکتا ہوا دل ہے۔ وہ دل جس کی دھڑکن زندگی کی علامت ہے اور جس کی خاموشی موت کی خاموشی بن جاتی ہے۔ دل اگر

پورے جسم میں خون پہنچاتا ہے اور اسے سرگرم اور زندہ رکھتا ہے تو یہ دینی مدارس امتِ مسلمہ کو داعی اور ترجمان فراہم کرتے ہیں، جن کی وجہ سے اُمت کا وجود متحرک، زندہ اور فعال رہتا ہے۔ تمام دینی جماعتوں اور اداروں کو یہیں سے کمک اور رسد پہنچتی ہے۔ خطیب ہوں یا واعظ، استاذ ہوں یا مصنف، مفتی ہوں یا قاضی، امام ہوں یا امیر یا کوئی مستند دینی خدمت گزار، سب اسی چمن کے گلہائے رنگارنگ ہوتے ہیں۔ دینی مدارس کی اہمیت اور ضرورت ہر دور میں رہی ہے، وہ خلفائے راشدین کا دَور ہو یا آج کا پُرفتن دَور۔ خصوصیت کے ساتھ ہندوستان میں اس کی ضرورت اور بڑھ جاتی ہے جہاں آئے دن اسلام اور اسلامی علوم وآثار کو مٹانے اور نیست و نابود کرنے کی تحریکیں فسطائی قوتوں کے ذریعے اُٹھتی اور اُبھرتی رہتی ہیں۔ یہ دینی مدارس ہی ہوتے ہیں جو زبردست دفاع اور نگہبانی کا کام کرتے ہیں۔ دینی مدارس کی برکت اور کوشش کا نتیجہ ہے کہ یہاں اسلام زندہ اور تابندہ ہے۔ اسپین وغیرہ ممالک پر صدیوں تک مسلمانوں کی حکمرانی رہی مگر جیسے ہی حکومت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلی وہاں سے مسلمانوں کا وجود غائب ہوگیا اور آج اندازہ لگانا مشکل ہے کہ وہاں کبھی مسلم کروفر کے ساتھ فرمانروائی کرتے رہے تھے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہاں دینی مدارس کا کوئی نظام نہ تھا مگر ہندوستان میں دینی مدارس کا جال پھیلا ہوا ہے جس کی وجہ سے ہم دین سے وابستہ ہیں۔ بلاشبہ دینی مدارس دین کے مضبوط قلعے ہیں، جن کی حفاظت ونگہداشت کی ذمہ داری اُمتِ مسلمہ پر عائد ہوتی ہے۔ (چراغِ راہ، ص:۹۳)

ہم اس کے دشمن ہیں جو اللہ کا دشمن ہے

۱۹۱۵ء کی گرفتاری کے پانچ سال بعد مولانا محمد علی وشوکت علی (برادران) رہا کیے گئے تھے۔ دہلی میں ان کا بے مثال شاہانہ جلوس نکالا گیا تھا۔ اس موقعہ پر ایڈریس کے جواب میں مولانا محمد علی جوہؔر نے جو تقریر کی تھی اس کا ایک اقتباس پیش کیا جارہا ہے۔ مولانا نے فرمایا تھا:

''مجھ کو اگر کسی سے ذاتی پرخاش ہو تو یہ حرام ہے۔ ہم بھولتے ہیں کہ ہم کو نظر بند کیا گیا، ہم فراموش کرتے ہیں کہ ہم کو قید کیا گیا، ہمارا بغض ومحبت اللہ کے لیے ہے (اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَ الْبُغْضُ لِلّٰہِ)۔ ہم دونوں بھائی تیار ہیں کہ گورنمنٹ کے ذلیل سے ذلیل ملازم کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیں، اس میں ہماری کچھ ذلت نہیں۔ مگر ہم تیار نہیں کہ اسلام کی عزت پر حرف آتا

دیکھیں۔ ہم اپنی سرح سراؤں کو چھوڑ سکتے ہیں مگر اللہ کے حرم کو غیروں کے قبضے میں دیکھنے کو تیار نہیں۔ اس پر ہماری اولاد، ہماری جان، ہمارا مال سب قربان ہے کیونکہ ۔

جان دی ، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ہم تیار ہیں کہ اپنی عورتوں کو بے عزت ہوتا دیکھیں لیکن شعارِ اسلام کی بے عزتی ایک لمحہ بھی گوارا نہیں کر سکتے۔ خیر مقدم محمد علی، شوکت علی کا کچھ نہیں۔ اللہ کا خیر مقدم کرو جو اپنے احکام بندوں کی زبان سے سنوار رہا ہے۔ یہ ہار وغیرہ سب بیکار ہیں کیونکہ اللہ دل کو دیکھتا ہے۔ اگر گورنمنٹ یا کسی دوسری قوم کی ضد سے یا دِکھانے کو ایسا کیا جاتا ہے تو وہ قبول نہیں ہے۔ ہم اس کے یار ہیں جو اللہ کا یار ہے۔ ہم اس کے دشمن ہیں جو اللہ کا دشمن ہے۔ ہم اللہ کے لیے، اللہ ہمیں اپنا بنالے بس اسی کی خواہش ہے اور یہی ہماری زندگی کی سب سے بڑی تمنا اور آرزو ہے۔"

مولانا محمد علی جوہرؔ مرحوم کی یہ تقریر نہیں بلکہ دراصل ایک مجاہد کی اذاں ہے جس میں یقین کی قوت ہے، ایمان کی طاقت ہے، بے باکی اور بے خوفی ہے۔ دوستی اور دشمنی کا اصل مدار اور معیار ہے۔ 'اللہ بس باقی ہوس' کا پیغام ہے تو کیا مجاہد کی یہ اذاں ہمیں خوابِ غفلت سے چونکا سکے گی؟ اور ہم اس اذاں کی روح اور اسپرٹ کو سمجھ سکیں گے؟ اور کیا انہی کی آواز میں دل کی پوری گہرائی کے ساتھ کہہ سکیں گے کہ ۔

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

علامہ اقبالؔ اور مذہبی عقیدہ

میرا عقیدہ یہ ہے اور یہ عقیدہ محض خاندانی تربیت اور ماحول کے اثرات کا نتیجہ نہیں، بلکہ بیس سال کے نہایت آزادانہ غور و فکر کا نتیجہ ہے کہ اس وقت اقوام انسان کے لیے سب سے بڑی نعمت اسلام ہے، جو شخص مسلمان کہلاتا ہے اس کا فرض ہے کہ قومی تعصب کی وجہ سے نہیں بلکہ خالصتاً للہ اسلام کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرے تاکہ نوعِ انسانی قدیم توہمات سے نجات پائے۔

مسلمانوں کو تو سیاست سے پہلے اشاعتِ اسلام کا کام ضروری ہے تاہم دونوں کام ساتھ ساتھ بھی ہو سکتے ہیں۔ (اقوال سلف، ج:۴، ص:۳۷۸)

آخری قطعہ وترجمان زندگی

وفات سے دس منٹ پہلے قطعہ کہا جو شوق وحسرت کا بیان اور ان کی زندگی کا ترجمان ہے۔

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگار ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

اور پھر اپنا لافانی شعر کہا۔

نشانِ مرد مومن باتو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

(اقوال سلف، ج:۴، ص:۳۸۱)

چند اشعارِ حکیمانہ

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دنیا چھاؤں ہے، آتا ہے دھن جاتا ہے دھن
پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من

اقبالؔ کے نزدیک آہِ سحر گاہی زندگی کا بہت ہی عزیز سرمایہ ہے۔ بڑے سے بڑے عالم و زاہد اور حکیم و مفکر اس سے مستغنی نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو،
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

(نقوش اقبالؔ، ص:٦٦)

کبھی حیرت کبھی مستی، کبھی آہِ سحرگاہی
بدلتا ہے ہزاروں رنگ میرا دردِ مہجوری
حد ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دوری

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی
آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری
رہا صوفی گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ
نہیں ممکن امیری بے فقیری

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر
شریک زمرۂ لا یحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا ہوں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

دل بیدار فاروقی ، دل بیدار کرّاری
مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری
دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری، نہ میری ضرب ہے کاری

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو
سکوتِ لالہ و گُل سے کلام پیدا کر
محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج ، دل پریشاں ، سجدہ بے ذوق
کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

نہیں ہے ناامید اقبالؔ اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو میں
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں
گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

دعائیہ اشعار

یوں تو آپ کے اشعار عارفانہ و مصلحانہ بہت ہیں، کہاں تک نقل کیے جائیں، ہاں! مگر آپ کے دعائیہ اشعار نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، وہ یہ ہیں۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذرہائے من پذیر
گر تو می بینی حسابم ناگزیر
از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر

اس کے متعلق حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بانی تبلیغ نے فرمایا: اقبالؔ کے ظاہری اعمال اگرچہ متقی لوگوں کے سے نہیں تھے مگر وفات سے کچھ دن پہلے انھوں نے یہ رباعی کہی تھی، تو یہ رباعی خصوصاً اس کا آخری مصرعہ بارگاہِ حق تعالیٰ میں ایسا مقبول ہوا کہ اقبالؔ اچانک کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔ (بہ خلد بریں ارمانوں کی۔ مولفہ مولانا افتخار فریدی مرادآبادی)

(اقوالِ سلف، ج:۴، ص:۳۸۳)

علامہ اقبالؔ کو والد صوفی نور محمد کی وصیت

بیٹا! کبھی فرصت ملی تو میں تم کو ایک بات بتا دوں گا۔ پھر ایک مدت کے بعد حسبِ دستور میں صبح کو قرآن کریم تلاوت کر رہا تھا تو میرے پاس آئے اور فرمایا: بیٹا! کہنا یہ تھا کی جب تم قرآن مجید پڑھو تو یہ سمجھو کہ یہ قرآن تمہارے لیے ہی اُترا ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کلام ہے۔

شاعرِ اسلام نے اپنے ایک شعر میں بھی اس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ کشاف

(اقبالؔ کامل، ص:۴، اقوال سلف، ج:۴، ص:۳۷۶)

حضرت مولانا حکیم سیّد فخر الدین جعفری الٰہ آبادیؒ

(وفات: ۶ رجب ۱۳۷۶ھ جمعہ مطابق ۱۷؍فروری ۱۹۵۷ء، مدفن: الٰہ آباد)

ارشادات: دین پر قائم رہو، تفریق نہ پیدا کرو۔ علمائے حق کے اختلاف کو موجبِ رحمت سمجھو، ہر کام میں اللہ پر بھروسہ رکھو۔ زنا سے بچو اس لیے کہ اس کی وجہ سے اعمال حبط ہو جاتے ہیں، اچھے لوگوں کے پاس اُٹھو بیٹھو۔ بُرے لوگوں کی صحبت سے بچو، سلام کی عادت ڈالو۔ اپنے بھائیوں کی ضرورت پر نظر رکھو۔ یہ مومن کی شان ہے۔ پڑوسیوں کے حقوق پر نگاہ رکھو۔ لوگوں کو بھلائی کی طرف نصیحت کرنے میں دریغ نہ کرو، تواضع کو لازم کرو۔ تفاخر بالانساب شانِ جاہلیت ہے، اس سے بچو۔ صبح و شام اپنے اعمال کا خیال رکھو۔ چار چیزیں بڑے فتنہ کی ہیں: عورت، مال، اولاد، جاہ۔ اس لیے ان سے بچنا چاہیے۔ قرآن شریف کی تلاوت لازم سمجھو اور اس کے معنی پر غور کیا کرو۔

درود شریف اور کلمہ شریف کا ورد رکھو، اللہ کے سوا کسی سے خوف نہ کرو۔ سچ بولو، جھوٹ سے بچو۔ بیوی سے اچھا برتاؤ کرو، اس کی بھول چوک کو معاف کرو، فروع کے اختلاف سے ایک دوسرے کو بُرا نہ کہو، شرع کی پابندی کے بغیر کوئی شخص نہ تو اللہ تک پہنچ سکتا ہے اور نہ مرتبہ ولایت حاصل کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شریعت کا پابند نہ ہو تو کیسے ہی اس سے خوارقِ عادات ظاہر ہوں وہ ولی نہیں زندیق ہے۔ اللہ تعالیٰ تک رسائی بغیر اتباعِ رسولؐ کے محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت رسولؐ کی اتباع سے ہوتی ہے۔ حلال روزی حاصل کرو اس سے نورانیت حاصل ہوتی ہے۔ مشتبہات سے بچو، اس سے دل میں کثافت پیدا ہوتی ہے۔ فرائض پورا کرنے کے بعد نوافل کی کثرت سے اللہ تعالیٰ کی قربت ڈھونڈو۔ (اقوال سلف، ج:۴، ص:۶۷۵)

حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوریؒ

(ولادت: ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء وفات: بروز جمعرات ۱۶؍اگست ۱۹۶۲ء ۱۳۸۲ھ)

۱۔ اللہ کی محبت اور ہر وقت اس کا اور اس کی رضا کا دھیان و فکر رکھنا اور اس کی طرف سے کسی وقت غافل نہ ہونا، یہ کیفیتیں دین میں مطلوب ہیں۔

۲۔ ذکرِ لسانی صرف ایک ذریعہ ہے مقصود نہیں ہے۔ مقصودِ محض یاد ہے۔ ترقی عبادات ہی سے ہوتی ہے یعنی قرآن پاک کا پڑھنا۔ ذکرِ الٰہی کرنا، خاموش بیٹھنے اور محض تدبر سے نہیں۔

۳۔ تصوف ایک عشق ہے، ایک طریقہ ہے جو الہامِ الٰہی سے اولیاء اللہ پر اپنے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق منکشف ہوتا ہے۔ اس طریق پر چلنے سے انسان کو یقین نصیب ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی دائمی یاد نصیب ہو جاتی ہے۔ اصل مقصد یہی یاد ہے۔ یہی تعلق مع اللہ ہے۔ جس کو آپ نسبت کہہ دیں۔ اصل چیز تعلق مع اللہ کا دوام ہے۔ اس کے بعد اتباعِ شریعت ازخود آجاتی ہے، شریعت پر چلنے میں آسانی ہوجاتی ہے۔ تعلق مع اللہ کے بعد یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔

۴۔ اگر قوت ہو تو ذکر بالجہر کرنا چاہیے۔ اثر جلدی ہوتا ہے۔ لیکن اگر طبیعت کمزور ہو تو ہرگز زیادہ جہر سے نہیں کرنا چاہیے ورنہ طبیعت مختل ہو جائے گی اور دماغ خراب ہو جائے گا۔

(سوانح حضرت مولانا عبدالقادر، ص: ۳۲۶-۳۳۱)

۵۔ ذکر و شغل، محبتِ مشائخ اور مجاہدات و ریاضات کا بڑا مقصد اور ثمرہ اخلاق کی اصلاح، صفاتِ رذیلہ کا ازالہ اور صحیح معنی میں تزکیۂ نفس ہے۔ محض ذکر و اذکار کافی نہیں، اخلاق کی اصلاح ضروری ہے۔ اصلاح کے لیے فقط ذکر کافی نہیں ہے۔ اخلاق کی درستگی کرنی چاہیے اور مشائخ سے اخلاقِ ذمیمہ کا علاج کرانا چاہیے۔ جب تک شیخ سے علاج نہیں ہوتا یہ مرض نہیں جاتا۔

۶۔ ان لطائف کے جاری ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ قلب حرکت کرے یا انوار نظر آئیں۔ بلکہ جاری ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان کے علوم منکشف ہو جائیں۔ مثلاً قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف خیال رہے، دل سے دنیا اور ہر چیز کی قیمت نکل جائے۔ اسی طرح لطیفہ نفس جاری ہونے کے معنی یہ ہیں کہ رذائل و صفاتِ رذیلہ نکل جائیں اور صفاتِ حمیدہ پیدا ہو جائیں اور انکساری و عاجزی پیدا ہو جائے، اپنے آپ کو سب سے حقیر سمجھے، جب یہ حالت ہو تو سمجھے کہ کچھ چل پڑا ہے۔

۷۔ پہلے انفرادی طور پر اپنی اصلاح کرنی چاہیے اور اپنی ہی فکر کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کو اگر اس سے کوئی کام لینا ہوگا تو خود ہی اس کو اس کی طرف متوجہ کر دیں گے۔ دیکھو سرورِ کائنات

ﷺ ازکیٰ نفس ہیں مگر آپؐ کو بھی جب تک مامور من اللہ نہیں کیا گیا آپؐ غارِ حرا میں تشریف لے جاکر انفرادی طور پر اللہ کی عبادت ہی کرتے تھے۔ مگر کسی سے تعرض نہیں کیا اور غاروں میں اکیلے جاکر اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگے رہتے تھے۔

لیکن جب فرشتہ نازل ہوا اور فرمایا۔ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ ۔ پہنچایئے جو آپؐ پر نازل کیا گیا ہے تو غارِ حرا چھوڑ کر کمر باندھ کر کھڑے ہوگئے اور اس فرض کو ادا کیا۔

۸۔ ذکر کی ترقی اور ذکر کی استقامت کا ذکر ہو رہا تھا۔ پوچھا گیا کہ آخر ذکر کی کوئی انتہا بھی ہے؟ فرمایا کہ ذکر یہاں تک کرے کہ روح ذاکر ہو جائے۔ پوچھا گیا روح کے ذاکر ہونے کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا کہ دھیان ہر وقت اسی کی طرف لگا رہے خواہ دنیا کے کام کر رہا ہو، جیسا کہ کسی کو سر کا درد ہو، کام بھی کرتا ہے مگر دھیان درد کی طرف رہتا ہے۔ پوچھا گیا استقامت کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا کہ اس قدر پختگی حاصل ہو جائے کہ جب تک ذکر پورا نہ کرے سکون نہ ہو، بے چینی بے قراری سے رہے اور ذکر پورا کر لے تو سکون و اطمینان حاصل ہو جائے۔ طبیعت میں فرحت و سرور ہو۔ (اقوال سلف، ج:۵، ص:۱۶۲)

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی اپنی صاحبزادی کو نصیحت

یہ نصیحت نامہ حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے اپنی صاحبزادی صاحبہ (والدہ محترمہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ) کو ان کی شادی کے موقع پر تحریر کرکے عنایت فرمایا:

اوّل:- یہ کہ دنیا ناپائیدار ہے نہ یہاں کی خوشی باقی رہتی ہے نہ رنج وغم باقی رہتا ہے، یہاں سب مسافر ہیں۔ اپنے اپنے وقت پر سب کوچ کرنے والے ہیں۔ یہاں کی سب چیزیں کھانا، کپڑا، زیور یا مکان، بھائی، باپ، دولت یا آشنا یہیں چھوٹ جاتے ہیں، ان میں سے کوئی ساتھ نہیں جاتا۔ قبر کے گڑھے میں جو اندھیری اور تنہائی کا گھر ہے، اکیلے کو ڈال کر چلے آتے ہیں۔ جسم کو کیڑے کھا لیتے ہیں۔ پیٹ پھوٹ کر ایسی بدبو پھیلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے۔ فقط ایمان اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کام، وہاں کام آتے ہیں۔ جس کا ایمان خراب ہو گیا وہ برباد و تباہ ہو گیا، اس کا کہیں ٹھکانا نہیں۔

سو ایمان کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ جن چیزوں سے ایمان جاتا رہتا ہے وہ دو ہیں:

ایک شرک، دوسرا کفر۔ شرک کا تو کتاب نصیحۃ المسلمین اور تقویۃ الایمان میں اچھی طرح سے بیان ہے، اور کفر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ کے حکم کا انکار کرنا یا اس میں شک کرنا، سنت اور دین کی بات کو حقیر یا ذلیل جاننا اور عیب لگانا اور اگر کوئی دین کی بات پر طعن کرتا ہو، اس کی ہاں میں ہاں ملانا۔ ان سب باتوں سے آدمی کافر بن جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا دشمن ہو جاتا ہے اور بدعت سے ایمان خراب ہو جاتا ہے۔ اس کا بیان بھی ان دونوں کتابوں میں اچھی طرح سے ہے۔

دوسرے :- یہ کہ نماز کی بہت حفاظت کرنی چاہیے، اوّل وقت پر ادا کرنی چاہیے، کسی کام یا شرم دنیا کی وجہ سے نماز ضائع نہ کرنی چاہیے، جو کوئی نماز کو جان کر ترک کرتا ہے وہ کافر بننے کے نزدیک ہو جاتا ہے۔

تیسرے :- یہ کہ جس روز سے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو زیور دیا ہے اس روز سے جب برس پورا ہوگا تو چالیسواں حصہ اس میں سے زکوٰۃ دینا تجھ پر فرض ہوگا اور قربانی کرنا اور عید کے روز صدقہ وغیرہ دینا واجب ہے۔ جو زکوٰۃ نہیں دیتا، اس کے مال کے پترے بنا کر دوزخ میں گرم کر کے اس کی پیشانی اور پسلیوں پر داغ دیا جائے گا۔

چوتھے :- یہ کہ خاوند کی تابعداری اور خوش رکھنا اور حکم ماننا ان باتوں میں جن میں اللہ و رسولؐ کی ناراضگی ہو بچتے رہنا۔ دل اور ظاہر میں خیر خواہی کرنا، کسی امر میں ناراض نہ ہونا۔ اگر قصور ہو جائے تو معاف کرانا اور جہاں تک ہو سکے دین کی رغبت دلانا اور ادب کے ساتھ نرمی سے نصیحت کرنا ضروری ہے۔

پانچویں :- یہ کہ پانی پت والی (پانی پت والی سے مراد حضرت راؤ تصدق حسین خان صاحب گمتھلوی کی پہلی زوجۂ محترمہ ہیں) اور اس کی اولاد کے ساتھ ایسی تابعداری اور محبت کا برتاؤ کرنا کہ ان کے دل میں محبت اور راحت ہو، نہ یہ کہ ایسی بات کرے جس سے ان کو رنج پہنچے، اگر تجھ سے نفرت وعداوت ہو، جہاں تک ہو سکے اپنے آپ کو ان کی خدمت کرنے والی اور تابعدار سمجھنا اور ان کی خیر خواہی کرنا، ہر بات میں ان کا ادب کرنا۔

چھٹے :- یہ کہ اپنے کنبے والوں اور نزدیکیوں اور قریبیوں سے بہت محبت اور ادب سے برتاؤ

کرنا کہ ان کے دل میں تیری محبت اور زبان پر تیری تعریف ہو اور اپنے آپ کو سب سے کم جاننا۔

ساتویں:- یہ کہ ہر ایک آدمی سے نرم زبانی سے بولنا، خاکساری سے رہنا، ہر ایک کی خاطر اور تواضع کرنا، کسی کو سخت بات نہ کہنا، جو تجھ سے کوئی سخت بات کہے اس کو ویسا جواب نہ دینا، اپنے قصور کو قصور سمجھنا، دوسروں کے عیب نہ دیکھنا، کسی کی بات کسی سے نہ کہنا، کسی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا، تکبر اور غرور نہ کرنا کیونکہ تکبر کرنے والا اللہ پاک کا دشمن ہوتا ہے اور کتاب تنبیہ الغافلین اور اکسیر ہدایت مطالعہ میں رکھنا۔ جو کچھ ان میں لکھا ہے اس پر عمل کرنا۔ قرآن شریف کی تلاوت ہمیشہ کرنا اور جو جو سورتیں جس جس وقت پڑھنی بتلائی ہیں ان کو ہرگز نہ چھوڑنا۔

جو کوئی مانگنے والا حاجت مند کچھ سوال کرے، اپنے مقدور بھر ان کے ساتھ سلوک کرنا، مہمان کی خاطر داری اور تواضع کرنا اور اپنی مشکل اور حاجت میں اپنے رب ہی سے دعا اور عاجزی کرنا، کسی مخلوق سے اُمید نہ رکھنا۔

اب اللہ پاک تجھ کو اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے سے ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادیں۔ توفیق اسی کے اختیار میں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

وصیت نامہ حضرت رائپوریؒ

تمہید وصیت نامہ بقلم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

از حضرت اقدس مرجع العالم قدوۃ العارفین زبدۃ الصالحین بدر الشریعہ شمس الطریقہ واقف اسرارِ الٰہیہ کاشفِ رموزِ نبویہ مخزن الاخلاق الحمیدہ منبع الاوصاف الجمیلہ مولانا الحافظ الحاج عبدالرحیم صاحب رائپوری قدس اللہ سرہ العزیز۔

بسم الله الرحمن الرحيم، نحمده و نصلي على رسوله الكريم۔

حق تعالیٰ شانہ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام کو، ہر زمانہ میں یکے بعد دیگرے مبعوث فرمایا اور خاتم الانبیا فخر رسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد، چونکہ نبوت کا سلسلہ ختم تھا تو نائبین و وارثین انبیاء علیہم السلام یعنی اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو خلقت کے لیے نمونہ بنایا کہ اپنے افعالِ ظاہریہ سے رشد و ہدایت کا کام کریں، اور اپنی انفاسِ باطنیہ سے عالم کو منوّر فرمائیں۔ ایسے ہی پاک نفوس کی بدولت دنیا کا قیام ہے اور ایسی ہی متبرک ہستیوں سے دین

کی حفاظت ہے۔

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہی کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انہی کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہی کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزا آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی

درحقیقت ان رہبرانِ اُمت کا سونا، ہم سے نااہلوں کی عبادت سے بھی قیمتی ہے۔ انہی قدسی نفوس میں سے ایک کامل فرد حضرت رائپوریؒ تھے جن کو حق تعالیٰ شانہ نے زہد، اتقاء، رضا، تسلیم، صبر وشکر، دلداری، غمگساری، خدارسی، خداترسی، قناعت، توکل کا مجسمہ بنایا تھا۔ ابھی تک وہ آنکھیں بکثرت موجود ہیں، جن کو اس مطلعِ انوار چہرہ کی زیارت کا فخر حاصل ہے، اور بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں، کہ چہرہ سے انوار کی بارش ہوتی تھی۔ حضرت کی نہایت مختصر سوانح تذکرۃ الخلیل کا جزو بن کر ملک میں شائع ہوچکی ہے، مخلوق کی دلداری اور دلجوئی کا جو منظر رائپور میں دیکھا، اس کی نظیر شاید ہی ملے۔ اور اس کے ساتھ ہی یکسوئی اور عزلت نشینی اپنی آپ ہی نظیر تھی، کسی نے بلا مبالغہ کہا تھا۔

تواضع اور مروّت گر کوئی شخص مجسم ہو
تو وہ سر تا قدم عبد الرحیم باصفا ہوگا

جس باغ میں حضرت کا قیام تھا اس کا پتہ پتہ اور ہر ایک در و دیوار کا ذرّہ ذرّہ اب بھی حضرت کی یاد کو تازہ کردیتا ہے اور وہی نظارہ سامنے پیش کردیتا ہے جس کی وجہ سے گلشنِ رحیمی کے گُل چینوں کو اب بھی بار بار حاضری کی نوبت آتی ہے۔ نیز حضرتؒ کے خلیفۂ خاص حضرت مولانا عبد القادر صاحب زاد مجدھم اور حضرت کے ہمشیرزادہ مولانا محمد اشفاق صاحب دام فضلھم

کے الطاف بھی خدا کی کشش کا سببِ خصوصی ہیں۔ اسی وجہ سے اس بدنام کنندہ اکابر کو بھی بسا اوقات شرفِ حاضری نصیب ہوتا ہے۔ حضرتؒ کے کتب خانہ میں بہت سی چیزوں کے متعلق بار ہا اشاعت کی اُمنگ پیدا ہوئی، مگر دینی کساد بازاری اور اسباب کی عدم مساعدت سے ہمیشہ اُمنگ ہی پیدا ہو کر رہ گئی۔ اس مرتبہ کی حاضری میں حضرتؒ کی ایک نہایت مختصر تحریر وصیت نامہ کے طور پر نظر سے گزری جس کو دیکھ کر بے اختیار دل چاہا کہ قدر دانوں تک اس کو پہنچاؤں کہ اس تحریر کی لڑی میں جن موتیوں کو پرویا ہے، ان میں کا ہر موتی درِ یکتا ہے، حق یہ ہے کہ علوم کے دریا کو کوزے میں بند فرما دیا۔ مختصر تحریر، سادہ الفاظ مگر ہر ہر لفظ سے تواضع، انکسار اور دنیا سے بے تعلقی ٹپکتی ہے۔ اوّل تو تمام تحریر ایسی ہی ہے لیکن مخصوص الفاظ پر بندہ نے خطوط بھی کھینچ دیے ہیں اور کہیں حاشیہ کے طور پر کچھ اضافہ بھی توضیح کے لیے کر دیا ہے اور حضرت کے کلام کو ممتاز رکھنے کے خیال سے حواشی کو علیحدہ کر دیا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف سے اس نااہل کو بھی اس وصیت نامہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ ناظرین سے دعا کا بھی اُمیدوار ہوں۔

مگر صاحب دلے روزے برحمت
کند در حق ایں مسکیں دعائے

وصیت نامہ

الحمد للہ ربّ العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی سیّد المرسلین و سائر النّبیین وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین امابعد۔ یہ حقیر سراپا تقصیر عبدالرحیم عفی عنہ چند کلمہ بطور وصیت کے لکھتا ہے۔

احقر نے بتوفیق[1] حق سبحانہ تعالیٰ اس کتب خانہ میں جو موقعہ باغ رائے پور میں واقع ہے دو مد کی کتابیں جمع کی ہیں۔

ایک وہ جو بندے کی ملک[2] مجازی ہیں۔ بندے نے ان کتابوں کو اسی غرض سے جمع کیا تھا کہ وقف رہیں جو ان کا اہل ہو ان سے نفع اُٹھاوے، یہ نیت شروع ہی سے تھی کہ یہ احقر کا ترکہ نہ سمجھا جائے جس میں وراثت جاری ہو، اب صاف طور پر تصریح کرتا ہوں کہ یہ وقف ہیں اور بطور متولی ان کی حفاظت ونگرانی کرتا ہوں۔

دوسرا مدرسہ کی کتابوں کا ہے جو خریدی گئیں یا کسی نے مدرسہ میں دیں جن میں بڑا ذخیرہ

قرآن شریف[۳] کا بھی ہے، ان کا بھی متولی ومحافظ عالم[۴] اسباب میں احقر ہی رہا۔ اول مد کی فہرست جدا ہے۔ جس پر نمبر ایک لکھا ہوا ہے اور دوسرے مد کی جدا جس پر نمبر دو لکھا ہوا ہے، نمبر ایک کی کتابوں میں فقط ایک قرآن شریف قلمی جو سنہری تحریروں میں ایک کاغذ طویل پر لکھا ہوا ہے اور ایک حمائل شریف بہت چھوٹی قلمی سنہری یہ دونوں ایک ہی جگہ ایک کپڑے کے ڈبّے میں رکھی ہوئی ہیں۔ یہ بطور امانت کے ہیں۔ محض بغرض حفاظت اس کتب خانہ میں رکھی ہیں، ان کی کیفیت فہرست نمبر ایک میں درج ہے۔ ان کے سوا سب وقف ہیں۔

اب احقر ان دونوں کی کتابوں کا متولی اپنے بعد اپنے ہمشیرزادہ حافظ ومولوی محمد اشفاق سلّمہٗ کو قرار دیتا ہے۔ حق تعالیٰ ان کی عمر اور علم وعمل میں برکت عطا فرمائیں۔ یہ خود بھی اس کتب خانہ سے نفع اُٹھائیں اور دوسروں کو بھی ان کتابوں سے نفع اُٹھانے سے نہ روکیں۔ البتہ اس کا خیال ضرور رکھیں کہ کوئی کتاب ضائع نہ ہو۔ ان کو بھی وصیت کرتا ہوں اور حق تعالیٰ سے توفیق کا خواہاں ہوں کہ یہ اپنا شعار اخلاص وتقویٰ وخشیت اختیار کریں۔

نیز ان دونوں نصیحتوں پر ضرور پابند ہوں۔

ایک یہ کہ اس شعر کا مضمون ملحوظ رکھیں ؎

آسائش[۵] دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
بادوستاں تلطّف بادشمناں مدار

جو کشاکش بوجہ نفسانیت ودخل شیطانی باہم پیش آتی ہیں ان سے یکسو رہنا اور ”اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ“ پر عمل کرنا اپنے لیے موجبِ راحت ہے اور دوسروں کے لیے موجبِ ہدایت ہوتا ہے ورنہ یہ علم کچھ ثمر نہیں لاتا۔

دوسرے یہ کہ یہ ضرور ملحوظ رکھیں کہ حضرت سعدی علیہ الرحمہ کا یہ فرمان اکسیر ہے اور آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ ؎

مرا[۶] پیر دانائے مرشد شہاب
دو اندرز فرمود بر روئے آب

یکے آنکہ بر خویش خودبیں مباش
دگر آنکہ بر غیر بدبیں مباش

واقعہ میں یہی منشاء قرآن پاک[۷] اور حدیث پاک کا ہے۔ اگر بتوفیقِ الٰہی اس پر عمل نصیب ہو تو بس پھر سب کچھ نعمت حاصل ہے۔ بس بندے کے پاس یہی ذخیرہ کتابوں کا تھا جس کا متولی عزیز مذکور کو قرار دے دیا۔ باقی احقر فارغ ہے، کوئی[۸] سرمایہ ایسا نہیں کہ جس میں کسی کو لب کشائی کا موقعہ ہو۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين و الصلوة و السلام الاكملان الاتمان على سيّد المرسلين و سائر النبيين و آله و اصحابه اجمعين۔

یہ وصیت نامہ حضرت مولانا عبد الرحیم شاہ صاحب سلّمہٗ نے احقر کے قلم سے لکھوایا۔

خاکسار (مولوی) نور محمد لدھیانوی نور پوری حال مقیم رائپور۔

حضرت مدظلہ العالی نے میرے سامنے یہ مضمون فرمایا اور لکھوایا۔

۱۔ (مولانا) محمد یحییٰ عفی عنہ (کاندھلوی قائم مقام مدرّس اوّل مظاہر علوم سہارنپور)

۲۔ (راؤ) عبد العزیز خان بقلم خود (رئیس رائے پور)

حواشی از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

[۱] دنیا میں ہر کارِ خیر اللہ ہی کی توفیق سے ہوتا ہے۔ توفیقِ الٰہی جس شخص کے شامل ہے اس کے علوِ شان کا پوچھنا ہی کیا!

نیند اس کی ہے دماغ اس کا ہے، راتیں اس کی
جس کے بازو پر تیری زلفیں پریشاں ہوگئیں
چشمۂ فیض سے گر ایک اشارہ ہوجائے
لطف ہو آپ کا اور کام ہمارا ہوجائے

[۲] در حقیقت مالک ہر شے خدا است
ایں امانت چند روزہ نزدِ ما است

اگر آدمی دنیا کی کسی چیز کو بھی ملک نہ سمجھے تو نہ کسی چیز کے حصول سے خوشی ہو، نہ جانے سے رنج ہو۔

۳۔ حضرتؒ کو کلام پاک سے بہت ہی شغف اور عشق تھا، اسی وجہ سے مکاتبِ قرآنیہ کے اجراء کا بہت ہی اہتمام رہتا تھا۔

۴۔ ورنہ حقیقی محافظ ہر شے کا اللہ پاک ہی ہے اور اسی کی حفاظت سے حفاظت ہوسکتی ہے۔

۵۔ دو جہاں کی راحتیں ان دو حرفوں میں مضمر ہیں کہ دوستوں کے ساتھ لطف و مہربانی کا معاملہ کرے اور دشمنوں کے ساتھ خاطر مدارات کا۔ ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ الآیۃ۔ (سورۂ آل عمران، آیت: ۱۵۹)

۶۔ مجھ کو میرے پیر و مرشد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے کشتی میں بیٹھے ہوئے دو نصیحتیں فرمائی ہیں؛ ایک یہ کہ اپنے اوپر متکبر اور مغرور اور خودبیں نہ ہو، دوسرے یہ کہ دوسرے پر بدگمان اور عیب جو نہ ہو۔

۷۔ چنانچہ قرآن پاک میں اور احادیث میں خودبینی اور عیب جوئی کی ممانعت بکثرت وارد ہے۔ تمام برائیوں کی جڑ یعنی شیطان انہی دو عیوب کی بدولت راندۂ درگاہ ہوا کہ خودبینی کی وجہ سے حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ سے انکار کیا اور ان کے مٹی سے پیدا ہونے کی وجہ سے ان کو معیوب سمجھا۔ ﴿خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ قرآن پاک میں بکثرت اس کا قصہ مذکور ہے اور بھی بہت سی آیات و احادیث ان دونوں چیزوں کے بارے میں مختلف عنوانات سے وارد ہوئی ہیں اور حضرات صوفیاء کرام کی تصانیف تو اس سے پُر ہیں جن کی تفصیل کی یہ تحریر تحمل نہیں کرسکتی۔ حق تعالیٰ اپنے لطف سے مجھے بھی ان دونوں سے نجات نصیب فرمادیں اور تمھیں بھی۔

۸۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول باوجود کثرتِ فتوحات اور ہدایا کے یہ تھا کہ جو کچھ جمع ہوتا تھا وہ طلبہ اور خدام پر تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ چنانچہ وصال سے چند روز قبل اپنے بدن کے کپڑے بھی حضرت مولانا عبد القادر صاحبؒ کو دے دیے تھے کہ اب میں تمھارے سے مستعار لے کر پہنوں گا۔ حضرت کو اس کا شوق تھا کہ آخری وقت میں کوئی چیز ملک میں نہ ہو۔ اور جیسا بے تعلق دنیا میں آیا تھا ویسا ہی اس دنیا سے جاؤں۔

امام اہلسنّت والجماعت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ

(ولادت: ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ مطابق دسمبر ۱۸۷۶ء)

۱۔ دینِ الٰہی کا پہلا سبق: ایمان کے بعد نماز ہے۔

﴿قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا یُقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَ یُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خِلَالٌ﴾ (سورۂ ابراہیم)

ترجمہ: اے نبی! میرے ان بندوں کے جو ایمان لاچکے ہیں کہہ دیجیے کہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے ان میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کریں۔ قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی نہ دوستیاں ہوں گی یعنی قیامت کے دن۔

۲۔ نمازیوں سے مالکِ عرش کے وعدے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی، وَ ذَکَرِ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی﴾ (سورۂ اعلیٰ)

بہ تحقیق فلاح پا گیا وہ شخص جس نے پاکی حاصل کی اور اپنے رب کا نام لیا پھر نماز پڑھی۔ (فلاح کا لفظ ہر قسم کی نعمت کو شامل ہے)

﴿وَ قَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَ آتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَ آمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ﴾ الخ (سورۂ مائدہ)

اور اللہ نے فرمایا کہ بہ تحقیق میں تمھارے ساتھ ہوں بشرط یہ کہ تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ (یہ دولت صرف تین چیزوں کے عوض میں مل رہی ہے: ایمان، نماز، زکوٰۃ۔ اللہ تعالیٰ کی معیت عظیم دولت ہے۔ جس کا وعدہ آیت میں ہے۔)

۳۔ نماز نہ قائم کرنا مشرکوں اور کافروں کا کام ہے۔ ﴿وَ اَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃ وَ لَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ﴾ (سورۂ روم: ۳۱)۔ نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے مت بنو۔

﴿وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمُ ارْکَعُوْا لَا یَرْکَعُوْنَ، وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ﴾

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو یعنی نماز پڑھو تو نہیں پڑھتے، خرابی ہے قیامت کے دن جھٹلانے والوں کے لیے۔ (سورۂ المرسلت، آیت: ۴۹/۴۸)

۴۔ بے نمازیوں سے دوستی رکھنا اوران کو دینی بھائی سمجھنا جائز نہیں۔ ﴿اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ، اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَ ھُمْ رٰکِعُوْنَ﴾ (سورۂ مائدہ، آیت:۵۵)

ترجمہ: تمہارے دوست تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ایماندار لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں۔

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوْا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ﴾

ترجمہ: پس اگر وہ لوگ کفر وشرک سے توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمھارے بھائی ہیں۔ (سورۂ توبہ، آیت:۱۱)

۵۔ اپنے متعلقین، بیوی بچوں کو نماز کی تاکید کرنا ہر شخص پر فرض ہے۔

﴿وَ اْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَ اصْطَبِرْ عَلَیْھَا﴾ (سورۂ طٰہٰ، آیت:۱۳۲)

اے نبی! اپنے اہل کو نماز کا حکم دیجیے اور خود بھی نماز کی پابندی میں جو مصیبت آئے اس پر صبر کیجیے۔

﴿یَا بُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ اصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَکَ اِنَّ ذَالِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ (سورۂ لقمان، آیت:۱۷)

ترجمہ: اے میرے بیٹے! نماز قائم کرو اور لوگوں کو اچھی بات کا حکم دو اور بری بات سے منع کرو۔ اور جو مصیبت تمھیں پہنچے اس پر صبر کرو بہ تحقیق یہ ہمت کے کام ہیں۔

۶۔ نماز کو اچھی پڑھنے کی کوشش کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا چاہیے کہ ہم کو نماز کی توفیق دے۔

﴿رَبِّ اجْعَلْنِی مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ﴾ (سورۂ ابراہیم، آیت:۴۰)

اے میرے پروردگار! مجھ کو نماز قائم کرنے والا بنادے اور میری اولاد میں سے بھی۔

(نماز اچھی پڑھو اور اچھی نماز پڑھنے کی توفیق ہم سے مانگتے رہو۔) (اقوالِ سلف، ج:۵، ص:۱۶۹)

حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالیؒ

(ولادت: ۲۱رشوال ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۶رجولائی ۱۸۸۵ء۔ وفات: ۱۳رربیع الاول ۱۳۹۰ھ
مطابق ۲۰رمئی ۱۹۷۰ء، مدفن: بھوپال)

۱۔ لوگوں نے مشائخ کے اتباع میں بہت غلو کر رکھا ہے۔ ان کی نقل وتقلید کو مقصود اور ان کی اطاعت کو اطاعتِ مطلق سمجھتے ہیں حالانکہ اصل اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور ان کا اتباع ہے، مشائخ، اس کا ذریعہ ہیں۔ (مطاعِ مطلق صرف اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ ہیں۔)

۲۔ پہلی ضرورت اخلاق و معاملات کو درست کرنے اور نفس کی اصلاح اور اس کو مغلوب کرنے کی ہے۔ جب تک نفس کا تسلط دور نہ ہوگا نہ اطاعت کا جذبہ پیدا ہوگا نہ ایثار و قربانی کا مادّہ۔ جب ہم اپنے نفس پر اللہ کی حکومت اور اس کے حدود جاری نہیں کر سکتے تو دوسرں پر کیا جاری کر سکیں گے۔

۳۔ لوگ شجرہ مانگتے ہیں۔ ہمارا شجرہ تو یہ ہے کہ عقائد کو ٹھیک کیجیے اور اعمال و اخلاق کی اصلاح کیجیے۔

۴۔ شادیوں میں سب بلائے جاتے ہیں صرف اللہ و رسول کو رخصت کر دیا جاتا ہے۔ صرف شادی کے اوقات میں وہ باہر رہتے ہیں پھر ان سے راہ و رسم پیدا کر لی جاتی ہے۔(یعنی شادی کے بعد جب رسوم و بدعات کی نحوست گھیر لیتی ہے، میاں بیوی میں اختلاف ہوتا ہے پھر دعاء اور اللہ تعالیٰ سے التجاء شروع ہو جاتی ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ صرف مصیبت دور کرنے کو ہمارے رب ہیں۔ العیاذ باللہ واستغفر اللہ واتوب الیہ)

۵۔ بے پردگی برابر بڑھتی نظر آتی ہے۔ اور جس قوم میں بے پردگی عام ہوئی اور بے حیائی بڑھی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تیزی کے ساتھ زوال آیا اور بالآخر وہ تباہ ہوگئی۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے عمل اور بے عنوانیوں سے غضبِ الٰہی اتنا حرکت میں نہیں آتا جتنا مسلمانوں کی نافرمانیوں اور بے عنوانیوں سے۔ اس لیے کہ کفار کے متعلق تو کہہ دیا گیا ہے: ﴿فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَ يَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي

یُوعَدُونَ﴾ (سورۂ معارج، آیت:۴۲)

ترجمہ: تو آپؐ ان کو اسی شغل اور تفریح میں رہنے دیجیے۔ یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ واقع ہو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

لیکن مسلمانوں کو ایسی مہلت نہیں ملتی، لہٰذا نافرمانیاں دور کر کے عبادت کرنی چاہیے۔
(صحبتے با اہل دل، ص:۲۲۴)

۶۔ حق تعالیٰ کا خوف اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے سے اللہ وہ زندگی عطا فرماتا ہے جس میں امن وسکون وقرار ہوگا اور دائمی ہوگا۔ قرآن کریم میں تقویٰ اختیار کرنے والوں کے متعلق ہے: ﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ اٰمِنِيْنَ﴾ یعنی داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ بالکل ہی بے خوف ہو کر اور یہ زندگی جو دنیا کی ہے اس کی راحت، اس کا آرام سب عارضی ہے۔ لیکن دنیا والے اسی پر رِجھے ہوئے ہیں اور ان کو یہ دھوکا ہے کہ یہاں اور وہاں آخرت دونوں جگہ ان کو یہ نعمت ملے گی۔

مگر خود دنیا کا حال یہ ہے کہ قدم قدم پر تکلیف واذیت ہے۔ دولت ہے مگر قرار نہیں، عزّت ہے مگر جھوٹی، صحت ہے مگر بیماری کے ساتھ، جوانی بڑھاپا لانے والی۔
(صحبتے با اہل دل، ص:۳۶۲)

۷۔ قلوب کا قلوب پر بڑا اثر پڑتا ہے اور صاحبِ امر اور صاحبِ اثر اور بھی اثر پڑتا ہے۔ حاضرین کے قلوب کا اثر رسول اللہ ﷺ پر بھی پڑتا تھا۔ ارشاد فرمایا میرے قلب پر کثافت سی آجاتی ہے۔ اِنَّهُ لیغان علٰی قَلْبِیْ۔ اس لیے میں ایک ایک مجلس میں ستر ستر بار استغفار کرتا ہوں۔ (صحبتے با اہل دل، ص:۱۹۲)

۸۔ جب دواؤں اور غذاؤں میں سینکڑوں برس سے وہی تاثیر ہے تو نماز میں وہ تاثیر جو تیرہ سو برس پہلے تھی وہ آج کیوں نہیں ہے۔ ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ﴾۔ یہ خاصیت اس میں آج بھی ہونی چاہیے۔ (صحبتے با اہل دل، ص:۱۹۹)

۹۔ جس دن قرآن مجید نہ پڑھوں اس دن مزاج ٹھیک نہیں رہتا۔ ﴿وَ مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾۔ (سورۂ زخرف، آیت:۳۶) ترجمہ:

اور جو غافل رہے اللہ رحمٰن کی یاد سے اس پر ہم مقرر کر دیتے ہیں ایک شیطان پھر وہ اس کے ساتھ لگا رہتا ہے۔(صحبتے با اہل دل)

حضرت مولانا سیّد محمد میاں دیوبندیؒ

مصنف رسالۂ دینیات

(ولادت:۱۳۲۱ھ م ۱۹۰۳ء، وفات:۶ر شوال ۱۳۹۵ھ م ۲۴ر اکتوبر ۱۹۷۵ء، مدفون: دہلی)

کثرت خواہ مال کی ہو یا اولاد کی، عبادت کی ہو یا افراد کی اس پر ناز وغرور نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ یہ اللہ کو ناپسند ہے بلکہ قلت وکثرت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ونصرت ہی پر نظر رکھنی چاہیے اور اسی کو فوز وکامرانی کی اصل کلید سمجھنا چاہیے نہ کہ اپنے علم وہنر کو۔

راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

یعنی سالک کو سینکڑوں علم وہنر ہونے کے باوجود ہر معاملہ میں اللہ پر توکل کرنا چاہیے۔
(اقوال سلف، ج:۵،ص:۲۹۲)

مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

(ولادت:۱۳۱۸ھ مطابق ۱۰ر جنوری ۱۹۰۱ء۔ وفات:۱۳۸۲ھ م ۲ر اگست ۱۹۶۲ء)

۱۔ یہ کیا بزدلی ہے کہ تم در و دیوار سے وحشت زدہ ہو۔ تم خود اپنے سایہ سے ڈر رہے ہو۔ اگر تم کل تک بہادر تھے تو آج بزدل کیوں ہو گئے؟ اسلام اور بزدلی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے مسلمان سب کچھ ہو سکتا ہے مگر بزدل نہیں ہو سکتا۔ مسلمان حق بات کہنے میں ہمیشہ دلیر ہوتا ہے۔ مسلمان ناانصافی برداشت نہیں کر سکتا۔ خوف و ہراس اور بزدلی اور نامردی کو دل سے نکال دو، یہاں سے عہد کر کے جاؤ کہ ہر ایک ناانصافی کا مقابلہ ڈٹ کر کریں گے۔ بے شک ہم وفادار ہیں۔ مگر ہم مادرِ وطن کے وفادار ہیں۔ وفاداری کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ہم کسی سرکاری افسر یا وزیر کے کسی فعل پر نکتہ چینی نہیں کر سکتے۔ وہ زمانہ ختم ہو گیا کہ حکام کی چاپلوسی وفاداری ہوا کرتی تھی۔ ہمت بلند رکھو۔ خدمتِ وطن کے سچے جذبے کے ساتھ آگے بڑھو۔ تمھیں انسانیت اور حق وصداقت کو سربلند کرنا ہے۔

اگر تم نیک مقاصد کے لیے ڈٹ گئے تو اللہ کی مدد تمھارے قدم چوم لے گی اور تمھارے ساتھ ہوگی۔ (بیس بڑے مسلمان، ص:۹۴۶)

۲۔ مسلمانانِ ہند کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ اپنی اس پر آشوب زندگی میں ظاہری تدابیر و وسائل کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر اعتماد علی اللہ اور صبر و استقلال کی زیادہ سے زیادہ صلاحیتیں پیدا کریں۔ اسوۂ رسول کریم ﷺ کو اپنا نصب العین بنائیں اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے سبق لیتے ہوئے اپنے اندر وہ اسپرٹ پیدا کریں کہ وہ تکالیف و مصائب کے طوفان سے گزر کر بھی احساس کمتری، پامالی اور مایوسی کا شکار نہ ہوں اور ان کے اس یقین میں کوئی تزلزل نہ آئے کہ اپنی وطنی زندگی میں ہمیں جو بھی حوادث و مشکلات درپیش ہیں وہ بہر حال وقتی اور دنیوی مصائب ہیں اور ہمارا حقیقی اعتماد کارسازِ حقیقی کی رحمت اور اس کی رضا جوئی پر ہی ہے۔ قرآن کریم نے ہمیں بتایا ہے:

﴿اِنَّهٗ لَا يَيْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (سورۂ یوسف، آیت:۸۷)
اللہ کی رحمت سے وہی مایوس ہوتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ پر ایمان اور بھروسہ نہیں ہے۔

﴿اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ ہر تنگی و پریشانی کے ساتھ آسائش و راحت بھی ضرور ہوتی ہے۔ (بیس بڑے مسلمان، ص:۹۴۷)

۳۔ آج ہماری قربانیوں سے ملک آزاد ہوا ہے۔ فرقہ پرست ہمیں طعنہ دیں ان کی یہ بے وقوفی ہے۔ آج ملک آزاد ہے۔ سب کو برابر کا حق ہے۔ لیکن ہم ان باتوں کو کہتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ خود دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس درجہ ڈی مورالائز کر دیا گیا ہے۔ اس درجہ احساس کمتری اور خوف میں مبتلا کر دیا ہے کہ وہ ان باتوں کو کہتے ہوئے جھجکتے ہیں۔ چاروں طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھتے ہیں کہ ہماری اس بات سے ہندو خوش ہوگا یا نہیں۔

۴۔ جو افراد یا جماعتیں ہم سے وفاداری کا مطالبہ کرتی ہیں ہم ان سے ملک کی وفاداری کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جو لوگ فرقہ پرستی، تنگ نظری یا تعصب پیدا کرتے ہیں وہ ملک کے غدّار اور وطن کے دشمن ہیں۔ ان کو کسی دوسرے سے وفاداری کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہے وہ خود اپنی وفاداری کا امتحان دیں۔ (بیس بڑے مسلمان، ص: ۹۴۵)

۵۔ آج ذبیحہ گاؤ یا ناجائز اسلحہ کا الزام لگا کر جس طرح مسلمانوں کو پریشان کیا جارہا ہے وہ وحشت زدگی اور درندگی کا نتیجہ ہے۔ (بیس بڑے مسلمان، ص: ۹۴۶)

۶۔ ہمیں یہیں رہنا ہے اور باعزّت طور پر ان تمام حقوق کے ساتھ رہنا ہے جو ایک باعزّت شہری کو حاصل ہو سکتے ہیں۔ بے شک ہم مظلوم ہو سکتے ہیں مگر غلام نہیں بن سکتے۔ اگر ہم نے برطانیہ کی غلامی برداشت نہیں کی تو ہم اکثریت کی غلامی بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم آزاد شہری کی حیثیت سے یہاں رہیں گے اور نہ صرف حفظ الرحمٰن، ابوالکلام، نہ صرف قوم پرور مسلمان بلکہ وہ کروڑوں مسلمان جو ہند یونین میں ہیں سب باعزّت شہری کی حیثیت سے رہیں گے۔ پاکستان بن چکا.... اس کی حمایت اور مخالفت کا سوال بھی ختم ہو گیا۔ اب ہند یونین کے تمام مسلمان ایک کشتی کے سوار ہیں، ایک کی تکلیف سب کی تکلیف، ایک کی ذلت سب کی ذلت۔

(بیس بڑے مسلمان، ص: ۹۲۸)

شیخ محمد بن عبدالوہاب حنبلی رئیس اہل الدعوۃ والتوحید

'لا الٰہ الا اللہ' اس میں نفی و اثبات دونوں ہے۔ پہلے جز 'لا الٰہ' میں تمام باطل معبودات کی نفی ہے اور دوسرے جز 'الا اللہ' میں اللہ وحدہ لاشریک لہ کے ساتھ بندگی کا اثبات ہے۔

اللہ: اس کو کہتے ہیں جس کی طرف دل محبت اور خوف و بزرگی اور امید سے جھکتے ہیں۔

(اقوالِ سلف، ج:۳، ص: ۲۹۵)

شیخ کا اصل دائرہ توحید خالص کی دعوت و تبلیغ، ردّ شرک و استیصالِ رسوم جاہلیت، توحید اُلوہیت و توحید ربوبیت کا فرق اور اللہ کی طرف سے جس توحید کا اپنے بندوں سے مطالبہ اور قرآن مجید میں جس کی طرف صریح دعوت ہے اس کی وضاحت و تنقیح تھی۔

(اقوالِ سلف، ج:۳، ص:۲۹۹)

حضرت مولانا سیّد اصغر حسین دیوبندی عرف حضرت میاں صاحب

(ولادت: ۸؍شوال ۱۲۹۴ھ۔ وفات: ۲۲؍محرم ۱۳۶۴ھ/ ۸ جنوری ۱۹۴۵ء، مدفن راندیر گجرات)

(۱) میں اپنے احباب سے یہ گزارش کرتا ہوں کہ ہر سنت کا پورا پورا اہتمام رکھیں اور کسی

سنت کو خواہ وہ کتنی چھوٹی سی ہو معمولی نہ سمجھیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی ہر ہر سنت اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ (تذکرۂ اولیاءِ دیوبند، ص: ۳۰۱۔ اکابر علمائے دیوبند، ص: ۱۳۶)

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کو میاں صاحب کی نصیحت

(۲) میاں! علم انسان میں تکبر پیدا کر دیتا ہے اور انسان خود کو عام لوگوں سے بلند و بالا سمجھنے لگتا ہے، اگر علم کے ساتھ تقویٰ اور خشیت نہ ہو تو جہل اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ (تذکرۂ اولیاء دیوبند، ص: ۳۰۳)

(۳) ﴿وَ مَا عِنۡدَکُمۡ یَنۡفَدُ وَ مَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ (سورۂ نحل، آیت: ۹۶)

یہ مال و متاع، دولت و سامان کے اندر ہی منحصر نہیں بلکہ ہمارے جملہ احوال، اوصاف، حوادث، عوارض کا بھی یہی حال ہے۔

(۴) دنیا و مافیہا فانی ہیں۔ اصل مقصود حیاتِ اُخروی ہے اور اس کا مدار قربِ خداوندی کے اندر درجات ہیں اور قرب کا حصول اخلاقِ حسنہ کے حصول اور اخلاقِ ذمیمہ سے اجتناب پر موقوف ہے۔

(۵) زندگی مستعار ہے راحت و آرام سے بسر ہو یا ضیق و افلاس سے۔ ہر حال میں شکر گزار رہنا چاہیے۔

(۶) ساری ولایت و بزرگی اتباعِ سنت ہے اور جس درجہ تقویٰ اور خشیت ہوگی اس درجہ معرفتِ حق تعالیٰ پیدا ہوگی۔

(۷) شریعت سے انحراف کے ساتھ طریقت کا دعویٰ باطل ہے اور شریعت و طریقت دو چیزیں الگ الگ نہیں اور مقصود دونوں کا ایک ہے۔ (اقوال سلف، ج:۴، ص:۵۱۳)

امامِ انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ معتمدِ خاص شیخ الہندؒ

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی ۱۹۱۵ء سے ۱۹۳۹ء تک وطن سے باہر شیخ الہند کی تحریک کو کامیاب بنانے میں مصروف رہے۔ جب چوبیس برس بعد واپس آئے تو آپ نے پہلی نصیحت مسلمانوں کو کی:

۱۔ میں انقلاب کے دینی فلسفے کا پیغام دینے کے لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔انقلاب کا میرا یہ پیغام تمھیں لا دینی انقلاب کے مضرت رساں اثرات سے محفوظ رکھ سکے گا۔محنت کش طبقوں کے ہاتھ میں قوت اور اقتدار کا آنا یقینی ہے۔تم نے اگر محنت کشوں کے اس انقلاب کو دینی نہ بنایا تو پھر یہ انقلاب حتمی طور پر لا دینی فلسفہ کے ذریعہ ہوگا۔(خطبات و مقالات،ص:۴۶)

زندگی کے آخری دنوں میں وصیت فرمائی

۲۔ قرآن کی محبت دل میں جاگزیں کرو۔اسے اپنے فکر و عمل کی اساس بناؤ، اور پھر زندگی کے مسائل کو سوچو اور ان کو سلجھاؤ۔ ہوا یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے پہلے تو قرآن کی جلدیں باندھیں۔ پھر اسے غلافوں میں لپیٹا۔ ہم ان غلافوں کو چاک کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ان جلدوں کو پھاڑ دیں گے تاکہ قرآن جیسا ہے لوگوں کے پاس پہنچے، اپنی اصلی شکل میں، بالکل واشگاف اور بے نقاب۔لوگ اسے پڑھیں اور اپنی زندگی میں اسے مشعلِ راہ بنائیں۔(ایضاً،ص:۵۲)

ہندوستان کا سیاسی تقدم اتنا مشکل نہیں جتنا پہلے سمجھا جاتا تھا۔لیکن یہ امر بھی ساتھ ہی منکشف ہوجاتا ہے کہ یہ کھیل جب کبھی بھی بن کر بگڑتا ہے تو اس کی تہہ میں ہندو مسلم اختلاف ہی نظر آتا ہے۔(خطبات و مقالات،ص:۷۰)

قطب الارشاد حضرت مولانا عبداللہ بہلویؒ

اولاد کو نصیحت

آپؒ نے اپنی اولاد کے لیے درج ذیل وصیت فرمائی:

۱۔ وراثت حسبِ شریعت تقسیم کریں اور اس میں کسی قسم کی فروگزاشت نہ کریں۔قلیل کثیر میں ورثاء کا حصہ وحق واجب ہے۔

۲۔ بدعات، رسومات مثلاً جمعراتیں اور مروّجہ قل خوانی سے بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔

۳۔ راگ باجے سننے سے محبت بڑھانے کا طریقہ مسنون نہیں، مذموم ہے۔

۴۔ عرس کرنا یعنی مروّجہ سالانہ خیرات بھی بدعت ہے۔

۵۔ ستائیس رجب کو خیرات کا التزام کرنا اور ثواب سمجھنا بھی سنت میں وارد ہے۔

۶۔ اسی طرح عاشورہ کے دن روزہ رکھنا تو مسنون ہے مگر اس دن کھانا نہ کھانے کو ثواب سمجھنا بدعت ہے۔

۷۔ عاشورہ کی گیارہویں تاریخ کو خیرات کرنا، بہو بیٹی کو عمدہ کھانے پہنچانا اور جس سے دنیوی نزاع ہو اس دن اس کو معاف کرنا اور کرانا جس کو عرفِ عام میں بخشوانا کہا جاتا ہے، اس کو ثواب سمجھنا بدعت ہے۔

۸۔ درس و تدریس، خصوصاً حدیث شریف کی تدریس میں سعیٔ تمام کریں۔

۹۔ اپنی جائیداد فروخت کر کے بھی اگر تعلیم دلانی پڑے تو دریغ نہ کریں، سب رحمتیں ہوتی جائیں گی۔

۱۰۔ اخلاص کا اہتمام کریں کہ اخلاص ہر کام میں ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عطا فرماویں۔

۱۱۔ بڑوں کی عزت وحرمت کو ضروری سمجھیں۔

۱۲۔ مدرسہ اشرف العلوم کو اراکینِ شوریٰ کے ماتحت چلائیں۔

۱۳۔ اراکین کی عزت کریں، ان کے مشورے پر چلنے کی سعی و کوشش کریں، اپنی رائے کو مستقل نہ کریں۔ بندہ نے اپنے بچوں کو حتی الوسع دینی کام میں لگایا ہے، دین کا علم پڑھایا ہے، نہ انگریزی تعلیم دی ہے اور نہ کسی کسبِ معاش، مثلاً طب و ہنر سکھلانے میں توجہ دی ہے، نہ لوگوں کی ملازمت کی اور کرائی ہے، بلکہ اپنی وسعت کے مطابق ان کے ہر اعتبار سے خدمت کی ہے، ان کے خوش رکھنے کی سعی کی ہے۔ اپنے خیال میں یہ اس لیے کیا ہے کہ یہ پڑھیں پڑھائیں، دین کی خدمت کریں، ان کی روزی کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے، چنانچہ اب تک یہ بچے پڑھ، پڑھا رہے ہیں، اب بھی ان کو یہی وصیت ہے کہ وہ اپنی زندگی دین کی تعلیم و تعلّم اور قرآن وحدیث اور فقہ وتصوف میں ہی بسر کریں، روزی کا غم نہ رکھیں، اس لیے کہ ارشادِ الٰہی ہے ﴿وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ (سورۂ ہود، آیت: ۶)

اگر اس کام کو رضائے الٰہی، اخلاص سے کرتے رہے تو انشاء اللہ تنگی سے بچتے رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا. وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ

حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ ﴾ (سورۂ طلاق، آیت: ۲، ۳)

مسجد کو نہ چھوڑیں، قرآن و حدیث، مہمان نوازی اور خدمتِ خلق کو خلوص سے کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ کے مہمان بن کر رہیں۔ و الله خير الرازقين و خير المنزلين ۔

حضرت عمران علیہ السلام نے منّت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے لڑکا دیا تو میں بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کردوں گا لیکن قدرت اللہ کی کہ لڑکی (حضرت مریم علیہا السلام) پیدا ہوئیں۔ آپ نے منّت کے مطابق بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کردیا، وہیں رہتی تھیں اور حضرت زکریا علیہ السلام ان کی پرورش کرتے تھے۔ جب آپؑ ان سے ملنے کے لیے آتے تو بی بی مریم کے پاس بے موسم کے میوے موجود پا کر حیران ہوجاتے۔ آپؑ ان سے پوچھتے: یہ میوے کہاں سے آئے ہیں؟ تو جواب دیتیں: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں! مقصد یہ تھا کہ جو اللہ تعالیٰ کے گھر کی خدمت کرتا ہے اس کی روزی کا سامان اللہ تعالیٰ بنا دیتے ہیں۔

مسجدیں کعبہ شریف کے نمونے ہیں۔ جو مسجد کی خدمت کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کے رزق کا غیب سے سامان پیدا فرمادے گا۔

متعلقین کو وصیت

کبھی اپنی ریاضت پر مغرور نہ ہونا چاہیے کیونکہ اگر کوئی کافر بھی ریاضت کرے تو اس کو بھی انوار نظر آسکتے ہیں اور وہ بھی اپنے مقصد تک پہنچ سکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ محض وصول مقصود نہیں بلکہ مقصود قبول ہے۔ اسم 'مضل' کا مظہر جہنم ہے، کافر کی رسائی وہاں ہوگی اور مظہر اسم 'ہادی' کا جنت ہے۔ مومن کی رسائی یہاں ہوگی۔

جہلاء کو اشغال نہ بتلانا چاہیے کیونکہ اس سے کبھی کشف ہونے لگتا ہے اور وہ اس کی تاویل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے کیونکہ کشف اکثر کسی نہ کسی صورتِ مثالی میں ہوتا ہے جو محتاجِ تاویل ہوتا ہے لہٰذا مناسب ہے کہ ان کو صرف ذکر ہی تعلیم کیا جائے۔

طالبِ حق کو چاہیے کہ اوّل مسائل و عقائد اہلسنّت والجماعت کے حاصل کرے، پھر رذائل حرص، اَمل، غضب، کبر، ریا وغیرہ سے تزکیہ کرے، اور اخلاقِ حمیدہ صبر، شکر، اخلاص وغیرہ

سے منور ہو۔ گناہ ہو جانے پر توبہ کرے، نعمت پر شکر اور مصیبت پر صبر کرے۔ خلافِ شرع فقراء کی صحبت سے بچے۔ لوگوں سے بقدرِ ضرورت تعلق رکھے۔ تشویش کو دل میں نہ آنے دے۔ خورد ونوش اور باقی کام دنیوی و دینی مجاہدہ وغیرہ میں اعتدال رکھے۔ حق تعالیٰ کی طلب میں بے چین رہے۔ غرباء اور مسافروں پر مہربان رہے۔ کم ہنسے، زیادہ روئے۔ موت کا ہر وقت خیال رکھے۔ کم گو، کم رنج، صلاح جو، نیکوکار، باوقار، بردبار رہے۔ رسومِ جہل سے بچے۔ مرشد کا تمام درجہ ادب کرے اور ہمیشہ استقامت کی التجا کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ ہی پر ہر کام میں بھروسہ کرے۔

(معارفِ بہلوی، ج:۱، ص:۱۳۷)

مجدّد الملّت، حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

(ولادت: ۵ر ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ چہار شنبہ۔ وفات: ۱۷ر رجب ۱۳۶۲ھ م ۲۰ر جولائی ۱۹۴۳)

۱- میں اپنے دوستوں کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً بہت تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ علمِ دین کا خود سیکھنا اور اولاد کو تعلیم کرانا ہر شخص پر فرض عین ہے۔ خواہ بذریعہ کتاب ہو یا بذریعہ صحبت بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ فتنِ دینیہ سے حفاظت ہو سکے جن کی آج کل بیحد کثرت ہے۔ اس میں ہرگز غفلت و کوتاہی نہ کریں۔

۲- طالب علموں کو وصیت کرتا ہوں کہ درس و تدریس پر مغرور نہ ہوں، اس کا کارآمد ہونا موقوف ہے اہل اللہ کی خدمت وصحبت ونظرِ عنایت پر اس کا التزام نہایت اہتمام سے رکھیں۔

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق   گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

۳- دینی و دنیاوی مضرتوں پر نظر کر کے ان امور سے خصوصیت کے ساتھ اجتناب رکھنے کا مشورہ دیتا ہوں:

۱- شہوت وغضب کے مقتضاء پر عمل نہ کریں۔

۲- تعجیل نہایت بری چیز ہے۔

۳- بے مشورہ کوئی کام نہ کریں۔

۴- غیبت قطعاً چھوڑ دیں۔

۵- کثرت کلام اگرچہ مباح کے ساتھ ہو اور کثرتِ اختلاطِ خلق بلا ضرورتِ شدیدہ و بلا مصلحتِ مطلوبہ خصوصاً جبکہ ہر کس و ناکس کو رازدار بھی بنالیا جائے نہایت مضر چیز ہے۔

٦- بدون پوری رغبت کے کھانا ہرگز نہ کھائیں۔

٧- بدوں سخت تقاضے کے ہم بستر نہ ہوں۔

٨- بدوں سخت حاجت کے قرض نہ لیں۔

٩- فضول خرچی کے پاس نہ جائیں۔

١٠- غیر ضروری سامان جمع نہ کریں۔

١١- سخت مزاجی و تندخوئی کی عادت نہ ڈالیں۔ رفق اور ضبط و تحمل کو اپنا شعار بنائیں۔

١٢- زیادہ تکلّف سے بہت بچیں۔ اقوال و افعال میں بھی، طعام و لباس میں بھی۔

١٣- مقتداء کو چاہیے کہ امراء سے بدخلقی نہ کرے اور نہ زیادہ اختلاط کرے اور نہ ان کو حتی الامکان مقصود بنائے بالخصوص دنیوی نفع حاصل کرنے کے لیے۔

١۴- معاملات کی صفائی کو دیانت سے زیادہ مہتم بالشان سمجھیں۔

١۵- روایات و حکایات میں بے انتہا احتیاط کریں، اس میں بڑے بڑے دیندار اور فہیم لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں، خواہ سمجھنے میں یا نقل کرنے میں۔

١٦- بلا ضرورت بالکلیہ اور ضرورت میں بلا اجازت و تجویز طبیب حاذقِ شفیق کے کسی قسم کی دوا ہرگز استعمال نہ کریں۔

١٧- زبان کی غایت درجہ ہر قسم کی معصیت و لایعنی سے احتیاط رکھیں۔

١٨- حق پرست رہیں اپنے قول پر جمود نہ کریں۔

١٩- تعلقات نہ بڑھائیں۔

٢٠- کسی کے دنیوی معاملے میں دخل نہ دیں۔

۴- میں اپنے تمام منتسبین سے درخواست کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنی عمر بھر یاد کرکے ہر روز سورۂ یٰسین شریف، یا تین بار قل ھو اللہ شریف پڑھ کر مجھ کو بخش دیا کرے مگر کوئی امر

خلافِ سنت، بدعات، عوام وخواص میں سے نہ کریں۔

۵- حتی الامکان دنیا و مافیہا سے جی نہ لگائیں اور کسی وقت فکرِ آخرت سے غافل نہ ہوں، ہمیشہ ایسی حالت میں رہیں کہ اگر اسی وقت پیامِ اجل آ جائے تو کوئی فکر اس تمنا کا مقتضی نہ ہو، ﴿رَبِّ لَوْ لَا اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَ اَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ ۔ (اے مرے رب! مجھ کو تھوڑے دنوں کی مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیر خیرات کر لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا۔ سورۂ منافقون، آیت: ۱۰) اور ہر وقت یہ سمجھیں ''شاید ہمیں نفس نفسِ واپسیں بود''۔ اور علی الدوام دن کے گناہوں سے قبل رات کے، اور رات کے گناہوں سے قبل دن کے گناہوں سے استغفار کرتے رہیں اور حتی الوسع حقوق العباد سے سبکدوش رہیں۔

۶- خاتمہ بالخیر ہونے کو تمام نعمتوں سے افضل و اکمل اعتقاد رکھیں اور ہمیشہ خصوصاً بعد پانچوں نمازوں کے نہایت لجاجت وتضرع سے اس کی دعا کیا کریں اور ایمان حاصل پر شکر کیا کریں کہ جب وعدہ ''لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ'' یہ بھی اعظم اسباب ختم بالخیر سے ہے۔

اور اسی کے ساتھ میں اپنے لیے بھی اس دعاء کیلئے درخواست کر کے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا بھی ایمان پر خاتمہ فرماوے۔ (اشرف السوانح، ج:۳، ملخصاً ص:۴۳۷)

ہدایات وضابطۂ تربیت

(۱) مطالباتِ دین کو مفادِ دنیا پر غالب رکھنا۔ (۲) اختیاری امور میں کوتاہی نہ کرنا۔ (۳) اور غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہونا۔ (۴) سالک کو تجویز ترک کرنا اور (۵) تفویض کو اختیار کرنا۔ (۶) مقصودِ شرعیہ کو پیش نظر رکھنا۔ اور (۷) غیر مقصود کی طرف التفات نہ کرنا۔ (۸) کیفیاتِ باطنہ کو محمود سمجھنا اور مقصود نہ سمجھنا۔ (۹) طبعی امور سے مغلوب نہ ہونا۔ بلکہ (۱۰) عقل کے فتوی پر عمل کرنا اور (۱۱) ہمیشہ عقل کو شریعت کا تابع رکھنا۔

(تذکرۂ اولیاء دیوبند۔ ص:۲۳۲)

خواجہ عزیز الحسن مجذوب کو حضرت تھانویؒ کی ہدایات

۱۲۔ تقویٰ وطہارت بڑی چیز ہے مگر آج کل ہر طبقے میں اس کی کمی ہے۔علماء ومشائخ میں اس کی کمی بہت مذموم ہے اور اللہ کا فضل ہوتا ہے تو غیر علماء کو یہ دولت نصیب ہو جاتی ہے۔
(تذکرۂ اولیاء دیوبند،ص:۳۹۴)

طریقت کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۳۔ مسلمانوں میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سا ذوق پیدا ہو جائے۔

۱۴۔ شریعت ہی ساری دنیوی، اخروی، ظاہری و باطنی سعادتوں کی کفیل ہے۔

(اکابر علماء دیوبند،ص:۶۲)

۱۵۔ دینِ متین ہی کے ظاہر و باطن کا نام شریعت وطریقت ہے۔جس طرح ظاہری اعمال کے لیے احکاماتِ الٰہیہ فرائض و واجبات ہیں۔اسی طرح باطنی اعمال کے لیے بھی ہیں اور ہم دونوں کے ادا کرنے کے پابند ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ اور اسی طرح ضروری و لازمی حقوق العباد ہیں۔تم پر اپنے والدین کے، اپنے بیوی بچوں کے، اپنے احباب کے اور کاروباری تعلق رکھنے والوں کے حقوق بھی کما حقہ ادا کرنا فرض ہے۔ان میں ذرہ برابر بھی کوتاہی کرو گے تو تعلق مع اللہ کی تم کو ہوا تک نہ لگے گی۔ چاہے عمر بھر ہی کیوں نہ مروّجہ رسمی تصوّف کے مجاہدوں، نوافل و وظائف میں سر مارو۔اللہ کی مخلوق کو ناراض کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کو راضی کرلو۔

ایں خیال است محال است و جنوں

۱۶۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ شاہ صاحب بننا آسان، ملک التجار بننا آسان، بزرگ بننا آسان، قطب بننا آسان مگر انسان بننا مشکل اور یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ بزرگ بننا ہو، ولی بننا ہو، قطب بننا ہو تو کہیں اور جاؤ۔اگر انسان بننا ہو تو میرے پاس آؤ۔میں انسان بناتا ہوں۔

(اکابر علماء دیوبند،ص:۶۵)

۱۷۔ میں نے بہت دفعہ طلبہ اور عام لوگوں سے کہا ہے کہ دو باتوں پر پختہ ہو جائیں۔

میں ذمہ لیتا ہوں وصول الی اللہ کا۔ ایک گناہوں سے بچنا دوسرے کم ملنا اور تھوڑی خلوت ذکر وفکر کے لیے۔ (اکابر علماء دیوبند، ص: ۱۴۰)

۱۸۔ وساوس کا علاج واللہ بے التفاتی ہے۔ حدیث شریف میں جو تھتکارنا آیا ہے اس سے مراد اعراض وترکِ التفات ہے۔ (کمالاتِ اشرفیہ، ص: ۱۶۹)

۱۹۔ جب تک نسبت راسخ نہ ہوجائے مختلف بزرگوں سے ملنا اچھا نہیں۔ (ایضاً، ۱۷۰)

۲۰۔ حق تعالیٰ تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے کہ

اخلاقِ رذیلہ جاتے رہیں، حمیدہ پیدا ہوجائیں
معاصی چھوٹ جائیں، طاعت کی توفیق ہوجائے
غفلت من اللہ جاتی رہے اور توجہ الی اللہ پیدا ہوجائے۔ (کمالاتِ اشرفیہ، ص: ۱۷)

۲۱۔ تصوّف اخلاق ہی کا نام ہے۔ تعمیر الظاہر والباطن۔ یعنی ظاہر کو اعمالِ شرعیہ سے آراستہ کیا جائے اور باطن کو اخلاقِ حسنہ سے اور یہی حاصل ہے تزکیۂ نفس کا۔ جو درحقیقت کتاب وشریعت کے نزول کی غایت اور نبی ورسول ﷺ کی بعثت کی نہایت ہے۔

(اقوالِ سلف، ج:۳۔ص: ۳۴۳)

۲۲۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے آخری وقت یہ وصیت فرمائی

کسی کو اگر میں نے مارا بھی ہو
بری بات کہہ کر پکارا بھی ہو
وہ آج آن کر مجھ سے لے انتقام
قیامت کے دن پر نہ رکھے یہ کام
کہ خجلت بروز قیامت نہ ہو
خدا پاس مجھ کو ندامت نہ ہو

(حقوق العباد کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ ہمارے اکابر کا خاص امتیاز ہے۔)

(اقوالِ سلف، ج:۷، ص: ۵۵۷)

۲۳۔ میں مشائخ کو بھی مشورہ دیتا ہوں کہ وہ بھی اپنے کو مستغنی نہ سمجھیں۔ اپنے لیے وہ

بھی کسی بڑے سے مشورہ لیتے رہیں۔اگر بڑے نہ ہوں تو اپنے چھوٹوں سے مشورہ لے لیا کریں۔

وصایا حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

بعد الحمد و الصلوٰۃ احقر اشرف علی مظہر مدعا ہے کہ یہ چند تنبیہات بطور وصیت کے معروض ہیں۔تذکیراً وتذکراً بقول اللہ تعالیٰ ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ﴾ (سورۂ رحمٰن:۲۶-۲۷) و بقول رسول اللہ ﷺ اَكْثِرُوْا ذِكْرَهَا هَادِمَ اللَّذَّاتِ الْمَوْتَ

(۱) حدیث مرفوع ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا حَقُّ اِمْرَءٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوْصٰى فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ اِلَّا وَ وَصِيَّتُهُ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهُ۔(رواہ الشیخان عن ابن عمرؓ)

جس سے حقوقِ واجبہ کی وصیت کا وجوب اور حقوقِ غیر واجبہ کی وصیت کا لعدم بطور عموم مجاز کے مستفاد ہوتا ہے۔

(۲) اس ناکارہ کی عمر اس وقت قریب پچاس سال کے آ گئی ہے۔یعنی ۴؍ربیع الثانی سن ۱۳۳۰ھ کو پورے پچاس سال ہو جائیں گے اور اس وقت جو حالت موجودہ ہے اس کے اعتبار سے اس قول کا مصداق ہے

ایکہ پنجاہ رفت و در خوابی
مگر ایں پنج روز دریابی

جیسا کہ اس کے چند سال قبل ایک موقع پر یہ لکھ چکا تھا

چہل سال عمر عزیزت گزشت
مزاج تو از حال طفلی نگشت

(۳) نظر بر حدیث بالا و شعر مذکور، بعض امور کے اعتبار سے واجب اور بعض کے اعتبار سے مناسب سمجھا کہ مختصر وصایا حسبِ حالت موجودہ لکھ کر ان کی عام اطلاع کر دوں۔اس میں میرے نفع کے ساتھ دوسروں کا بھی نفع ہے۔علماً بھی اور عبرۃً بھی۔چنانچہ مفصل مطالعہ وصایا سے لازمی و متعدی مصالح ساتھ ساتھ معلوم ہوتے جائیں گے۔نیز ممکن ہے کہ دوسرے بھی اس کی تقلید کریں تو طاعت کا تسبّب بھی طاعت ہے۔

(۴) میں اپنے سب دوستوں سے استدعا کرتا ہوں کہ میرے سب معاصی صغیرہ و کبیرہ

عمد وخطا کے لیے استغفار فرمائیں اور جو میرے اندر عادات واخلاقِ ذمیمہ ہیں ان کے ازالہ کی دعا کریں۔

(۵) میرے بعض اخلاقِ سیئہ کے سبب بعض بندگانِ حق کو حاضرانہ وغائبانہ میری زبان وہاتھ سے کچھ کلفتیں پہنچیں ہیں اور کچھ حقوق ضائع ہوئے ہیں (اسی طرح اگر کسی کا مالی حق رہ گیا ہو) خواہ اطلاع کر کے لے لیں، خواہ معاف فرمادیں، خصوصاً بعض اوقات اتفاق سے بعضے خط بھیجنے والوں کے ٹکٹ پیسہ والے یا دو پیسہ والے غلطی سے ردی میں نکلے ہیں، جن کے مالک کی تحقیق نہ ہوسکنے سے ان کو مصارفِ لقطہ میں صرف کردیا گیا، لیکن اہلِ حق کو اختیار ہے، خواہ اس صرف کو جائز رکھیں کہ ثواب ہوگا، خواہ اطلاع کر کے لے لیں۔

خواہ اہلِ حقوق کو اس کی اطلاع ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، میں نہایت عاجزی سے سب چھوٹے بڑوں سے استدعا کرتا ہوں کہ للہ دل سے ان کو معاف فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تقصیرات سے درگذر فرمائیں گے۔ میں بھی ان کے لیے یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں عفو وعافیت عطا فرمائیں۔ معذرت کرنے والے کی تقصیر سے درگذر کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اور اگر معاف کرنے کی ہمت نہ ہوتو حسبِ فتویٰ شرعی مجھ سے عوض لے لیں۔ خدا کے لیے قیامت پر مواخذہ نہ رکھیں کہ اس کا کسی طرح تحمل نہیں۔

(۶) اس قبیل کی کوتاہیاں جو دوسروں سے میرے حق میں ہوگئی ہوں، میں بطیبِ خاطر گزشتہ اور آئندہ کے لیے محض اللہ تعالیٰ کے راضی کرنے کو اور اپنی خطاؤں کی معافی کی توقع پر وہ سب معاف کرتا ہوں۔

(۷) چونکہ محبت میں اکثر مدائح غیر واقعیہ مشہور کردیے جاتے ہیں، اس لیے میں اپنی سوانح لکھا جانا پسند نہیں کرتا۔ اگر کسی کو بہت ہی بے تابی کا شوق ہو اور دوسرے اہلِ تدوین وتحقیق بھی اجازت دیں تو روایت میں احتیاطِ شدید کو واجب سمجھنا چاہیے، ورنہ میں بری ہوتا ہوں۔

(۸) تالیفات کے بعض مقامات میں مجھ سے اختصار موہم یا زیادت موہمہ یا غفلت سے کچھ لغزشیں بھی ہوئی ہیں، جو اس وقت ذہن میں حاضر ہیں، ان کی اطلاع جزوی طور پر دیتا ہوں، اور جو اس وقت ذہن میں حاضر نہیں، ان کے لیے دو قاعدے عرض کرتا ہوں۔

ایک یہ کہ میری کسی ایسی تصنیف میں جو اس محل لغزش سے متاخر ہو اس کی اصلاح کردی گئی ہو، اور متاخر ہونا تاریخ کے ملانے سے جو کہ ہر تصنیف کے آخر میں التزاماً لکھی گئی ہے معلوم ہوسکتا ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم کرلینا چاہیے کہ میری تالیفات میں جو مضمون متعارض ہو اس میں اخیر کا قول میرا سمجھا جائے۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ ایسے مواقع مشتبہ کو دوسرے علماء محققین سے تحقیق کرلیا جائے اور ان کے قول کو میرے قول پر ترجیح دی جائے۔ اسی طرح اگر میرا لکھا ہوا کوئی مشتبہ فتویٰ کسی کی نظر سے گزرے اس میں بھی یہی تقریر معروض ہے۔ کیونکہ بعض اوقات لکھنے کے بعد خود مجھ کو بعض جوابوں کا غلط ہونا محقق ہوا ہے۔ میں نے سائل کا پتہ معلوم ہونے پر اس کو مطلع بھی کردیا ہے لیکن پتہ نہ معلوم ہونے کی صورت میں یا اس سائل کے پاس میری تصحیح کے محفوظ نہ رہنے کی تقدیر پر احتمال غلطی میں پڑنے کا ہوسکتا ہے۔ اس لیے احتیاطاً یہ عرض کیا گیا۔ اب اوّل جزوی غلطیوں کے مقامات کو نقل کرتا ہوں۔ (تفصیلات اشرف السوانح، ج:۳ میں ملاحظہ فرمائیں)

(۹) فروغ الایمان میں ایک جگہ لکھا ہے کہ اگر پابندی احکام کے ساتھ ڈپٹی کلکٹر یا بیرسٹری وغیرہ اختیار کرو، تو چشم ما روشن، دل ما شاد (انتہی) اس سے بظاہر شبہ ان اعمال کے جواز کا معلوم ہوتا ہے، تو سمجھ لینا چاہیے کہ مقصود اس عبارت سے یہ ہے کہ اگر پابندئ احکام کے ساتھ ترقی دنیوی ہو تو اجازت ہے۔ یہ مثالیں خود مقصود نہیں کیونکہ ان اعمال کا مشروع ہونا نہ ہونا محتاجِ تفصیل مستقل ہے۔ لہٰذا ان مثالوں کو ارخاء عنان وتسامح پر محمول کرنا چاہیے اور ان کے جواز علی الاطلاق کا شبہ نہ کرنا چاہیے۔

(۱۰) میری تحریرات میں جو مضامین از قبیل علومِ مکاشفہ ہیں، جو کہ علمِ تصوّف کی ایک قسم ہے، جس کو حقائق و معارف سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، اور حججِ شرعیہ ان سے ساکت ہیں، ان کو حسب قاعدہ اصولیہ وکلامیہ اور ثابتہ بدلائلِ شرعیہ کے درجہ میں نہ سمجھنا چاہیے، بلکہ بالکل اعتقاد نہ رکھنا بھی جائز ہے اور اگر اعتقاد رکھے تو محض احتمال کے درجے سے تجاوز نہ کرے۔

(۱۱) میرے کتب خانہ میں ہر قسم کی اور بعض دوسرے فرقوں کی بھی کتابیں بلا میرے قصد کے جمع ہوگئی ہیں۔ سو محض ان کے کتب خانہ میں ہونے سے سب کی صحتِ مضامین کا شبہ نہ

کیا جائے۔ جو کتاب یا جو مضمون قواعدِ شرعیہ کے خلاف ہو اس کو باطل سمجھا جائے۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس وقت میرے ذمہ بالکل کسی کا قرض نہیں اور حق تعالیٰ کا جو معاملۂ فضل اس نکارہ کے ساتھ ہے، اس سے اُمید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اس سے محفوظ رہے گا اور اگر ایسا اتفاق ہوا یا کسی کی امانت میرے پاس ہوئی تو اس کی یادداشت زبانی یا تحریری ظاہر کردی جائے گی۔ اس کے ضمن میں یہ امر بھی قابلِ اطلاع ہے کہ مہر اہلیہ کا بھی ادا کرچکا ہوں، مکانِ مسکونہ اور بعض دوسرے اموال ملا کر یہ سب مہر میں دے دیا۔ اس وقت وہ مکان خالص ان کی ملک ہے۔ وہ اس میں جو چاہیں تصرّف کریں اور اسی طرح اثاث البیت اکثر ان کی ملک ہے اور بعض جو مشترک یا خاص میری ملک ہے، وہ ہم دونوں کو یاد ہے۔ ہر ایک قول اس میں انشاء اللہ تعالیٰ قابلِ تصدیق ہے۔

(۱۳) میں اپنے دوستوں کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً بہت تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ علمِ دین کا خود سیکھنا اور اولاد کو تعلیم کرانا ہر شخص پر فرضِ عین ہے۔ خواہ بذریعہ کتاب ہو یا بذریعہ صحبت۔ بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ فتنِ دینیہ سے حفاظت ہوسکے۔ جن کی آجکل بیحد کثرت ہے۔ اس میں ہرگز غفلت یا کوتاہی نہ کریں۔

(۱۴) طالب علموں کو وصیت کرتا ہوں کہ نرے درس و تدریس پر مغرور نہ ہوں۔ اس کا کارآمد ہونا موقوف ہے اہل اللہ کی خدمت وصحبت ونظر عنایت پر۔ اس کا التزام نہایت اہتمام سے رکھیں۔

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق
گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(۱۵) جو مدرسہ دینیہ فی الحال میرے تعلق میں جاری ہے، وہ ایک خاص شان کا مدرسہ ہے، جس کی تفصیل ضروری میرے مشفق مولوی عبداللہ صاحب کی تحریر مسمّٰی بہ ظل صفہ سے معلوم ہوسکتی ہے۔ میرا دل یوں چاہتا ہے کہ میرے بعد بھی اس کے ابقاء کی طرف توجہ رکھی جائے اور اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کی خدمت کی جس کو توفیق دے تو وہ اس کے طرز کو جس کا ایک مہتم بالشان جزو تربیتِ اخلاق و اصلاحِ نفس ہے، نہ بدلے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس میں بہت خیر و برکت کی

اُمید ہے۔

(۱۶) دینی و دنیوی مضرتوں پر نظر کر کے ان امور سے خصوصیت کے ساتھ احتیاط رکھنے کا مشورہ دیتا ہوں۔

۱) شہوت وغضب کے مقتضا پر عمل نہ کریں۔

۲) تعجیل نہایت بری چیز ہے۔

۳) بے مشورہ کوئی کام نہ کریں۔

۴) غیبت قطعاً چھوڑ دیں۔

۵) کثرتِ کلام اگرچہ مباح کے ساتھ ہو اور کثرتِ اختلاطِ خلق بلاضرورتِ شدیدہ و بلا مصلحت مطلوبہ اور خصوصاً جبکہ دوستی کے درجہ تک پہنچ جائے پھر خصوصی جبکہ ہر کس و ناکس کو راز دار بھی بنالیا جائے نہایت مضر چیز ہے۔

۶) بدون پوری رغبت کے کھانا ہرگز نہ کھائیں۔

۷) بدون سخت تقاضا کے ہم بستر نہ ہوں۔

۸) بدون سخت حاجت کے قرض نہ لیں۔

۹) فضول خرچی کے پاس نہ جائیں۔

۱۰) غیر ضروری سامان جمع نہ کریں۔

۱۱) سخت مزاجی وتند خوئی کی عادت نہ کریں۔ رفق اور ضبط وتحمل کو اپنا شعار بنائیں۔

۱۲) ریاء وتکلف سے بہت بچیں۔ اقوال وافعال میں بھی، طعام ولباس میں بھی۔

۱۳) مقتدا کو چاہیے کہ امراء سے نہ بدخلقی کریں، اور نہ زیادہ اختلاط کرے اور نہ ان کو حتی الامکان مقصود بنائے۔ بالخصوص دنیاوی نفع حاصل کرنے کے لیے۔

۱۴)　معاملات کی صفائی کو دیانات سے بھی زیادہ مہتم بالشان سمجھیں۔

۱۵)　روایات و حکایات میں بے انتہا احتیاط کریں۔اس میں بڑے بڑے دیندار اور فہیم لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں۔خواہ سمجھنے میں یا نقل کرنے میں۔

۱۶)　بلا ضرورت بالکلیہ اور ضرورت میں بلا اجازت و تجویز طبیبِ حاذق شفیق کے کسی قسم کی دوا ہرگز استعمال نہ کریں۔

۱۷)　زبان کی غایت درجہ ہر قسم کی معصیت و لایعنی سے احتیاط رکھیں۔

۱۸)　حق پرست رہیں۔اپنے قول پر جمود نہ کریں۔

۱۹)　تعلقات نہ بڑھائیں۔

۲۰)　کسی کے دنیوی معاملہ میں دخل نہ دیں۔

(۱۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ لِنِسَائِهٖ اِنَّ اَمْرَکُنَّ مِمَّا یَهُمُنِیْ مِنْ بَعْدِیْ وَ لَنْ یَصْبِرَ عَلَیْکُنَّ اِلَّا الصَّابِرُوْنَ الصِّدِّیْقُوْنَ۔ (رواہ الترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے بعد اپنی بی بی کی آسائش کی فکر ہونا سنت کے موافق ہے اور امرِ طبعی تو ہے ہی، اس لیے محض اس احتمال پر کہ میرے اہل کا وقت مجھ سے شاید مؤخر ہو جائے، والغیب عند اللہ، میں عام طور پر مگر خاص ان دوستوں کو جن کی طبیعت پر میرے بعد بھی میرے تعلق کا لحاظ غالب ہو، وصیت کرتا ہوں کہ بیس آدمی مل کر اگر ایک ایک روپیہ ماہوار ان کے لیے اپنے ذمہ رکھ لیں تو اُمید ہے کہ ان کو تکلیف نہ ہوگی۔اور باقی اصل سپردگی اللہ تعالیٰ کو کرتا ہوں۔

چونکہ احقر نے آخر رمضان سن ۱۳۳۴ھ میں ایک اور نکاح کیا ہے، لہٰذا ان منکوحہ کے متعلق بھی مثل منکوحہ اولیٰ کے دوستوں کو وصیت کرتا ہوں کہ جب میں نہ ہوں یا خدانخواستہ ان کی خبرگیری سے معذور ہو جاؤں تو خواہ دوسری کے لیے بھی بیس روپے ماہوار کا انتظام کرلیں یا دس روپیہ (زائد) کا انتظام کر کے دونوں کو پندرہ پندرہ پیش کردیں۔

(۱۸) میں اپنے تمام منتسبین سے درخواست کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنی عمر بھر یاد کر کے ہر روز سورۂ یٰسین شریف یا تین بار قل ھو اللہ شریف پڑھ کر بخش دیا کرے مگر اور کوئی امر خلافِ سنت بدعات عوام و خواص میں سے نہ کریں۔

(۱۹) حتی الامکان دنیا و ما فیہا سے جی نہ لگائیں۔ اور کسی وقت فکرِ آخرت سے غافل نہ ہوں۔ ہمیشہ ایسی حالت میں رہیں کہ اگر اسی وقت پیامِ اجل آ جائے تو کوئی فکر اس تمنا کا مقتضی نہ ہو۔ ﴿لَوْ لَآ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَ اَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ ۔ (سورۂ منافقون، آیت: ۱۰) اور ہر وقت یہ سمجھیں ع: شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود۔ اور علی الدوام دن کے گناہوں سے قبل رات کے، اور رات کے گناہوں سے قبل دن کے استغفار کرتے رہیں اور حتی الوسع حقوق العباد سے سبکدوش رہیں۔

(۲۰) خاتمہ بالخیر ہونے کو تمام نعمتوں سے افضل و اکمل اعتقاد رکھیں۔ اور ہمیشہ خصوصاً بعد پانچوں نمازوں کے نہایت لجاجت وتضرع سے اس کی دعا کیا کریں اور ایمان حاصل پر شکر کیا کریں کہ حسبِ وعدہ ﴿لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ﴾ (سورۂ ابراہیم، آیت: ۷) یہ بھی اعظم اسباب ختم بالخیر سے ہے۔ اور اسی کے ساتھ میں اپنے لیے بھی اس دعا کے لیے درخواست کر کے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا بھی ایمان پر خاتمہ فرمائے۔

وصیت نامہ جزئیہ احقر:

نمبر ۱: میرا مکان جدید اور قبرستان جدید یہ دونوں رجسٹری شدہ وقف ہیں، جن کے وقف ناموں کا ذکر نمبر ۸ میں آتا ہے۔

نمبر ۲: میری نشست کی سہ دری واقع خانقاہ میں جتنی چیزیں موجود ہیں اور اسی طرح سہ دری مذکور کے دونوں حجروں میں بھی یعنی حجرہ نمبر ۱ اور حجرہ نمبر ۲ میں مثل کتب و بکس و کاغذات و ظروف و ادویہ و پارچہ و فرش و پردے وغیرہ سب میری ملک ہیں باستثناء ان اشیا کے جن کی تفصیل ایک دفتی پر لکھ کر حجرہ نمبر ۱ کی الماری کے ایک تختہ پر رکھ دی ہے، نیز باستثناء ان پنکھوں کے جو بعض اوقات مسجد سے اس سہ دری میں آ جاتے ہیں اور اسی طرح دستی ڈاک کا لیٹر بکس اور سہ دری کے باہر کے دونوں اعلان مطبوع و قلمی بھی سب میری ملک ہیں۔ نیز سہ دری مذکور کے باہر

اس کے متصل مقفل الماری میں سب بوتلیں وغیرہ اور سہ دری مذکور کے اندر مقفل کھڑکی میں سب لفافے اور کاغذات وغیرہ میری ملک ہیں۔

نمبر۳: دونوں گھروں میں کچھ میری مملوکہ اشیاء ہیں، مثل پارچہ جات وفرش وبستر وبکس اور مختصر ظروف اور چند گملے باستثناء ان اشجار کے کہ گھر کی ملک ہیں، اور مکان جدید کے روئی دار پردے اور کرسیاں اور بعض چارپائیاں وتخت وگھڑونچی اور چارپائیوں کے نیچے رکھنے کے پائے اور بعض متفرق اشیاء جو کہ وقف مکان کے جزو یا مثل جزو کے نہ ہوں (کیونکہ ایسی اشیا جیسے میخیں اور کیواڑ اور الگنی کے بانس تبعاً للوقف وقف ہیں) البتہ فرشی پنکھا مع تار کے وقف نہیں۔

ایسے ہی جن اشیاء کا اتصال عارضی ہے اور جس اتصال کے عارضی یا مستقل ہونے میں تردد ہو یا اختلاف ہو تو فاعل اتصال کی نیت پر اور اس کی تحقیق نہ ہو سکے تو اہل بصیرت کی رائے پر عمل کیا جائے اور ان اشیاء کی تفصیل وتعیین دونوں گھروں سے معلوم کی جائے۔

اور اختلاف وصی یا ورثہ کے وقت شرعی حکم پر عمل کیا جائے اور بعضے نمبروں میں جو اپنی بعض اشیاء مملوکہ کی تصریح کردی ہے وہ تخصیص کے لیے نہیں بلکہ تمثیلاً ایسی چیزوں پر تنبیہ ہے جن کی طرف ذہن نہ جاتا یا تردّد کے ساتھ جاتا۔

نمبر۴: بعد مصارف تجہیز وتکفین ضروری وادائے دیون، جن کی یادداشت کا ذکر نمبر ۷ میں آتا ہے، بقیہ جمیع ترکہ (جس میں میرا دَینِ یافتنی بھی داخل) جس کی یادداشت کا ذکر نیز نمبر ۷ میں آتا ہے، ایک ربع نکال کر اس میں سے اوّل امانات مذکورہ ۵ و ۶ کے متعلق مالکوں کو اطلاع دیں، اور امانات کو ان کے پاس پہنچانے میں جو خرچ ہو وہ اس میں لے لیا جائے۔

پھر اس ربع کے بقیہ کو مصارفِ خیر میں خاص اسی ترتیب سے جو ابھی مذکور ہوتی ہے صَرف کیا جائے۔ اس ربع میں میری وہ کتب بھی ہیں جن پر لفظ وقف نہ لکھا ہو، ان کتابوں کو مدرسہ امداد العلوم میں کیا جائے۔ اور اگر اس کے قبل کسی اور مدرسہ کے لیے وصیت لکھی ہوئی پائی جائے، اس سے رجوع کرتا ہوں، اور جن کتابوں پر وقف لکھا ہے اس پر جس مدرسہ کا نام لکھا ہے وہ بحالہا اسی کے ساتھ مخصوص رہیں گی۔

اور اس ربع میں خانقاہ کی سہ دری نشست کے ٹاٹ کے پردے اور جاجم کے نیچے بچھی

ہوئی چٹائیاں اور دوسری سہ دری ملحقہ کی ایسی ہی بچھی ہوئی چٹائیاں اور سامنے کے پا انداز ٹاٹ اور اسی طرح ایک اور دو حجروں کی بچھی ہوئی چٹائیاں بھی داخل ہیں۔ یہ سب اپنی اپنی جگہ بطور وقف چھوڑ دی جائیں۔

اسی طرح سہ دری کے سامنے سائبان میں جو مصلیٰ ٹاٹ کے استر کا بچھا ہے محراب مسجد میں بچھا دیا جائے (اور کھڑی ہوئی چٹائیاں یا جاجم کے اوپر بچھی ہوئی اور خود جاجم اس میں داخل نہیں۔)

اور اس ربع میں العدور و النذور کے نسخے بھی ہیں۔ ان کو جہاں تک آسانی سے پہنچانا ممکن ہو پہنچایا جائے۔ خصوصاً اہلِ خلاف کو، اور اسی ربع میں تنبیہات کے بعض تتمے بھی ہیں، شائقین کو دیے جائیں۔

اور اسی ربع میں اُردو اور عربی کے شجرے بھی ہیں۔ یہ مانگنے والوں کو دے دیے جائیں اور ان تتموں اور شجروں کی اطلاع کا ایک اعلان بقلم جلی لکھ کر آویزاں کر دیا جائے۔ اور اس ربع میں ردی کاغذات بھی ہیں، جن کا اکثر حصہ سہ دری مذکورہ کے شرقی حجرہ میں ایک معمولی بکس میں رہتا ہے۔ یہ غیر ورثہ میں سے جس کو چاہیں دے دیں۔ اور اگر ورثہ میں سے کوئی لینا چاہیں ان کو بہ قیمت دی جائے۔ پھر وہ قیمت اس ربع میں داخل ہو جائے گی۔

اور اس ربع میں وہ چیزیں بھی داخل ہیں جو تجہیز کے بعد بچ جاتی ہیں، جیسے غسل کے گھڑے، بدھنے (اگر اتفاقاً منگا لیے گئے ہوں)، چارپائی، اوپر کا چادرہ یا کوئی اور بچا ہوا تختہ، یہ چیزیں مساجد یا مساکین یا ہر دو میں صرف کر دیں۔ بعینها یا بقیمتها۔

اور اس ربع میں وہ مسواکیں بھی ہیں جو حجرہ کی غربی دیوار کے طاق میں رکھی ہیں، وہ جس کو چاہیں تقسیم کر دیں اور اس ربع میں قبرستان کی بچی ہوئی اینٹیں اور وہاں کی ڈولچیاں بھی ہیں۔ اسی طرح قبرستان یا مکان جدید میں جو آلات تعمیر کے ہیں، مثلاً تشلہ و چھلنہ و کھرپہ و پھاوڑا و بلی، یہ سب اس ربع میں داخل ہیں۔

اینٹوں سے بلی تک کی اشیاء کا مصرفِ اوّل قبرستان ہے، خواہ بعینها یا اس کی قیمت تیاری باڑ و خدمت اشجار و تنخواہ خادم و خرید ضروریات میں صرف کی جائے، اور اگر قبرستان میں حاجت نہ ہو تو باستثناء ڈولچی کہ قبرستان کے کنویں پر رہنا چاہیے، ان بقیہ اشیاء کا مصرف مدرسہ امداد العلوم

ہے۔ اینٹیں تو بعینہا اگر تعمیر کی حاجت ہو، ورنہ بقیمتہا اور اگر دیگر اشیاء اشیاء بقاء عین کے ساتھ اور ہر حال میں جب تک ان اشیاء کا عین باقی رہے قبرستان مدرسہ و ہر دو مکان میں سے جہاں بھی حاجت ہو استعمال کے لیے دی جایا کریں۔

اور اس سامانِ تعمیر میں تارکول و فنائل و سیمنٹ و امثالہا داخل نہیں۔ وہ دیگر اشیاء کے ترکہ میں ہیں اور اگر ربع میں ان جمیع اشیاء مذکورہ نمبر ہذا کی گنجائش نہ ہو تو مصرف اطلاع و رد امانات تو ہر حال میں مقدم ہے۔ بقیہ ان سب مصارف پر حصہ رسد تقسیم کر دیا جائے۔

اور اگر ان سب مصارف کے بعد بھی ربع میں سے کچھ بچ جائے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اوّل قبرستان کی باڑ و خدمتِ اشجار و تنخواہ عامل میں وقت احتیاج تک صرف ہوتا رہے، اور بعد ختم احتیاج وہ بقیہ دونوں گھروں میں نصف نصف دے دیا جائے کہ وہ اپنی رائے سے مصارف خیر میں صرف کر دیں۔ یہ تو ربع کا ذکر تھا۔

باقی تین ربع ورثہ شرعیہ میں تقسیم کیا جائے اور اس ترکہ میں وہ کنجیاں بھی ہوں، جو علاوہ آہنی چھلوں کی کنجیوں کے (جو کہ ہر وقت کے مستعمل قفلوں کی ہیں، اور وہ بھی داخل ترکہ ہیں) میرے ڈیسک کی ایک تھیلی میں رکھی ہیں۔ ان میں بعض کنجیاں تو مثنیٰ ہیں۔ وہ تو جو قفل جس طرف جائے اس کے تابع ہیں اور بعض کنجیاں بے کار ہیں۔ وہ دیگر اشیاء میں شامل کر دی جائیں، البتہ ان میں ایک کنجی مدرسہ کی ہے جو کہ فلاں کو معلوم ہے۔

نمبر ۵: امانات کی تھیلیوں یا لفافوں میں جو کہ میری ملک ہیں، اہلِ امانات کے نام اور پتے اور کچھ یادداشتیں لکھی ہوئی ہیں۔ ان پتوں پر ان لوگوں کو مع ان یادداشتوں کے بذریعہ خط رجسٹری کے اطلاع کی جائے۔ اس اطلاع میں جو صرف ہوگا، اس کا ذکر نمبر ۴ میں آچکا ہے۔ اگر کوئی صاحبِ امانت زندہ نہ ہوں تو ان کے ورثاء کو اسی طرح اطلاع کی جائے۔ اگر کوئی وارث نابالغ ہو، اس کا حکم نمبر ۶ میں آتا ہے اور جواب نہ آئے تو علماء سے حکم شرعی پوچھ کر اس پر عمل کیا جائے اور تحقیق ورثہ میں بھی اسی مد اطلاع سے صرف ہوگا، اور جس میں کچھ لکھا ہوا نہ ملے یا لفظ ذاتی لکھا ہوا ملے، وہ میری ملک ہے اور شاملِ ترکہ ہے۔

اور شاید کسی تھیلی میں لفظ حساب مشترکہ لکھا ہوا پایا جائے۔ یہ وہ رقم ہے جس کو میں ہر مہینہ

کے ختم پر گھروں میں تقسیم کر دیتا تھا۔ مگر قبل تقسیم وہ میری ملک ہے۔ اس میں تقسیم نہ ہوگی۔ البتہ ربع اس کا بھی نکال کر ربع مذکور نمبر ۴ میں شامل کر دیا جائے اور اس تھیلی میں اگر کسی اہلیہ کے نام پر کوئی رقم جمع شدہ نظر آ جائے، وہ ان کو تملیکاً بہ توقع دوسری کو مساوی کر دینے کے دی گئی ہے، مگر نہ .... وہ ان سے واپس لی جائے، نہ دوسری کو عدل کے واسطہ اتنی دی جائے، کیونکہ عدل واجب حیات کے ساتھ منقطع ہو چکا، اور نیت کے سبب عدمِ عدل کا مواخذہ بھی نہ ہوگا۔ البتہ اگر ایک کو حالت یاس میں دینا حجتہ شرعیہ سے ثابت ہو جائے تو وہ واپس کر لیا جائے۔

نمبر ۶: متعلقہ مبلغ (کذا) از (فلاں) محلّہ (فلاں) شہر (فلاں) برائے ایصال ثواب بوالد خود مولوی (فلاں) و متعلقہ مبلغ (فلاں) از (فلانہ) معرفت (فلاں) مقام (فلاں) ان دونوں رقموں کی کتابیں مسمّٰی بہ (فلاں) میاں (فلاں) تاجر کتب (فلاں) سے وصول کر کے دونوں صاحبِ رقم کو نشان بالا پر بذریعہ خط رجسٹری اطلاع کی جائے کہ یہ کتابیں اتنی تعداد میں آپ کی رقم سے تیار ہوئی ہیں، ان کو کیا کیا جائے، اگر کوئی صاحب رقم زندہ نہ ہوں، ان کے ورثاء سے پوچھا جائے، مگر نابالغ کا حصہ ہر حال میں انہی کو پہنچایا جائے، اور اگر جواب نہ آئے تو مدرسہ امداد العلوم یا اس کے متعلق مجلسِ خیر میں داخل کر کے فروخت کر کے اس کی ضروریات میں خرچ کریں اور اگر کوئی خبر محقق آ جائے تو موجودات میں بتفصیل مذکور فی اطلاع الورثہ عمل کریں، اور صرف شدہ کا ضمان رقم مجلس سے ادا کر دیں۔ نابالغوں کو تو ضرور اور بالغوں میں جو مطالبہ اپنے حق کا کریں، اور اس میں جو صرف ہو اس کا ذکر نمبر ۴ میں آ چکا ہے۔

نمبر ۷: میرے ذمہ جو کسی کا دَین ہے یا اوروں کے ذمہ میرا دَین ہے، اس کی تفصیل میرے ڈیسک کے ایک دراز میں ایک کرمچ کے بٹوے میں ہے اور کبھی مکان خورد کے کمرہ خورد کی الماری میں چوبی صندوقچہ میں بھی رکھ دی جاتی ہے، اور احتیاطاً سیاہ جلد والی بیاض میں بھی تلاش کر لیا جائے، اور اس بیاض میں بعض اور سرخیاں بھی نظر آئیں گی، ان کا وصیت سے کوئی تعلق نہیں، البتہ ایک سرخی ملے گی حساب طعام خانہ۔ اس کا مفہوم وہ خرچ ہے جو اپنے کھانے کی بابت گھروں میں دیتا ہوں، ان سے پوچھ لیا جائے کہ ان کا کچھ باقی ہے، یا میرا کچھ نکلتا ہے۔ وہ دَین کی فرد ہے۔

نمبر ۸ : خانقاہ کی ....نشست کی سہ دری میں جو مقفل کھڑکی ہے، اس کے ایک گوشے میں ٹین کے نلکہ کے اندر ضروری کاغذات وقف وغیرہ کے متعلق رکھے ہیں۔ وہ متولی وقف کو دے دیے جائیں۔ جس کا نام اسی وقف نامہ سے معلوم ہوگا۔ نلکہ بھی کاغذات کی تبعیت میں وقف ہے۔

نمبر ۹ : میرے بعد میرے نام کے خطوط خواہ لفافے میں ہوں یا کارڈ یا جوابی ہوں یا غیر جوابی، اسی طرح منی آرڈر بھی وصول نہ کیے جائیں بلکہ ان پر کیفیت لکھ کر واپس کر دیے جائیں۔ البتہ اگر کوئی منی آرڈر کوپن سے مدرسہ کا معلوم ہو تو ڈاک والے اگر وعدہ کریں کہ مرسل کا خط دیکھ کر ہم واپس دے دیں گے تب تو جس قدر قانون میں گنجائش ہو ڈاک خانہ میں امانت رکھا کر مرسل کے پاس خط بھیج کر دریافت کر لیا جائے، اور اس خط کا محصول میرے اس ربع سے دے دیا جائے جس کا ذکر نمبر ۴ میں گزر چکا ہے، پھر وہ خط اہلِ ڈاک کو دِکھلا کر منی آرڈر وصول کر لیا جائے۔ اور اگر اس طرح وصول کرنا خلافِ قواعد ڈاکخانہ ہو تو ابتداء ہی میں واپس کر دیا جائے۔

نمبر ۱۰ : میرے ایصالِ ثواب کے لیے کبھی جمع نہ ہوں۔ نہ اہتمام سے نہ بلا اہتمام۔ اگر کسی دوسرے اتفاق سے بھی جمع ہو جائیں، تو تلاوت وغیرہ کے وقت قصداً متفرق ہو جائیں اور ہر شخص منفرداً بطور خود جس کا دل چاہے دعا و صدقہ و عبادتِ نافلہ سے نفع پہنچائے نیز میری مستعمل چیزوں کے ساتھ متعارف طریق سے تبرکات کا سا معاملہ نہ کریں البتہ اگر کوئی محبت سے شرعی طریق سے اس کا مالک بن کر مخفی طور پر اپنے پاس رکھے مضائقہ نہیں۔ اس کا اعلان اور دوسروں کے دِکھلانے کا اہتمام نہ کیا جائے۔

ضمیمہ

۱۔ تمام نسخے رافع الفنک غیر مجلد تقسیم کے لیے ہیں اور شیخ (فلاں) صاحب کی مملوک ہیں۔

۲۔ تمام نسخے غیر مجلد ہدیہ سنیہ و تقلیل الاختلاط مع الانام اور اسرار العبادۃ تقسیم کے لیے ہیں اور مملوکہ حاجی (فلاں) صاحب کے ہیں۔ ان سب کے ساتھ مثل دیگر امانات کے معاملہ کیا جائے، جس کی تفصیل وصیت نامہ نمبر ۵ میں ہے۔ اور اگر انہی کتابوں کے نسخے حجرہ نمبر ۲ میں پائے جائیں وہ میری ملک ہیں۔ اسی طرح اسی حجرہ کی رسّی پر جو کپڑے رکھے ہیں وہ مساکین کے

لیے ہیں۔ میں ان کی تقسیم میں وصی ہوں۔ یہ تقسیم کر دیے جائیں۔

۳۔ لمبی تپائی مولوی (فلاں) کی ہے۔ وہ ان کو دے دی جائے۔

۴۔ سہ دری میں جو گھڑی گھنٹہ دار رکھی ہے یہ مدرسہ کی ہے۔

۵۔ سہ دری میں کھونٹی پر جو چوبی تختی رمضان کے نقشہ کی ہے وہ بھی میری ملک نہیں۔

۶۔ لفافہ دان جو میری چوکی کے برابر رکھا رہتا ہے، اس کے سب سے اخیر اور نشیبی درجہ میں اور اسی سہ دری کی جنوبی دیوار کے بڑے طاق میں باستثناء رسائل کہ وہ میری ملک ہیں، اکثر کچھ کاغذات رہتے ہیں وہ دوسروں کی ملک ہیں۔

مطبوعات پر تو مالکوں کے نام ہیں، ان کو دے دیے جائیں اور خالی لفافہ بلانمبر یا جوابی کارڈ بلانمبر کاتبوں کے پاس مع اطلاع واقعہ بھیج دیے جائیں اور نمبر دار لفافے یا کارڈ استفتوں کے متعلق ہیں، انہی نمبروں کے فتوے کاتب یا ناقل فتاویٰ سے لے کر بھیج دیے جائیں۔ اور اگر ان نمبروں کے فتوے نہ ملیں، گم ہو جانے کی اطلاع کر دی جائے اور جن پر لفظ لقطہ لکھا ہو، وہ مصارفِ لقطہ میں صرف کیے جائیں۔ اسی طرح جن میں ٹکٹ ہو اور پتہ نہ ہو وہ بھی لقطہ ہے۔

نوٹ: (متعلق وصیت نامہ ماقبل) ان وصایا میں مولوی شبیر علی کو وصی بناتا ہوں۔ اور ان کو دو مشورے دیتا ہوں۔

ایک یہ کہ ان وصایا کی تنفیذ کے وقت کسی متدین خوش فہم عالم کو بھی شریک کر لیں۔ دوسرے یہ کہ تنبیہات وصیت مدرسہ سے یا اور کہیں سے لے کر اور اس کے تتمات میرے ڈیسک میں سے نکال کر ان پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔ ان میں جو وصایا مقتضائے وقت ہوں، ان پر بھی عمل یا ان کا اعلانِ خاص یا عام کیا جائے، اور ان کے کسی جزو میں اگر تعارض ہو، اخیر پر عمل کیا جائے، جس کی تعیین تاریخِ کتابت سے ہو جائے گی۔

مزید تفصیلات:

۱۔ مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں جو کتب احقر کے آنے سے پہلے کی ہیں، ان کو مع ان کی فہرست کے جدا رکھا گیا ہے، اور جو کتب میری معرفت آئی ہیں، وہ مع فہرست جدا ہیں۔ اور واقفین نے ان کی نقل وغیرہ کا مجھ کو پورا اختیار دیا ہے، اس لیے میں نے یہ تجویز کیا ہے کہ اگر

خدانخواستہ کسی وقت یہاں ان سے انتفاع نہ ہو سکے تو مدرسہ دیوبند میں ان کو منتقل کر دیا جائے۔

۲۔ مولوی ظفر احمد کو وصیت کرتا ہوں کہ جو مواعظ میری نظرِ اصلاح سے رہ جائیں بشرکت مولوی شبیر علی یا خواجہ عزیز الحسن یا حکیم محمد مصطفیٰ یا اور جو ان کی نظر میں صالح للا عانت ہوں ان کی معیت میں ان پر منجانب مجلس نظر اصلاحی کرلیں۔

۳۔ میں نے مختلف اوقات میں جن صاحبوں کو بیعت لینے اور تعلیم وتلقین کی اجازت دی ہے، ان میں سے بعض حضرات (اگر چہ وہ قلیل ہی ہیں) مجھ سے خط وکتابت اس قدر کم رکھتے ہیں کہ وہ ان کے حالاتِ موجودہ کے اندازہ کرنے کے لیے کافی نہیں، اور اجازت کی حالت کا (کہ ان کا حاصل حالاً درستی اور بنا بر مناسبت مالاً توقع رسوخ ہے) متغیر ہو جانا کچھ مستبعد نہیں۔

"فَاِنَّ الْحَیَّ لَا تُؤمَنُ عَلَیْہِ الْفِتْنَۃُ"

بلکہ یہ احتمال بعد راسخ ہو جانے کے بھی محال نہیں، اگرچہ نادر بحکم معدوم ہے، کیونکہ رسوخ واقعی کا جس میں تغیر عادۃً محال ہے علم قطعی کس کو ہو سکتا ہے، اور ظن کی خود حقیقت جانب مخالف کے مہتم ہونے کو بتلا رہی ہے۔

اس لیے احتیاطاً سب مجازین کے متعلق، بالخصوص مکاتبت نہ رکھنے والوں کے بارے میں یہ عرض ہے کہ ان سے رجوع کرنے میں محض میری اجازت پر اعتماد نہ رکھیں بلکہ جو علامات احقر نے تعلیم الدین میں صاحبِ کمال کی لکھی ہیں، ان پر منطبق کر کے عمل کریں۔ میں اپنے بعد اس کا بار نہیں رکھنا چاہتا۔ (ماخوذ از وصایا منتخبہ اشرف السوانح، ج:۳،ص:۱۱۳۔ مطبوعہ ادارۂ تالیفات اشرفیہ، ملتان۔ مذکورہ وصایا سے متعلق مزید جملہ تفصیلاتِ جزئیہ کے لیے اشرف السوانح کا مطالعہ فرمائیں۔)

ارشاداتِ حکیمانہ حکیم الامتؒ

فرمایا: اگر نفس کے ضروری حقوق میں یا عیال کے حقوق میں کسی قسم کی بھی کوتاہی کا احتمال ہو تو اس حالت میں یہاں (یعنی خانقاہ میں) قیام کرنا نافع نہیں۔ (رسالہ المبلغ، حصہ ۴)

ف: سبحان اللہ آپ کے یہاں حدودِ شرع کی کیسی کچھ رعایت تھی وہ اظہر من الشّمس ہے۔ اسی کو توسط واعتدال کہتے ہیں جو اس اُمت کا طرۂ امتیاز ہے۔

فرمایا: مجھ کو ایسی پارٹی بندی پسند نہیں کہ ایک ہی خیال ومشرب کے ہوکر نسبتوں سے فرق ظاہر کریں جیسے ایک صاحب نے اپنے نام کے ساتھ اشرفی لکھا تھا، بلا ضرورت ایسی نسبتیں متضمّنِ مفاسد ہیں۔(حوالہ بالا)

ف: یہ بھی حضرت کی حقانیت اور للّٰہیت کی بات ہے کہ اپنی طرف نسبت کو بھی گوارا نہ فرمایا۔ مگر افسوس کہ اب ہم لوگوں کا یہ حال نہیں ہے۔(مرتب)

فرمایا: میں اپنے دوستوں کو مشورہ دیتا ہوں اور خود بھی اس پر عامل ہوں کہ حق تعالیٰ سے اپنی بہبود اور فلاح کے لیے دعا کریں۔ یہ بڑا عمل ہے اور اس سے بڑا عمل یہ ہے کہ خدا کے راضی کرنے کی فکر میں لگ جائیں۔ اگر مسلمان ایسا کریں تو چند روز میں انشاء اللہ کایا پلٹ ہوجائے۔ حقیقی مالک تو حق تعالیٰ ہی ہیں، اس لیے انہی سے مانگو۔

ف: یقیناً فلاح وبہبود حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے جو حضرت حکیم الامتؒ نے ارشاد فرمایا۔ کاش کہ ہم مسلمان اس پر عمل پیرا ہوجاتے تو پھر کام بن جاتا۔(مرتب)

فرمایا: روزی کا مدار عقل پر نہیں، محض عطائے حق پر ہے۔ ایسے لاکھوں ہزاروں ہیں کہ وہ بیوقوف ہیں مگر ان کو رزق عقل والوں سے ہزار درجہ زائد مل رہا ہے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (سورۂ رعد، آیت:۲۶) اللہ تعالیٰ جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے۔

اس لیے اس کا ملنا غیر اختیاری ہے چنانچہ بعض لوگ ساری عمر افلاس میں گزار جاتے ہیں۔ پس اگر کسی کو وسعتِ رزق میسر ہوجائے تو اس کی قدر کرنی چاہیے اور اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ کفرانِ نعمت نہ ہونے پائے۔

ف: یہ نصیحت ہر صاحبِ دولت ونعمت کو پیش نظر رکھنا لازم ہے تاکہ شکرِ نعمت ادا ہو، وباللہ التوفیق۔(مرتب)

فرمایا: میری رائے ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ بلا توسط کسی تفسیر کے مثل دوسرے متونِ کتاب کے محقق استاذ سے سبقاً سبقاً پڑھنا چاہیے۔ ایسا نہ ہونے سے طلبہ کو قرآن مجید سے مناسبت نہیں ہوتی، یہ خود ایک مستقل مقصود ہے اس لیے اہلِ مدارس کو اس کی طرف توجہ کرنی

چاہیے۔(حوالۂ بالا)

ف : بہت ہی تجربہ کی بات ہے، حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ بھی اس کی طرف رغبت دلاتے تھے۔(مرتب)

فرمایا: مجھ کو یہ بات بہت ہی ناپسند ہے کہ لوگ دوسروں کو بہکا بہکا کر مرید کرانے کے لیے لاتے ہیں۔ یہ بڑی غیرت کی بات ہے۔

ف : سبحان اللہ! کیسی عمدہ بات ارشاد فرمائی جونقشِ قلوب کیے جانے کے لائق ہے۔ خصوصاً حضرت حکیم الامتؒ کے منتسبین کیلئے۔ اور یہ بات تو عقلاً بھی قبیح معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ جب طالب کے اندر مطلوبیت کی شان پیدا ہو جائے گی تو بھلا اس کو شیخ سے کیا نفع ہوگا؟(مرتب)

فرمایا کہ: روپیہ کو حفاظتِ دین کا ذریعہ بنانا، اس کی اعلیٰ درجہ کی قدردانی ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اس قدر قدر کرو کہ دین کی بے قدری ہونے لگے۔ اگر دونوں کو جمع نہ کرسکو تو پھر دنیا کو دین پر نثار کردو اور اگر جمع کرسکو تو کرو مگر اس کی شرط یہی ہے کہ دین محفوظ رہے۔ حقوقِ واجبہ ادا ہوتے رہیں۔ ورنہ وہ مال وبالِ جان بلکہ وبالِ ایمان ہو جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ نعمت کی قدر ہونی چاہیے مگر نہ اتنی کہ منعم کی بے قدری ہونے لگے...... ہمارے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ عاشق احسانی ہیں۔ عاشق ذاتی وصفاتی نہیں، اس لیے کہ جب تک آرام سے رہتے ہیں کچھ محبت رہتی ہے اور تکلیف میں کچھ بھی نہیں رہتی۔

نعمتِ مال کی بے قدری کی دو صورتیں ہیں ؛ ایک اسراف، دوسرے بخل۔ اسی لیے اسراف اور بخل دونوں کی ممانعت ہے۔ یعنی اگر مال غیر مستحق کو دیا تو یہ اسراف ہوگیا اور اگر مستحق کو بھی نہ دیا تو یہ بخل ہے۔ اور یہ دونوں ہی صورتیں نعمتِ الٰہی کی بے قدری کی ہیں۔

پھر بخل اور اسراف میں بھی فرق ہے یعنی دونوں ہی برے ہیں مگر اسراف بخل سے زیادہ برا ہے اس لیے کہ اسراف بعض اوقات افلاس کا سبب ہو جاتا ہے اور افلاس کفر ہے، رہا بخل تو اس سے کفر نہیں ہوتا۔

اس لیے میں عوام کے خیال کے خلاف اسراف کو زیادہ برا سمجھتا ہوں۔ جس کی وجہ ظاہر

ہے کہ بخیل کو حاجات میں پریشانی نہیں ہوتی اور مسرف کو پریشانی ہوجاتی ہے اور اس پریشانی میں اپنا دین تک چھوڑ دیتا ہے۔ (رسالہ المبلغ، جمادی الاول ۱۳۵۸ھ)

ف: حضرت حکیم الامتؒ کا یہ ملفوظ نہایت جامع اور بصیرت افروز ہے لہٰذا اس کا مطالعہ بغور کریں اور اس کے مطابق کاربند ہوں۔ (مرتب)

فرمایا: سرکشی، تمرّد دربارِ الٰہی میں بیحد ناپسند ہے۔ ان کے دربار[1] میں تو عاجزی، عبدیت، انکساری، بندگی، تواضع، خضوع جیسی صفات پسندیدہ ہیں۔

فرمایا: اصلاح کا باب نہایت ہی نازک ہے۔ ہر شخص اصلاح نہیں کرسکتا جیسے ہر شخص طبیب نہیں بن سکتا اور علاج نہیں کرسکتا۔ چنانچہ صالح بننا سہل ہے مگر مصلح بننا مشکل ہے جیسے تندرست ہونا آسان مگر معالج بننا مشکل ہے۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی حکمت و دانائی کی باتیں ہیں جو آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ (مرتب)

فرمایا: محض محبتِ طبعی سے کام نہیں چلتا بلکہ محبتِ عقلی کی ضرورت ہے خواجہ ابوطالب کو حضور ﷺ کے ساتھ طبعی محبت تھی مگر عقلی نہ تھی، اس لیے وہ کچھ بھی کام نہ آئی۔ اگر ان کو عقلی محبت ہوتی تو سب سے پہلے وہی ایمان لاتے۔

ف: بہت ہی نکتہ کی بات ارشاد فرمائی جس سے خواجہ ابوطالب کے ایمان نہ لانے کا مسئلہ بخوبی حل ہوگیا۔ (مرتب)

فرمایا: سلامتی اس میں ہے کہ شغل سے خالی نہ رہے خواہ دنیا ہی کے کسی جائز کام میں مشغولی ہو۔ ہر حال میں شغل بے شغلی سے اچھا ہے۔ تجربہ ہے کہ جب انسان بالکل خالی ہوتا ہے اس پر شیطان مسلط ہوجاتا ہے۔

---

[1]: مناسب مقام ہونے کی وجہ سے 'مکتوباتِ معصومیہ' سے یہ مضمون پیش خدمت ہے۔ امید ہے کہ ناظرین کرام مفید ہونے کی وجہ سے پسند فرمائیں گے: ''حلقۂ ذکر کا اہتمام اور اس پر دوام رکھیں اور تنہائی اور خلوت کی طرف راغب رہیں، چنانچہ دن رات میں گھڑی دو گھڑی اس کے لیے نکالیں اور اس وقت ذکر و فکر کرنے، اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کو یاد کرنے اور توبہ و استغفار کرنے اور اپنے تمام کمالات بلکہ اپنے وجود ہی کی نفی کرنے اور اپنی تمام مرادات کی نفی کرنے کو غنیمت سمجھنا چاہیے، اور بقیہ اوقات کو افادہ و استفادہ میں صرف کرنا چاہیے۔ (مرتب)

ف: اسی لیے حضرت عمرؓ فرماتے تھے "اِنِّیْ لَاَکْرَہُ اَنْ اَرَیٰ اَحَدَکُمْ سَبَھْلَلاً لَا فِی عَمَلِ الدُّنْیَا وَ لَا فِی عَمَلِ الْاٰخِرَۃِ" میں ایسا آدمی پسند نہیں کرتا جو بیکار رہو، نہ دین کا کام کرے اور نہ دنیا کا۔ (مرتب)

فرمایا: آفت آج کل یہ ہے کہ کام شروع کرتے ہی ثمرات کے طالب ہوجاتے ہیں۔ ارے میاں! کیا ثمرات لیے پھرتے ہو، یہی کیا تھوڑا ہے کہ کام میں لگ جانے کی توفیق عطا فرمادی گئی ہے۔

ف: سبحان اللہ! کتنی معرفت کی بات فرمائی۔ (مرتب)

فرمایا: قربِ الٰہی کے لیے ظاہر و باطن دونوں کی تکمیل اور درستی کی ضرورت ہے۔ یہ افراط اور تفریط ہے کہ بعض نے ظاہر سے انکار کردیا اور بعض نے باطن سے۔

(رسالہ المبلّغ، جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ)

فرمایا: مجھ کو کسی اور بات کا اتنا اہتمام نہیں جس قدر تہذیب اخلاق و دیانت کا ہے کیونکہ درس و تدریس کا اہتمام تو ہر جگہ ہوتا ہے لیکن اخلاق کی طرف کسی کو خیال بھی نہیں ہے۔

(بصائر، ص: ۵۴ مؤلفہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ)

ف: اصلاح اخلاق ہی کے نہ ہونے کی وجہ سے تو درس و تدریس کی جگہوں میں بھی فساد رونما ہے جبکہ اس کی ضرورت ہر فرد اور ہر جماعت کو ہے بلکہ فرض ہے مگر عوام تو عوام اکثر خواص کو بھی اس کی طرف توجہ نہیں ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ (مرتب)

فرمایا: دین صرف چند ظاہری اعمال مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کا نام نہیں ہے بلکہ سب سے بڑھ کر تو عقائد کا درجہ ہے جس پر نجات کا دارومدار ہے۔ اور ایک درجہ اخلاقِ حمیدہ مثلاً اخلاص، صبر، شکر اور تواضع وغیرہ کا ہے۔ یہ بھی محققین کے نزدیک نماز روزہ ہی کی طرح فرض ہے۔ اگر کوئی چند اعمال ظاہری کو پورا کرلے مگر نہ عقائد درست ہوں اور نہ اخلاق درست ہوں تو ایسی صورت میں اس کو پورا مسلمان نہ کہا جائے گا۔ (بصائر، ۱۲۸۔ از انفاس عیسیٰ)

ف: ماشاء اللہ کیا ہی خوب توضیح فرمادی جو قابلِ استحضار ہے۔ اور یقیناً لائحۂ عمل بنانے کے لائق ہے۔ (مرتب)

فرمایا: کامل وہ ہوتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کا پورا متبع ہو۔ طریقِ سنت میں اعتدال ہے، افراط وتفریط نہیں ہوتی۔ (حکیم الامتؒ، ص: ۹۹، مؤلفہ سیّد محمود حسن صاحب)

ف: اس سے طریقِ سنت کی کیسی اہمیت معلوم ہوئی۔ ظاہر ہے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کی شاہراہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے تک پہنچنے کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ بغیر اس راہ پر چلے کوئی اللہ تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔

چنانچہ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید

کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

یعنی جس نے حضور اقدس ﷺ کے طریق کے خلاف راہ اختیار کی تو وہ ہرگز منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

فرمایا: اصلی شیخ وہی ہے جس سے غم وغصہ، رنج وراحت وغیرہ کے تمام احوال میں سبق حاصل ہو۔ (حکیم الامت، ص: ۹۹۔ مؤلفہ سیّد محمود حسن صاحب)

ف: اس لیے کہ شیخ اگر آرام وراحت میں تو صراطِ مستقیم پر رہے اور غم وغصّے میں از خود رفتہ ہو جائے تو بھلا مرید اس سے کیا نصیحت حاصل کرے گا۔ وہ تو خود ہی ناقص اور لائقِ اصلاح ہے ع: او خویشتن گم است کرا رہبری کند

یعنی وہ خود ہی گمراہ ہے تو دوسروں کی کیا رہبری کرے گا۔ (مرتب)

فرمایا: مجھے محبت تو سب احباب ومتعلقین سے ہے لیکن ایسا تعلق کسی سے نہیں کہ دل اٹکا رہے۔ یہ تعلق تو بس اللہ ہی سے رکھا جائے، اگر توفیق ہو۔ (حکیم الامت، ص: ۱۷۸)

ف: سبحان اللہ! کیسی جامعیت تھی کہ دونوں قسم کے حقوق کی رعایت فرمائی اور اپنے قلب کی حفاظت کا کیسا اہتمام فرمایا کہ سوا اللہ تعالیٰ کے کسی غیر سے دل متعلق نہ رہا۔ (مرتب)

فرمایا: موحد کو ایسا اطمینان ہوتا ہے کہ جیسا کہ بچہ کو ماں کی گود میں اطمینان ہوتا ہے۔ بچہ ماں کی گود میں جا کر بالکل بے فکر ہو جاتا ہے کہ بس اب کسی کا خوف نہیں۔ (حوالۂ بالا)

فرمایا: کامل یکسوئی کا انتظار فضول ہے۔ یہ تو دنیا میں پھنس کر ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کے

حصول کا طریقہ یہ ہے کہ اسی پریشانی کی حالت میں تعلق مع اللہ کا سلسلہ بھی شروع کردو۔ پھر رفتہ رفتہ اطمینان بھی نصیب ہو جائے گا ورنہ عمر یونہی ختم ہو جائے گی اور یکسوئی نصیب نہ ہوگی۔

ف: بڑی ہی حکمت اور دانائی کی بات فرمائی جو ہم جیسے لوگوں کے مرض کا بہترین علاج ہے۔ یہ حضرت حکیم الامتؒ کی خصوصی باتیں ہیں جو ارشاد و تربیت کے باب میں آپ کی مہارت پر دال ہیں۔ (مرتب)

فرمایا: بندہ کا کام تو ہر حال میں بندگی ہے۔ کتنی ہی بدمزگی ہو اور کسی قدر بے لطفی ہو پریشان مت ہو۔ برابر کام کیے جاؤ۔ دھن لگائے رکھو۔ اگر عمل میں اخلاص نہ ہوتا ہم عمل نہ چھوڑو کہ کبھی عمل کرتے کرتے اس کی برکت سے بھی اخلاص پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ ان دونوں میں تجاذب ہے۔ (یعنی ایک دوسرے کی طرف کشش ہے)

ف: سبحان اللہ! کیسی تسلی کی باتیں ہیں جو سالکینِ راہ کے لیے مینارۂ نور اور اللہ تعالیٰ کے طالبین کے لیے آبِ زلال (شیریں) سے کم نہیں۔ (مرتب)

فرمایا: اصل مقصود احکام کی پابندی ہے۔ لذت مقصود نہیں۔ پس اگر کوئی شخص احکام کو پابندی سے بجالاتا ہو، گو لذت اور مزہ نہ ہو تو مقصود سے کامیاب ہے۔

ف: حضرت حکیم الامتؒ کا یہ ارشاد سلوک و تصوّف کی روح ہے بلکہ اصل دین ہے جس کو نہ سمجھنے سے طالبین پریشان رہتے ہیں جبکہ وہ احکامِ الٰہیہ کی پابندی بھی کرتے ہیں مگر کیف و لذت کے عدم حصول سے یاس و نا اُمیدی تک کے شکار ہو جاتے ہیں جو شرعاً قباحت سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اصل طریق کو سمجھنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور مقصود و غیر مقصود میں تمیز کی فہم عطا فرمائے۔ (مرتب)

فرمایا: مسلمان کے لیے یہی ایک (کارآمد) چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راضی کرنے کی سعی میں لگا رہے۔ اگر وہ راضی ہیں تو اس نے سب کچھ پالیا اور حاصل کرلیا ورنہ تو اگر اس کو دنیا و مافیہا بھی مل جائے تو مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی۔

ف: حدیث شریف ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی وقعت مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتے۔ کاش کہ ہم سب مسلمان اس بات کو سمجھتے تو

اپنے دین وایمان کی قدر کرتے اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر ہزار شکر بجالاتے۔ مرتب

فرمایا: حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے۔ انسان کا کام صرف یہ ہے کہ جو کچھ ہو سکے کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ طلب کو دیکھتے ہیں اگر ادھر سے طلب ہے تو اُدھر علم ہے اور قدرت بھی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب کچھ عطا ہو رہے گا۔

فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کسی غزوے سے بے شمار مال و دولت لائی گئی تو آپ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا۔ آپ کا ارشاد ہے: ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَ الْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرُ الْمُقَنْطَرَةُ﴾ (سورۂ آلِ عمران، آیت: ۱۴) خوشنما معلوم ہوتی ہے (اکثر) لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی (مثلاً) عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے، لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے چاندی کے۔

اے پروردگار! جب آپ نے خود ہی کسی مصلحت سے ان چیزوں کی محبت کو مزین کر دیا ہے تو یہ درخواست کرنا کہ ہمارے دل میں اس کی محبت ہی نہ ہو، خلافِ ادب ہے۔ اس لیے ہم اس کی درخواست نہیں کرتے بلکہ یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس کی محبت کو اپنی رضا کا ذریعہ بنا دیجیے۔ (اصلاح المسلمین، ص: ۹۹)

ف: سبحان اللہ! حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیسی معرفت کی بات ارشاد فرمائی جو ہم سب کے لیے شمعِ رہنما ہے۔ (مرتب)

فرمایا: گو کفار (انگریز) کسی اپنی مصلحت سے مسلمانوں کی کچھ رعایت بھی کریں مگر یہ یقینی بات ہے کہ وہ اسلام کو اپنے لیے مضر سمجھتے ہیں اس لیے اس کے مٹانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

اور یہ بات بھی سمجھتے ہیں کہ ہندوؤں کا ان کے ساتھ اختلاف محض مطالبات سیاسی کے لیے ہے۔ اگر وہ پورے کر دیے جائیں تو اختلاف ختم ہو جائے گا اور مسلمانوں کا ان سے اختلاف مذہبی ہے اس لیے وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے وہ مسلمانوں کو اپنا اصلی مخالف سمجھتے ہیں۔ (الافاضات، بتاریخ: ۲۵ رمحرم ۱۳۵۱ھ)

ف: مسلمانوں سے انگریزوں کی عداوت و مخالفت کے متعلق حضرت حکیم الامتؒ کا یہ ارشاد عین حقیقت پر مبنی ہے اور یہ ملفوظ ظاہر ہے کہ آزادئ ہند سے بہت پہلے کا ہے، اس لیے کہ

آپ کی وفات ۱۹۴۳ء میں ہوچکی تھی۔ لہٰذا حضرت حکیم الامتؒ کی انگریزوں کی موافقت بلکہ ان سے اندرونی مصالحت کا الزام قطعاً خلافِ واقعہ ہی نہیں بلکہ خلافِ دین و دیانت بھی ہے۔

رہی انگریزوں کی مسلمانوں سے عداوت تو آفتاب سے زیادہ عیاں ہے۔ چنانچہ اب بھی ان کی ایذاء و اضرار کا سلسلہ بدستوری جاری ہے۔ ممالکِ اسلامیہ کی ترقی کیا ان کو باہم نبرد آزما کرکے تباہ و برباد کردینا چاہتے ہیں جیسا کہ ابھی عراق و کویت کے معاملے میں کیا۔ بلکہ ہندوستان میں جو بھی باہمی فسادات ہورہے ہیں ان کے اسباب پر غور کریں تو اُن کے اصل بانی مبانی یہی نظر آتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے مسلم بادشاہوں کے کردار اور اسلامی مقامات کی تاریخی روئیداد کو اس طرح پیش کیا ہے کہ برادرانِ وطن کے دلوں میں جذبۂ انتقام ومخالفت کا اُبھرنا لازمی شئے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہم دے کہ ان کے مکر وفریب کو سمجھیں اور پُر حذر رہیں۔ اور اپنے ملک کو خسارے سے بچائیں۔ (مرتب)

فرمایا: جب تک ہم کلمہ پڑھتے رہیں گے تمام غیر مسلم ہمارے دشمن رہیں گے۔ ان میں کالوں اور گوروں کی کچھ قید نہیں اور مسلمانوں میں جو لوگ ان کے خوشامدی ہیں وہ ان کو بھی اپنا دوست نہیں سمجھتے۔

ف: حضرت حکیم الامتؒ نے بڑی ہی فہم وفراست کی بات فرمائی تھی جس کا آج خوب ہی خوب تجربہ ہورہا ہے۔ سچ ہے، ع:

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

(مرتب)

فرمایا: سب کو مل کر کام کرنے کے یہ معنیٰ نہیں کہ سب ایک ہی کام میں لگ جائیں یا ایک کا کام دوسرا کرنے لگے۔ یہ علاوہ دین کے عقل کے بھی خلاف ہے۔ ہر شخص کو اپنا اپنا کام انجام دینا چاہیے۔ یہی کامیابی کا راستہ ہے ورنہ گڑبڑ کرنے سے کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔

(اصلاح المسلمین، ص: ۱۷۰)

ف: حضرت حکیم الامتؒ کا یہ ارشاد بہت ہی بصیرت پر مبنی ہے، اس لیے خدامِ دین کی ہر جماعت کو اسے مستحضر رکھنا چاہیے تاکہ ایک دوسرے پر ترفع سے محفوظ رہیں بلکہ یہ سمجھے کہ جو

جماعت جس شعبۂ دین کی خدمت کررہی ہے وہ بھی ہمارا ہی کام ہے۔ اور وہ جماعت ہماری معین اور رفیق کار ہے۔ اس لیے کہ کوئی جماعت تنہا دین کے جملہ شعبوں کی مکمل خدمت کرنے سے قاصر ہے۔ لہٰذا ہر شعبہ کے لیے اگر الگ الگ جماعت ہو تو بہت ہی اچھا بلکہ لازمی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کے بعد برابر ایسا ہی ہوتا چلا آرہا ہے مگر ہر ایک کو ایک دوسرے کا مؤید و معین ہونا چاہیے۔

مثلاً دین کا ایک شعبہ کتاب وسنت کی تعلیم ہے اس کو بخوبی انجام دینے کے لیے ایک جماعت ہونی چاہیے جو کتاب وسنت کے علوم میں منہمک ہوکر کمال حاصل کرے۔ اسی طرح تصنیف وتالیف کے لیے ایک جماعت کی ضرورت ہے اس لیے کہ یہ زمانہ پڑھنے لکھنے کا ہے۔ لوگ سننے سے زیادہ پڑھنے کے عادی ہورہے ہیں۔ غیر قومیں زیادہ تر اپنی تحریروں میں اسلام کے خلاف زہر افشانی کرتی رہتی ہیں۔ ان کا جواب تحریروں ہی سے دیا جاسکتا ہے جس کے لیے انتہائی سکون ویکسوئی کی ضرورت پڑتی ہے۔ نیز دعوت وتبلیغ کی بھی خاص ضرورت ہے تاکہ عوام الناس جو پڑھنے لکھنے سے کوسوں دور رہیں۔ ان کو کلمے کی تلقین اور احکامِ اسلامیہ کی رو در رو تعلیم دی جائے۔ لہٰذا اس کے لیے بھی ایک مستقل جماعت کی ضرورت ہے۔ نیز تزکیۂ نفوس کا مسئلہ بھی نہایت اہم ہے۔ یہ بھی ایک مستقل اہم کام ہے جس کے لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی ہے۔ پس اس کے لیے بھی ایک جماعت کی ضرورت ہے جو اصلاحِ اخلاق اور تزکیۂ نفوس میں ید طولیٰ رکھتی ہو۔ لہٰذا تقسیمِ کار ضروری ہے۔ چنانچہ حکیم الامتؒ نے امراء اور علماء کے کام میں بھی تقسیم فرمائی ہے کہ امراء فراہمی مال کی خدمت انجام دیں اور علماء تعلیم وتبلیغ کی۔ اسی طرح علماء اور لیڈرانِ قوم کے کام میں تقسیم فرمائی۔ (مرتب)

ارشاد فرمایا: ہر قوم کے لیے تقسیمِ خدمات ضروری ہے، بدون اس کے کام نہیں چل سکتا۔ پس مطالبِ قرآن وحدیث اور احکامِ دین تو لیڈروں کو علماء سے پوچھنا چاہیے اور ترقی قومی کے اسباب ووسائل لیڈروں کو سوچنا چاہیے۔ (اصلاح المسلمین، ص: ۱۷۰)

ف: کاش ہمارے لیڈرانِ قوم حضرت حکیم الامتؒ کی اس نصیحت پر عمل کرتے تو ان کی لیڈری میں چار چاند لگ جاتے اور ان کا شمار عند اللہ خدامِ دین میں ہوجاتا۔ اور عند اللہ مقبول و

ماجور قرار پاتے۔ اس لیے کہ اگر کسی کی سعی سے احکام اسلام میں تبدیلی رُک جائے اور مساجد و مدارس کی حفاظت ہوجائے نیز عام مسلمانوں کے سرکاری اور دیگر اُمور انجام پائیں تو کیا یہ خدمتِ دین نہیں ہے؟ میرے نزدیک تو یہ عظیم کارِ خیر اور اہم خدمتِ دین ہے۔ (مرتب)

رذائل فطری چیزیں ہیں

فرمایا: نفس کی ساخت ہی ایسی رکھی گئی ہے کہ رذائل سے خالی نہ ہو۔ چنانچہ کم و بیش رذائل سب میں موجود ہیں الا ماشاء اللہ۔ لیکن جب تک وہ رذائل قوت سے عمل میں نہ لائے جائیں اور ان کا ظہور بذریعۂ صدورِ اعمال نہ ہو کوئی مواخذہ نہیں جیسے دیا سلائی میں سب مادّے جل اُٹھنے، بھڑک اُٹھنے کے موجود ہیں لیکن اس کو اگر رگڑا نہ جائے تو چاہے جیب میں لیے پھریے کوئی اندیشہ نہیں۔ ہاں اس کی ہر وقت سخت احتیاط رکھنی ضروری ہے کہ رگڑ نہ لگنے پائے۔

(بصائر، ص: ۳۹۸۔ مؤلفہ: ڈاکٹر عبدالحئی صاحب۔ از انفاس عیسیٰ)

ف: ماشاء اللہ تعالیٰ اتنے اہم مسئلے کو دیا سلائی کی مثال سے اس قدر واضح فرمادیا کہ اس سے حضرت حکیم الامتؒ کی شانِ تجدید نمایاں ہوجاتی ہے۔ (مرتب)

اخلاقِ ذمیمہ کا امالہ

فرمایا: ریاضت سے اخلاقِ ذمیمہ کے اصول کا ازالہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی تہذیب ہوجاتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ان اصولوں کے آثار کا امالہ ہوجاتا ہے یعنی ان اخلاق کا مصرف بدل جاتا ہے مثلاً کسی شخص میں منجملہ اخلاقِ رذیلہ کے بخل اور غضب موجود ہو تو ریاضت سے ان کی جڑ نہیں جاتی کہ غضب و بخل ہی نہ رہے بلکہ تہذیب اس طرح ہوجاتی ہے کہ پہلے مواقع خیر میں بخل کرتا تھا اور بندگانِ نیک پر غصّہ کرتا تھا۔ اب نامشروع جگہ بخل کرے گا اور مغضوبانِ الٰہی اور اپنے نفس پر غصہ کرے گا تو اسبابِ بُعد اس طرح اسبابِ قرب بن گئے۔ ہٰکذا قال مرشدی (یعنی مرشدی حضرت حاجی صاحبؒ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔)

اس سے اس اختلاف کا فیصلہ ہوگیا کہ ریاضت سے تبدیل اخلاق ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس سے معلوم ہوگیا کہ تبدیل اصول تو نہیں ہوسکتی، حدیث میں ہے "اِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ زَالَ مِنْ جِبِلَّتِهٖ فَلَا تُصَدِّقُوْهُ" (یعنی جب کسی آدمی کے متعلق سنو کہ کسی عادت سے نجات پاگیا تو

اس کی تصدیق نہ کرو۔) مگر تبدیل آثار و مصارف ہوسکتی ہے۔ اس لیے حکم ہے مجاہدہ و ریاضت کا۔ (بصائر، ۳۹۸) (التکشّف، ص:۸۹۔ اشرف المسائل)

اخلاقِ ذمیمہ کا علاج

اخلاقِ ذمیمہ کے دو علاج ہیں، ایک جزئی یعنی خاص۔ وہ یہ کہ ہر ہر خلق کا جدا جدا علاج کیا جائے۔ جیسا کہ احیاء العلوم وغیرہ میں لکھا ہے۔ اس کو طریقِ سلوک کہتے ہیں۔ دوسرا کلی۔ یعنی عام، وہ یہ کہ ذکر و شغل سے یا جس طرح شیخ کامل تجویز کرے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا کی جائے۔ جب اس کا غلبہ ہوگا تو اپنی ہستی و خودی مضمحل ہونا شروع ہوگی اور سب اخلاقِ ذمیمہ کہ اس خودی و دعوائے ہستی سے پیدا ہوتے ہیں ختم ہو جائیں گے۔ اس کو طریقِ جذب کہتے ہیں اور طریقِ اوّل گو بے خطر ہے مگر طویل ہے اور طریقِ ثانی گو خطرناک ہے مگر قریب ہے اور ہر شیخ کا مذاق مختلف ہوتا ہے۔ (ایضاً)

ف: اس لیے جس شیخ کا جو مذاق ہو اس کے مطابق علاج کرے۔ ہاں طالب کے مزاج کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے اس لیے کہ طالبین کی استعداد و صلاحیت کے مطابق جب اصلاح و تربیت ہوگی تو وہ مفید ثابت ہوگی۔ (مرتب)

اختیاری و غیر اختیاری کا مسئلہ

تعلیم و تربیت باطنی کے سلسلے میں اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ حضرت حکیم الامتؒ نے اتنا واضح فرمایا ہے کہ صدیوں سے اس کا ایسا عام فہم بیان نہ ہوا تھا اور اس سے اتنا کام لیا ہے کہ ہزاروں مشکلاتِ طریق اس کے ذریعے سے حل فرما دیا۔ چنانچہ جب کوئی طالبِ اصلاح اپنے کسی رذیلہ کا علاج پوچھتا تو حضرتؒ سب سے پہلے یہی سوال فرماتے کہ یہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری؟ اگر وہ کہتا کہ اختیاری ہے تو فرماتے کہ جس بات کا فعل اختیاری ہے اس کا ترک بھی اختیاری ہے۔ ہمت کر کے اختیار کو عمل میں لاؤ اور چھوڑ دو، اگر وہ کہتا کہ غیر اختیاری ہے تو اگر وہ دراصل غیر اختیاری ہوتا تو فرماتے کہ غیر اختیاری کا آدمی مکلّف ہی نہیں، پھر اس میں دینی ضرر ہی کیا ہوا جو اس کا علاج پوچھا جاتا۔ اگر وہ کہتا کہ ہے تو غیر اختیاری مگر اس کی وجہ سے تکلیف و پریشانی تو ہے، اور یہ تو قابلِ علاج ہے تو جواب ارشاد فرماتے کہ تکلیف و پریشانی کا

علاج میرے ذمہ نہیں۔

حضرتؒ فرماتے کہ یہ اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ گویا نصف سلوک ہے، بلکہ قریب قریب سارا سلوک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنے بھی ظاہری و باطنی اعمال ہیں جن کا تعلق اوامر و نواہی سے ہے، سب اختیاری ہیں اور فرض و واجب ہیں۔ ہر شخص اس کا مکلّف ہے لیکن ان اعمال کے جتنے تاثرات و انفعالات ہیں خواہ خواطر و وساوس ہوں یا قبض و بسط یا وجدانیات و کیفیات ہوں سب غیر اختیاری ہیں اس لیے وہ نہ مضر ہیں اور نہ ان پر کوئی مواخذہ ہے۔
(بصائر، ص: ۵۸)

ف: حضرت حکیم الامتؒ کی اس اختیاری و غیر اختیاری بحث و تحقیق کو حضرت مصلح الامت مرشدی مولانا وصی اللہ شاہؒ اکثر بیان کرتے اور فرماتے کہ یہ حضرت حکیم الامتؒ کا تجدیدی کام ہے۔ (مرتب)

فرمایا کہ مجھے ڈاک کا بڑا اہتمام ہے کہ روز کے روز فارغ ہوجاؤں۔ اس میں طرفین کو راحت ہے۔ اِدھر تو میں فارغ، مجھے راحت، اُدھر خط کا جواب پہنچ جانے سے اس کو راحت۔

ف: سبحان اللہ! اپنی تو اپنی غیروں کی راحت کا کس قدر خیال کہ انتظارِ جواب کی کلفت و زحمت برداشت نہ کرنا پڑے۔ پس اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرنا چاہیے، خصوصاً ان کے منتسبین کو۔ (مرتب)

قابلِ قدر نصیحت

آپ لوگ اگر اپنی پوری اصلاح نہ کرسکیں تو کم از کم دو باتوں کا اہتمام کریں۔ (۱) ایک یہ کہ اپنے عقائد صحیح کرلیں۔ (۲) دوسرے جو ناجائز اعمال کرتے ہیں ان کو حرام سمجھ کر کریں۔ کھینچ تان کر ان کے جائز کرنے کی کوشش نہ کریں۔ (اصلاح المسلمین، ص: ۱۰۷)

ف: بہت عمدہ نصیحت ہے جسے ہم سب لوگوں کو بھی یاد رکھنا چاہیے۔ (مرتب)

فرمایا: کہ میری زندگی کا مدار تو استحضار ثواب پر ہے ورنہ اس قدر طبیعت کمزور واقع ہوئی ہے کہ اگر ثواب کا استحضار نہ ہوتو بعض حوادث کا تحمل ہرگز نہ کرسکتا تھا۔ پس یہ اعتقاد میری زندگی ہے کہ جہاں کوئی تکلیف پہنچی فوراً یہ خیال ہوتا ہے کہ اس میں ثواب ہے۔ اس سے وہ کلفت جاتی

رہتی ہے۔ اگر ثواب کا اعتقاد نہ ہوتا تو میں ختم ہی ہوجاتا۔ یہ اُمید ثواب ایسی قوت کی چیز ہے کہ بڑی سے بڑی کلفت اور رنج سہل کر دیتی ہے اور افسوس ہے کہ اس کو آجکل معمولی خیال کر رکھا ہے اور سمجھتے ہیں کہ کوئی چیز نہیں۔ نعوذ باللہ۔ (الافاضات، ص:۴۶۔ ج:۲ ق:۱)

ف: سبحان اللہ! اس سے حکیم الامتؒ کے ثواب کی طلب وحرص کا سراغ لگتا ہے جو سنتِ نبوی علیہ السلام کی اتباع اور آپ کے قوتِ ایمانی پر بیّن ثبوت ہے۔ (مرتب)

فرمایا کہ لوگ خاص خاص چیزوں کو کمال سمجھتے ہیں، کوئی عبادت کو، کوئی تقویٰ کو، مگر محققین سب سے بڑا کمال اس کو سمجھتے ہیں کہ بندہ اپنے نقائص کو پیشِ نظر رکھے۔ (حوالۂ بالا)

فرمایا کہ آج کل یہ مرض عام ہوگیا ہے کہ ظالم کی طرفداری کی جاتی ہے اور مظلوم کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ عوام ہوں یا خواص تقریباً سب کے اندر یہ مرض عام ہوگیا ہے۔ (ایضاً)

ف: سبحان اللہ! کیا خوب تجربہ کی بات لکھی جس کا ہم جیسے لوگوں کو بھی تجربہ ہورہا ہے اور زیادہ تعجب اس زمانہ کے خواص سے ہے کہ اندھا دھند اپنی ذاتی مصلحت یا خالص عصبیت کی بناء پر ظالم کی کھلے عام طرفداری کی جارہی ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ جو شخص خانۂ کعبہ میں رکن اور مقامِ ابراہیم کے درمیان ستّر سال عبادت کیے ہوئے ہو مگر کسی ظالم سے محبت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اسی ظالم کے ساتھ محشور فرمائے گا، العیاذ باللہ تعالیٰ۔ (اقوالِ سلف، ج:۱،ص:۷۷۔ از اعیان الحجاج، ج:۱)

فرمایا دوسرے اداروں میں تو مالی ذخائر ہیں اور یہاں ان کی نسبت بے سروسامانی ہے مگر اللہ کا فضل ہے کہ جس قدر مفید کام یہاں ہورہا ہے دوسری جگہ نہیں ہورہا ہے۔ یہاں پر درس و تدریس کا کام تو معمولی ہے لیکن تصنیف کا کام نیز تربیت و اصلاح کا کام خاص اہتمام سے ہورہا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، یہ کوئی فخر کی راہ سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ ایک نعمتِ حق سمجھ کر تحدیث بالنعمۃ کے طور پر یہ عرض کررہا ہوں اور اس میں فخر کی کون سی بات ہے۔ سب اپنے بزرگوں کی دعاؤں کی برکت اور اللہ کی رحمت ہے۔ (الافاضات، جلد۴، قسط۴، ص:۳۴۶)

ف: سبحان اللہ! کیسی حقیقت بیان فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور بزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے ہمارے ادارے کا بھی یہی حال فرمادے۔ (مرتب)

فرمایا کہ تربیت و اصلاح کا کام بڑا ہی نازک ہے۔ اس میں بڑے ماہر فن کی ضرورت ہے۔ اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ شیخ کا ولی ہونا بزرگ ہونا قطب ہونا غوث ہونا ضروری نہیں ماہر فن ہونا ضروری ہے۔ بدون اس کے اصلاح و تربیت نہیں کر سکتا۔ (ایضاً، ص:۳۵۶)

ف: بہت ہی خوب بات ارشاد فرمائی، اس لیے اپنی اصلاح کے لیے ایسے مرشد کو تجویز کرنا چاہیے جو اصلاح و تربیت کے معاملے میں ماہر ہو۔ (مرتب)

سالکینِ طریق کو اپنے حالات کا جائزہ لینے کی ہدایت

طالبِ طریق سے فرماتے تھے کہ اپنی تمام روزمرہ کی زندگی کا جائزہ لیتا رہے اور محرکاتِ نفس پر نظر رکھے اور اس کا اندازہ کرے کہ تعلق مع اللہ میں اس کے حسنات اور رذائل کس طرح کام کرتے ہیں۔ دین اور امورِ شریعت اور اتباعِ سنت میں کس طرح عملی دشواری محسوس ہوتی ہے اور کس طرح کے اوہام وشکوک پیدا ہوتے ہیں تاکہ ان کے تدارک کی فکر اور اصلاح کا تقاضا ہو۔

فرماتے تھے کہ مسلمان کی روزمرہ کی زندگی میں تمام تر شریعت، تمام تر سنت اور تمام تر طریقت ہی سے معاملہ رہتا ہے جس کا مختصر حاصل یہ ہے کہ حقوق، حدود اور حفظِ حدود۔

حقوق تمام تر احکاماتِ شرعیہ، حدود تمام تر اتباعِ سنت، حفظِ حدود تمام تر طریقت۔

بس انہی تین باتوں کا حق ادا کرنا مسلمان کے لیے حصولِ مقامِ عبودیت کا ذریعہ ہے۔

حضرتؒ کے ضابطۂ تعلیم و تربیت میں چند خاص بنیادی اصول تھے جن کی فہم پیدا ہو جانے سے طریق میں کوئی گنجلک پیچیدگی یا ابہام باقی نہ رہتا تھا مثلاً مطالباتِ دین کو مفادِ دنیا پر غالب رکھنا، عقل کو شریعت کا متبع رکھنا، اختیاری امور میں کوتاہی نہ کرنا اور غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہونا۔ سالک کو اپنی تجویز ترک کرنا اور تفویض کو اختیار کرنا۔ مقصودِ شرعیہ کو پیش نظر رکھنا اور غیر مقصود کی طرف توجہ نہ کرنا۔ کیفیاتِ باطنہ کو محمود سمجھنا اور مقصود نہ سمجھنا۔ طبعی امور سے مغلوب نہ ہونا، بلکہ عقل کے فتویٰ پر عمل کرنا اور ہمیشہ عقل کو شریعت کا تابع رکھنا۔

تربیتِ باطن کے متعلق حضرتؒ کے یہ چند مجددانہ اُصول تھے چنانچہ سالکین و طالبین کو حضرتؒ ہمیشہ ہدایت فرماتے رہتے تھے کہ اپنے تمام اُمورِ زندگی میں خصوصاً باطنی حالات و کیفیات میں وجدانیات و مکاشفات میں، جذبات و خیالات میں، وساوس و خطرات میں انہی

مذکورہ معتبر و مستند اصول کو پیش نظر رکھ کر کام کریں۔ پھر جو بھی حالات پیش آئیں اور جن میں تردّد وتشویش خاطر ہو ان کو اپنے مصلح ومرشد کو تحریر کرکے مطلع کرتے رہیں اور ان کا جو بھی مشورہ یا ہدایت ہو اس پر خلوص کے ساتھ عمل کریں۔ (بصائر، ص: ۶۳۔ مؤلفہ عبدالحئی صاحبؒ)

مدارس کے متعارف جلسوں اور چندوں سے متعلق اہم مکتوب

مخدومی ومکرمی دامت برکاتہم ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس سے قبل کے عریضے میں حاضری جلسہ سے جو مانع طبعی تھا اس کی اطلاع کی تھی۔ جس کا مشاہدہ مکرمی مولوی .... صاحب نے بچشم خود فرمایا ہے اور ممکن ہے کہ وقت جلسہ تک یہ مانع مرتفع ہو جائے۔ اب بعض موانعِ شرعیہ کو محض استشارۃً پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ہر چند کہ علماء کی خدمت میں ایسی جرأت کرنا خالی از سوئے ادب نہیں، مگر ایک طرف خیر خواہی کا جزو دین و مامور بہ ہونا پیش نظر، دوسری طرف آپ کی عنایات و الطاف پر اعتماد، پھر اس کے ساتھ ہی اپنی رائے کی غلطی کے نکل جانے کی اُمید۔ ان سب امور نے اجازت دی کہ بے تکلف اپنے خیالات کو ظاہر کردوں۔ اگر واقعی میری رائے غلط ہے تو میں دل سے خواہاں ہوں کہ اس کی اصلاح فرمادی جائے۔ حاصل ان موانع شرعیہ کا یہ ہے کہ جہاں تک غور کرکے اور تجربہ کی شہادت سے دیکھا جاتا ہے، بڑی غرض ان جلسوں کے انعقاد کی دو امر معلوم ہوتے ہیں: فراہمیٔ چندہ اور اپنی کارگزاری کی شہرت۔ یا یوں کہیے کہ مدرسہ کی وقعت و رفعت۔ جس کا حاصل حبِ مال وحبِ جاہ نکلتا ہے جس سے نصوصِ کثیرہ میں نہی فرمائی گئی ہے۔

ہر چند کہ مال و جاہ اگر دین کے لیے مقصود ہوں تو مذموم نہیں، مگر کلام اسی میں ہے کہ ایسے مواقع پر یہ امور دین کے لیے مقصود ہیں یا دنیا کے لیے؟ سو اگر نفس تاویل کرکے دین ہی کے لیے بتلاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ہر قصد کے لیے ایک خاص معیار بتایا ہے جس سے صحت یا فسادِ قصد معلوم ہو جاتا ہے۔ سو ان مواقع میں جہاں تک غور کیا جاتا ہے علامت طلبِ دنیا کی غالب معلوم ہوتی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر دین مقصود ہوتا تو اس کے اسباب وطرق میں بھی کوئی امر خلافِ رضائے حق تعالیٰ اختیار نہ کیا جاتا۔ اور جب ایسے امور اختیار کیے جاتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا مقصود ہے اور ان امور میں سے بعضے بطور نموذج یہ ہیں:

۱) چندہ کے حاصل کرنے میں قواعد شرعیہ کی رعایت نہیں کی جاتی کیونکہ حکم شرعی ہے: "لَا یَحِلُّ مَالُ امْرَءٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسِهِ" (بدون خوش دلی کے مسلمان کا مال لینا حلال نہیں) چندہ میں سوچ سوچ کر وہ طریق اختیار کیے جاتے ہیں جس سے مخاطب کے قلب پر اثر پڑے۔ گو وہ اثر دباؤ یا شرم ولحاظ سے کیوں نہ ہو، ایسے لوگوں کو واسطہ بنایا جاتا ہے، مجمع میں ان کے روبرو فہرست بھی پیش کی جاتی ہے، شرکتِ جلسہ میں اصرار کیا جاتا ہے اور یقیناً معلوم ہے کہ بڑے آدمیوں کو خالی ہاتھ آنے میں سبکی وکم وقعتی کا اندیشہ ہوتا ہے۔ بقایا کو مشتہر کرتے ہیں جس سے ان کو اپنی بدنامی کا خوف ہوتا ہے۔

۲) حکمِ شرعی ہے کہ ریا حرام ہے اور اکثر ایسے موقعوں پر دینے والوں کے دل میں ریا ہوتی ہے۔ اور ریا کا سبب بن جانا بھی معصیت ہے۔

۳) اکثر اوقات علماء کا اُمراء کے دروازوں پر جانا اور ان سے تملق کی باتیں کرنا۔

۴) جن اموال کو حلال نہیں کہتے اگر وہ بھی حاصل ہوں ہرگز انکار نہیں کیا جاتا۔ ممکن ہے یا واقع ہے کہ کسی غالب سود یا رشوت والے نے کچھ دیا ہو اور اس کو جلوت یا خلوت میں واپس کر دیا ہو۔

۵) اپنے مدرسے کو اصلی حالت سے اکثر زیادہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ تصریحاً یا ابہاماً جس کا حاصل کذب وخداع ہے۔

۶) اگر کوئی شخص مدرسہ پر کسی قسم کا اعتراض کرے اور وہ حق بھی ہو تو وہ ہرگز قبول نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے درپے ہو کر رد کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ گو دل میں اس کو حق سمجھتے ہیں، جس کا حاصل بطرِ حق ہے۔

۷) اگر کوئی اور مدرسہ مقابلہ میں ہو جائے اور گو اس کی حالت واقع میں اچھی ہو مگر وہ ہمیشہ مثل خار نظر آتا ہے اور دل سے اس کے انہدام وانعدام کے متمنی رہتے ہیں۔ ورنہ خوش ہونے کی بات تھی کہ دین کا کام کئی جگہ ہو رہا ہے لیکن محض اس وجہ سے کہ اس کی شہرت نہ ہو جائے، اس میں چندہ کی بیشی اور اس میں کمی نہ ہو جائے ناگواری ہوتی ہے۔

۸) کارروائی میں کارگزاری کا اظہار، اپنی مدح، اپنے مدرسے کی ترجیح، اپنے کام کی خوبی و

کثرت دِکھلانا اور اس کی وجہ سے تعلیم کی کمیت کا کیفیت سے زیادہ اہتمام کرنا اور کتابیں بلا استعداد گھسیٹنا کہ کارروائی دِکھلاسکیں، خواہ طالب علموں کو آئے یا نہ آئے۔ ان علامات میں سے اوّل چار حب مال لغیر الدین کی علامتیں ہیں اور مؤخر کی چار حب جاہ لغیر الدین کی علامتیں ہیں۔ اور فسادِ منشاء کی وجہ سے آثار بھی ایسے ہی مرتب ہوتے ہیں۔

۹) اکثر ایسے جلسوں میں اسراف ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو بلانے کی ضرورت نہیں ان کے اور ان کے رفقاء و خدام کے کرایہ میں بہت سے روپے جاتے ہیں۔ بعض اوقات طعام وغیرہ کا بھی مدرسہ سے اہتمام ہوتا ہے جس میں تکلّفات ہوتے ہیں اور ساتھ میں غیر اضیاف بھی کھاتے ہیں اور غالباً بلکہ یقیناً روپے والوں سے اذن نہیں لیا جاتا اور دلالتِ اِذن کا بھی دعویٰ مشکل ہے کیونکہ اہلِ عطاء خود ایسے مصارف کی مذمت کیا کرتے ہیں۔

۱۰) بعض جگہ مسجد میں ایسے جلسے ہوتے ہیں اور مسجد کے ساتھ بیٹھک کا سا برتاؤ ہوتا ہے۔ شور وشغب، دنیا کی باتیں، اشعار مذمومہ اور بہت سے منکرات جو مشاہدہ سے متعلق ہیں۔ جب مسجد میں وہ امورِ مباحہ بھی ناجائز ہیں جن کے لیے موضوع نہیں، تا بمنکرات چہ رسد۔

۱۱) ایسی کارروائیوں سے بجائے وقعت وعزّتِ مقصودہ کے اہلِ علم کی ذلت وحقارت اہلِ دنیا کی نظر میں ہوتی ہے، کیونکہ اصل عزّت استغناء ہے۔ اور اس تحقیر کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی اولاد کے لیے علمِ دین کو پسند نہیں کرتے۔ یہی انجام ان کا ہوگا۔ گویا یہ حالت منّاعیّت للخیر کا ایک شعبہ ہے۔

۱۲) تکثیر سواد طلبہ و مخلصین کے دِکھلانے کو نااہلوں کو اہل دِکھلایا جاتا ہے۔ وقس علیٰ ہٰذا۔ اگر یہ خیالات قابلِ اصلاح ہوں تو اصلاح فرما دیجیے، ورنہ میں عمل اور قبول کرنے پر جبر نہیں کرتا۔ مگر اقل درجہ میری غیر حاضری کے لیے ان کو وجہِ وجیہ قرار دیا جائے اور معاف فرمایا جائے۔ فقط والسلام (امداد الفتاویٰ، ج:۴، ص:۶۷)

ف: حضرت حکیم الامتؒ نے اس مکتوب گرامی میں حضرات اہتمام کو جن امور کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وہ یقیناً نہایت اہم اور قابلِ عمل ہیں۔ لہٰذا حضرت حکیم الامتؒ کے منتسبین کو خاص طور سے اس مکتوب کا مطالعہ کرکے اپنے جلسوں اور چندوں کو مذکورہ قباحتوں سے پاک و

صاف رکھنا چاہیے تا کہ حضرت حکیم الامتؒ کی طرف انتساب کا صرف دعویٰ ہی دعویٰ نہ رہے بلکہ اس کے اندر کچھ حقیقت کی بھی جھلک ہو۔ (مرتب)

چندے ہی سے متعلق حضرت حکیم الامتؒ کا ایک اہم ملفوظ

فرمایا کہ میں تو چندوں کی بابت بھی علماء کا زبان سے کہنا بالکل پسند نہیں کرتا۔ لوگ بڑی تہمت لگاتے ہیں۔ بالکل یہ سمجھتے ہیں کہ کھانے کمانے کو مولویوں نے مدرسے کھول رکھے ہیں۔ ان کے دروازہ پر چندے کے لیے کبھی نہ جائے۔ پھر فرمایا کہ اپنی ذات سے جو خدمت دین کی ہو وہ کردے اگر چندہ نہ آوے نہ سہی۔ اگر ہم لوگوں کے قلوب درست ہو جاویں تو سلف صالحین کے طرز پر دین کی خدمت کریں۔ ان کو ہرگز حاجت بڑے بڑے مکانوں کی نہ تھی۔ ہر عالم اپنے گھر پر درس دیتا تھا لیکن اس حالت میں یہ رائے نہ دوں گا کہ مدرسے موقوف کردیے جائیں۔ مدرسوں کا وجود خیرِ عظیم ہے۔ یہ موقوف نہ ہونے چاہئیں۔ کیونکہ یہ زمانہ ہی ایسا ہے۔ مگر اعتدال سے تو نہ گزرے۔ (کمالاتِ اشرفیہ، ص: ۴۰۷)

ف: اس سے ہر باب میں حضرت حکیم الامتؒ کے غایت توسط و اعتدال کا اندازہ ہوتا ہے جو ہم سب کے لیے قابلِ اقتدا ہے۔ (مرتب)

حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے رسالہ 'تحفۃ الشیوخ' میں نااہل کی جانشینی و سجادہ نشینی پر نکیر کرتے ہوئے اس کے بیس مفاسد شمار فرمائے ہیں۔ اس کے بعد یوں رقمطراز ہیں:

کسی اہل کو جانشین بنانا بھی خرابی سے خالی نہیں

.....البتہ تیسری صورت میں بعید الوقوع نہیں کہ خود پیر نے کسی اہل کو اپنا جانشین کردیا۔ بہر حال اہلیت کی حالت میں بظاہر سجادہ نشینی یا جانشینی میں کوئی خرابی نہیں معلوم ہوتی لیکن اگر دیدۂ غائر پر انجام بینی کی عینک لگا کر اس سے دیکھا جاوے تو یہ بھی خرابی سے خالی نہیں۔ وہ یہ کہ طبعاً اس جگہ پر بیٹھنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ عموماً مریدین اس جانشین کو بالکل اس شیخ کی جگہ سمجھتے ہیں۔ اور اس شیخ کے تمام خلفاء پر گو وہ اہلیت میں اس سے زیادہ ہوں، اس جانشین کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور معتقدین تمام طالبین کو جس طرح بن پڑتا ہے گھیر گھار کر اس کی طرف لاتے ہیں اور صرف اس

جگہ پر بیٹھنے کے سبب مرجح قرار دیتے ہیں حتی کہ اگر اس کی اہلیت بھی کسی عارض سے مفقود یا مبدّل ہوجاوے تب بھی اس کو ترک کرنے کو اس جگہ کی بے حرمتی اور اس کے واسطے سے اس شیخ گزشتہ کی اہانت سمجھتے ہیں۔ اور جس طرح ہوسکتا ہے اسی کو نباہتے ہیں۔ تو انجام اس کا پھر وہی رسم پرستی ہوگئی۔ یہ خرابی تو فی الحال ہے۔ دوسری خرابی جو آئندہ چل کر مآل میں ہوتی ہے کہ پھر اس جگہ کو آباد رکھنا مقصود بالذات ہوجاتا ہے اور کبھی خود اس اہل ہی کو اور کبھی دوسروں کو اس کی فکر ہوتی ہے کہ اس کے بعد کسی اور کو تجویز کیا جائے۔ پھر بعد چندے اہل، نااہل کسی کی تمیز نہیں رہتی۔ اور مثل ترکہ مالیہ کے اس میں بھی میراث جاری ہونے لگتی ہے۔ اور مورث و وارث کے تفاوت سے یہ مضمون صادق آنے لگتا ہے ؎

آدمیاں گم شدند ، ملکِ خدا گرفت
زشتئ اعمال ما صورت نادر گرفت

دیگر، ع:

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز

(تحفۃ الشیوخ، ص: ۳۳)

ف: اس مضمون میں حضرت حکیم الامت مجدد الملّتؒ کی شانِ تجدیدی نمایاں ہے اور پورا مضمون، نہیں بلکہ پورا رسالہ 'تحفۃ الشیوخ' مشائخ کے لیے قابلِ مطالعہ ہی نہیں بلکہ قابلِ عمل ہے۔ اگر اس کے مطابق عمل کرلیا گیا تو انشاء اللہ بہت سے مفسدوں کے لیے سدباب ثابت ہوگا۔ (مرتب)

تصانیف

کسی بزرگ کی تصانیف بھی ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ کی ہوا کرتی ہیں یعنی ان سے ان کا فیض روحانی رواں دواں رہتا ہے چنانچہ دیکھ لیجیے کہ حضرت حکیم الامتؒ کی صدہا تصانیف سے علمی و روحانی کس قدر فیض پہنچ رہا ہے جو بیان سے باہر ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ خود اپنی تصانیف کے متعلق یوں ارشاد فرمارہے ہیں: ''اگر مناسبت ہوجائے تو انہی کتابوں کو لے کر بیٹھ جائے۔ عمر بھر کی رہبری کے واسطے کافی ہیں۔ مثلاً قصد السبیل، تعلیم الدین، تربیت

السالک وغیرہ۔ (ملفوظ، ۲۸/شوال ۱۳۴۴ھ)

خاص طور سے 'حیات المسلمین' کے متعلق تو یہاں ارشاد فرمایا کہ: ''مجھ کو اپنی کسی تصنیف کے متعلق خیال نہیں ہے کہ یہ میرا سرمایۂ نجات ہے، البتہ 'حیات المسلمین' کے متعلق میرا غالب خیال قلب پر ہے کہ اس سے میری نجات ہو جائے گی، اسے میں اپنی ساری عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں۔'' (تالیفاتِ اشرفیہ، ص:۴)

اپنے مواعظ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ: لوگ مواعظ نہیں دیکھتے، حالانکہ ان میں سب کچھ ہے، گو چھپے ہیں مگر چُھپے ہوئے ہیں۔ ان میں وہی باتیں ہیں جو علماء وصلحاء کی کتابوں میں ہیں۔ کوئی جدید بات نہیں۔ صرف زمانہ کا لحاظ ہے۔ جو شیخ الرئیس کے نسخے ہیں، وہ بعینہٖ محمود خاں کے زمانہ میں کام نہیں آتے۔ وہاں قدح بھر دوائیں ہوتی تھیں، یہاں مختصر سے کام لیا جانے لگا۔ (ملفوظ، ۶/ذوالقعدہ، ۱۳۴۴ھ)

ف: معلوم ہوا کہ شیخ وقت کو حالاتِ زمانہ سے واقف ہونا چاہیے اور اہلِ زمانہ کے مزاج وعقل سے آگاہ ہونا چاہیے اور اسی کے مطابق کلام کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت علی کا مقولہ ہے ''کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ'' (یعنی لوگوں سے ان کی عقلوں کے موافق بات کرو۔) چونکہ حضرت حکیم الامتؒ کی تصانیف اور خلفاء کی فہرست مختلف کتب و رسائل میں درج ہو چکی ہیں اور وہاں سے ان کا علم حاصل ہو سکتا ہے اس لیے ہم نے ان کو یہاں درج کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ (مرتب)

ارشاد پیر و مرشد حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ

بھولو نہیں ...... پھولو نہیں۔

حسن صورت چند روزہ حسن سیرت مستقل
اُس سے خوش ہوتی ہیں آنکھیں، اِس سے خوش ہوتا ہے دل

(بزبان حضرت مولانا مفتی محمد مظفر، مہتمم (وقف) مظاہر علوم، سہارنپور)

عارف باللہ حضرت مولانا اسعد اللہ کی نصیحت بنام حضرت قاری صدیق احمد باندوی

عزیز محترم ...... السلام علیکم!

حسب عادت اہل طریق بغرض نفع رسانی خلق، آپ کوتو کلا علی اللہ اجازت صحبت دیتا ہوں۔ اپنے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں کو دین کی باتیں بتاتے رہیں، اور بطور تحدیث نعمت اپنے احباب کو بھی مطلع کر دیں اور امور ذیل کا خیال رکھیں۔

۱۔ اپنے دوستوں کو مندرجہ ذیل کتابوں کے مطالعہ یا سننے کا مشورہ دیں، بہشتی زیور، بہشتی ثمر، اصلاح الرسوم، قصد السبیل، آداب معاشرت اور سلسلۂ تسہیل المواعظ یا دعوت عبدیت کے وعظ۔

۲۔ اگر کوئی ذہین یا ذی استعداد ہو تو انفاس عیسیٰ، کمالات الاشرفیہ، تربیت السالک، تکشف مواعظ رسالۃ التبلیغ کے مطالعہ کرنے کا مشورہ دیں۔

۳۔ قصد السبیل کو پڑھکر اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

۴۔ حتی الوسع سب کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں اور بلا ضرورت شدیدہ، تحریراً یا تقریراً سختی نہ کریں۔

۵۔ تقلیل طعام و منام کا مشورہ نہ دیں، معاملات معاشرت اور اخلاق کی درستی کو وظائف پر مقدم رکھیں۔

۶۔ زبان، آنکھ اور کان کی پوری حفاظت کی جائے اور نماز با جماعت کا پورا پورا اہتمام کریں۔

۷۔ خود اوراد و اذکار کی بہت پابندی رکھیں۔ اس سے تعلیم میں برکت ہوتی ہے اور ہمیشہ اپنی تکمیل اصلاح اور ترقی ذہن کی فکر میں مشغول رہیں، کسی حالت پر قناعت نہ کریں۔

اندریں رہ می خراش و می تراش
تادم آخر دمے فارغ مباش

۸۔ اپنے مطالعہ میں حسب ذیل کتب رکھیں تعلیم الدین، انفاس عیسیٰ، کمالات اشرفیہ تربیت السالک، تکشفم مواعظ حکیم الامت خصوصاً اور جملہ تصنیفات حکیم الامت عموماً۔

۹۔ مجھ سے مکاتبت جاری رکھیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت مفید ہوگا۔

۱۰۔ صلحاء خصوصاً حضرت مولانا وصی اللہ صاحب مدظلہٗ کی صحبت کو بہت تصور کریں۔

تلك عشرة كاملة

مدرسہ کے متعلق وصایا

۱۔ مدرسہ میں کسی بھی حکومت کی امداد نہ لیں، خواہ مسلم حکومت ہو یا غیر مسلم، اللہ کے بھروسہ پر مدرسہ چلائیں۔

۲۔ عمارت مدرسہ کے لیے ہوگئی ہے، اب تعلیم وتربیت کا پورا لحاظ رکھا جائے، اگر ضرورت تعمیر کی ہو تو شوریٰ کے مشورے کی جائے۔

۳۔ مدرسہ چہار دیواری کا البتہ انتظام کیا جائے۔

۴۔ مدرسہ کا تعلیمی معیار بلند ہونا چاہیے۔

۵۔ ہر فن میں اچھے استاد رکھے جائیں۔

۶۔ شوریٰ کے مشورہ سے کچھ ہندی، انگریزی کا (صرف بقدر ضرورت) انتظام کیا جائے۔

۷۔ مدرسہ کا حساب بہت درست رہے، اس کی جانچ روزانہ کی جائے۔

۸۔ دورۂ حدیث کا اعلان ہوگیا ہے اس کو توکلاعلی اللہ شروع کردی۔

۹۔ کتابیں جو بھی شوریٰ کی تجویز سے تقسیم ہوجائیں اس پر سب عمل کریں۔

۱۰۔ مکاتب کا نظام درست رکھیں۔

وصایا برائے مدرسین

۱۔ اخلاص کے ساتھ اور دیانت داری کے ساتھ کام کریں۔

۲۔ سب مل کر اتفاق واتحاد کے ساتھ کام کریں، کسی قسم کا اختلاف نہ ہونا چاہیے۔

۳۔ ہر ایک دوسرے کا احترام کرے۔

۴۔ طلبہ کے ساتھ شفقت کا معاملہ کریں، سختی نہ کریں، اولاد کی طرح رکھیں۔

۵۔ مدرسہ کا تعلیمی اور تربیتی نظام درست رکھیں۔

۶۔ قرآن مجید تجوید کے ساتھ پڑھایا جائے۔

۷۔ اسباق مطالعہ کے ساتھ پابندی سے پڑھائیں، ناغہ نہ ہو۔

۸۔ مدرسہ کے اوقات میں کوئی اپنا کام نہ کریں۔

۹۔ مدرسہ کو ہر اعتبار سے ترقی دیں۔

۱۰۔ صفائی کا انتظام رکھیں۔

۱۱۔ نگرانی ضروری ہے۔

۱۲۔ شوریٰ جو کچھ طے کرے اس پر عمل کریں۔

۱۳۔ حضرت مفتی محمود صاحب، مولانا ابرار الحق صاحب، مولانا نعمانی صاحب، مولانا علی میاں صاحب اور دیگر اکابرین سے مشورہ کرتے رہیں۔

وصایا برائے اولاد

۱۔ مدرسہ کی خدمت لوجہ اللہ کریں۔

۲۔ اپنے لیے حلال روزی کا بقدر ضرورت انتظام کریں زیادہ انہماک نہ رہے۔

۳۔ بہت سادہ زندگی ہو۔

۴۔ تمام عزیز و اقارب، موافق و مخالف سب کے ساتھ اچھا معاملہ کریں۔

۵۔ مسلم و غیر مسلم سب کے کام آئیں۔

۶۔ ہر استاد اور طالب علم کا خیال رکھیں۔

۷۔ کسی کو کوئی ایسی بات نہ کہیں جس سے تکلیف ہو۔

۸۔ اپنے کام سے کام رکھیں، تعلقات اطراف میں نہ بڑھائیں۔

۹۔ پڑھنے لکھنے میں زیادہ وقت صرف نہ کریں۔

۱۰۔ قرآن پاک تجوید کے ساتھ روزانہ کچھ لڑکوں کو پڑھائیں۔

۱۱۔ کتابوں کا مطالعہ کرتے رہیں۔

۱۲۔ روزانہ پانچ پارے تلاوت کریں۔

۱۳۔ نمازِ با جماعت اور ذکر کا اہتمام کریں۔

۱۴۔ اصلاحی تعلق بزرگوں سے رکھیں، ان کی خدمت میں جاتے رہیں۔

۱۵۔ وقت ضائع نہ ہونے دیں۔

۱۶۔ گھر میں تعلیم بیٹھا کر کریں۔
۱۷۔ اطراف میں جا جا کر تبلیغ کریں۔
۱۸۔ مدارس زیادہ سے زیادہ قائم کیے جائیں، ان کے مدرسین کی تنخواہ کا انتظام کیا جائے۔
۱۹۔ کسی پارٹی بندی وغیرہ میں نہ پڑیں۔
۲۰۔ اس کی ہمیشہ کوشش کریں کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔
۲۱۔ کوئی کچھ کہے، کرے صبر کریں۔
۲۲۔ سب سے ملتے رہیں۔
۲۳۔ موت سب کو آنی ہے، صبر سے کام لیں، دعائے مغفرت کرتے رہیں۔

وصایا بابت امورِ خانہ و خانگی تعلقات

۱۔ سب مل کر رہیں۔
۲۔ بہتر یہ ہے کہ علٰحدہ علٰحدہ مکان کا انتظام کریں۔
۳۔ کھیتی کا غلّہ حساب سے تقسیم کریں۔
۴۔ میری جائداد میں لڑکیوں کا حصہ دیا جائے۔
۵۔ جو جائداد تم لوگوں نے اپنی آمدنی سے حاصل کی ہے، وہ تمھاری ہے۔
۶۔ والدہ، بہنوں کا خیال رکھیں، والدہ بہنوں کو تکلیف نہ پہنچے۔
۷۔ کبھی اختلاف کی صورت نہ پیدا ہونے پائے۔
۸۔ کوئی انتشار کی بات ہو تو فوراً ختم کر دیں۔
۹۔ علیحدہ علیحدہ مکانوں میں رہنا بہتر ہے تاکہ کسی قسم کا انتشار نہ رہے۔
۱۰۔ ایک دوسرے سے ہمیشہ محبت کے ساتھ پیش آئیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں۔

منظوم نصائح

شہِ کونین کی سنت پہ جو عامل نہیں ہوتا — وہ کچھ بھی کر رہا ہو، کچھ اسے حاصل نہیں ہوتا
کرشمے لاکھ دکھلائے، ولی اس کو کہے کوئی — گروہِ اولیاء میں وہ کبھی شامل نہیں ہوتا

سفر ناقص ہی رہتا ہے کبھی منزل نہیں ملتی
نہ ہو گر رہبر کامل سفر کامل نہیں ہوتا

عمل پیہم ہو، پھر اللہ کی مرضی بھی حاصل ہو
تو ایسے کام میں کوئی کبھی حائل نہیں ہوتا

جو فکرِ آخرت میں رات دن بے چین رہتا ہے
خدا کی یاد سے اک آن بھی غافل نہیں ہوتا

جسے عشق پیمبر ہے، جسے پاسِ شریعت ہے
وہ احکامِ شریعت سے کبھی جاہل نہیں ہوتا

سمجھتا ہے خدا کو صرف جو حاجت روا اپنا
کسی کے در پہ وہ جا کر کبھی سائل نہیں ہوتا

تجلی رب کی ایسے قلب پر نازل نہیں ہوتی
رذیلہ نفس کا جس قلب سے زائل نہیں ہوتا

وہ گمراہی میں رہتا ہے ہدایت مل نہیں سکتی
طریق حق کی جانب جس کا دل مائل نہیں ہوتا

نہیں ہوتا ہے جس میں خدمت مخلوق کا جذبہ
کسی کی بھی نظر میں وہ کسی قابل نہیں ہوتا

بہت تحقیق کی ثاقبؔ، ترا بس جرم یہ نکلا
خلافِ شرع باتوں کا کبھی قائل نہیں ہوتا

پیر و مرشد حضرت مولانا اسعد اللہؒ ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور
خلیفہ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ

(ولادت: ماہ شوال ۱۳۱۴ھ۔ وفات: ۱۵؍رجب ۱۳۹۹ھ/ ۱۱ جون ۱۹۷۹ء۔ مدفون سہارنپور)

منظوم نصائح

بزدل نہ بن، شعارِ شجاعت کبھی نہ چھوڑ
ڈر کر کسی سے حق کی حمایت کبھی نہ چھوڑ

غیظ و غضب میں شانِ شرافت کبھی نہ چھوڑ
رنج و لعب میں آنِ مروت کبھی نہ چھوڑ

اسعد خدا کی مان، عبادت کبھی نہ چھوڑ
دامانِ اتقاء و شریعت کبھی نہ چھوڑ

محنت کبھی نہ چھوڑ، مشقت کبھی نہ چھوڑ
ہاں ہاں نہ چھوڑ دامنِ ہمت کبھی نہ چھوڑ

یارانِ بدخصال کے سائے سے دور بھاگ
مردانِ برگزیدہ کی صحبت کبھی نہ چھوڑ

احباب پر خلوص کا ہر وقت پاس کر
آئینِ لطف و مہر و مروت کبھی نہ چھوڑ

بے بس اپاہجوں کا ہمیشہ خیال رکھ
بیکس، یتیم، رانڈ کی خدمت کبھی نہ چھوڑ

گو جھیلنا پڑیں تجھے لاکھوں مصیبتیں
لیکن نہ چھوڑ فکرِ سعادت کبھی نہ چھوڑ

اسعدؔ گرہ میں باندھ لے یہ پند سودمند پابندی نماز باجماعت کبھی نہ چھوڑ

(حیاتِ اسعد، ص: ۵۰۰)

ملفوظات-مرقومہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب نوراللہ مرقدہ

۱۔ **ہر کام کے چار اصول ہیں :** ہر کام کے چار اُصول ہیں کام خواہ دنیوی ہو یا دینی (۱) اخلاص وللّٰہیت (۲) حوصلہ و ہمت (۳) صحیح محنت (۴) امانت و دیانت۔جس کام میں یہ چاروں اُصول ملحوظ رہیں گے اس میں کامیابی یقینی ہے اور جس کام میں یہ نہ ہوں گے یا ان میں سے بعض نہ ہوں گے اس میں کامیابی غیر یقینی بلکہ ناکامی کا سخت اندیشہ ہے۔

(فائدہ : یقیناً یہ اُصول ایسے ہیں کہ ہر انسانکے لیے اُن کا اختیار کرنا لازم ہے تاکہ کامیابی سے ہم کنار ہوں مگر اب ہم لوگ کامیابی تو چاہتے ہیں مگر ان اصولوں کو نہیں اپناتے۔)

۲۔ شریعت ہر جگہ مقدم ہے : آپ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے

ہماری یہ نصیحت یاد رکھو
کہ ہر شے میں شریعت یاد رکھو

۳۔ اپنی رائے پر اصرار و اِجبار کبر ہے : اپنی رائے کو دوسروں پر لادنا اور بزورِ کلام اپنی بات کو منوانا تکبر کی علامت ہے۔حضرت حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوریؒ جوفنِ طب کے امام تھے، اگر کوئی معمولی درجہ کا طبیب بھی ان کی رائے سے اختلاف کرتا تو فرماتے، یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی رائے درست ہو۔

۴۔ **آدمیوں کی چار اقسام ہیں :** آدمی چار قسم کے ہوتے ہیں (۱) اکمل (۲) کامل (۳) ناقص (۴) انقص۔

(۱) اکمل (کامل ترین) آدمی وہ ہے جو صاحب الرائے اور صائب الرائے ہو (یعنی رائے رکھتا ہو اور درست رکھتا ہو) اور مشورہ بھی کرتا ہو۔

(۲) کامل وہ آدمی ہے جو صاحب الرائے اور صائب الرائے ہو اور مشورہ نہ کرتا ہو یا دونوں میں سے ایک صفت ہو یعنی صاحب الرائے یا صائب الرائے ہو لیکن مشورہ کرتا ہو۔

(۳) اور جو صاحب الرائے یا صائب الرائے ہو یعنی جس کو دونوں صفتوں میں سے

صرف ایک صفت حاصل ہو لیکن مشورہ نہ کرتا ہو ایسا شخص ناقص ہے۔

(۴) اور اگر نہ صاحب الرائے ہے نہ ہی صائب الرائے ہے یعنی دونوں صفتوں سے محروم ہے اور مشورہ بھی نہیں کرتا، تو ایسا شخص انقص یعنی ناقص ترین ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ صاحب الرائے اور صائب الرائے ہونے کے ساتھ ساتھ معاملات و حادثات میں دوسروں سے بھی مشورہ کرلیا جائے تاکہ کامل ترین لوگوں میں شمار و شمولیت ہو سکے۔

۵۔ چار چیزیں کم کر دینا مفید ہے: حضرات صوفیائے کرام سالکین و متصوّفین کو چار قلتوں (کمیوں) کا حکم دیتے تھے اور یہ قلتیں غیر سالکین کے لیے بھی مفید ہیں لیکن اس زمانے میں قویٰ کمزور ہیں اور صحتیں متاثر و مضمحل ہو گئیں اس لیے اب دو قلتوں کا امر نہیں کیا جاتا۔

وہ چار قلتیں یہ ہیں (۱) قلت الطعام (کم کھانا) (۲) قلت المنام (کم سونا) (۳) قلت الکلام (کم بولنا) (۴) قلت الاختلاط مع الانام (لوگوں سے میل جول کم رکھنا)۔ اوّل الذکر دو قلتوں کو موقوف کر دیا گیا ہے کیونکہ اب ان کا تحمل نہیں ہوتا البتہ مؤخر الذکر دو قلتیں سب کے لیے خصوصاً طلبہ و سالکین کے لیے اب بھی بہت ضروری ہیں۔

۶۔ عیادت-عبادت سے بہتر ہے: "اَلْعَيَادَةُ خَيْرٌ مِّنَ الْعِبَادَةِ" بیمار کی عیادت بہتر ہے عبادت سے۔ عیادت میں یاء ہے اور عبادت میں باء۔ یاء میں دو نقطے ہیں اور باء میں ایک۔ تو عیادت میں ایک نقطہ عبادت سے زائد ہے اسی طرح یاء (ی) کے عدد دس ہیں اور با (ب) کے دو تو بحساب ابجد عیادت کے عدد عبادت سے آٹھ زائد ہیں تو گویا عیادت کی خیر عبادت (نافلہ) سے آٹھ عدد بڑھی ہوئی ہے، نیز عیادت میں نفع رسانی ہے اور عبادت میں نفع اندوزی ہے اور ظاہر ہے کہ اوّل افضل ہے لہٰذا "اَلْعَيَادَةُ خَيْرٌ مِنَ الْعِبَادَةِ لَفْظاً وَ مَعْنىً وَ عَدَداً وَ رُتْبَةً" (یعنی عیادت عبادت سے لفظوں میں، معنیٰ میں اور عدد میں و مرتبہ میں) ہر طرح بڑھی ہوئی ہے۔

'حیاتِ اسعدؒ' سے دو ملفوظ

خدمتِ خلق

حضرت والاؒ خدمتِ خلق کو بہت ہی اہمیت دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَنْفَعُ النَّاسَ" (انسانوں میں سب سے بہتر ہے جو انسانوں کو نفع پہنچائے) سے خدمتِ خلق و نفع رسانی کی عظمت و اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ خدمتِ خلق خود عبادتِ حق ہے اور اکثر عبادات سے بڑھ کر ہے۔ پھر جتنی اونچی خدمت ہوگی اور جس قدر نفع پہنچایا جائے گا اتنی ہی فضیلت و خیریت کا حصول ہوگا مثلاً کسی کو ایک گلاس پانی پلا دیا جائے، یہ بھی خدمت ہے اور کسی کو جنت دلوا دی جائے، یہ خدمت ہے۔ مگر دونوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ایک گلاس پانی اور جنت میں فرق ہے۔

حضرت والاؒ کی الحمدللہ پوری زندگی ہی عبادت، دین کی اشاعت اور خلق اللہ کی خدمت میں گزری ہے۔ آپ خدمتِ خلق کی ترغیب دیتے ہوئے اکثر یہ شعر پڑھتے تھے ؎

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

(تصوف خدمتِ خلق کے سوا کچھ بھی نہیں۔ تسبیح و مصلّٰی اور گدڑی کا نام طریقت نہیں ہے۔)

اذیت رسانی سے پرہیز

اس کے مقابلے میں خلق اللہ کو تکلیف پہنچانا اور لوگوں کا دِل دُکھانا بدترین گناہ ہے۔ فرماتے تھے کہ کسی کو اذیت نہ پہنچاؤ کہ اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔ اس موقع پر فرماتے تھے

مباش در پئے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

(یعنی کسی کو اذیت دینے کا ارادہ بھی نہ کرو اور جو چاہو کرو۔ کیونکہ ہماری شریعت میں اس کے علاوہ کوئی گناہ نہیں ہے۔) اگر غور کیا جائے تو یہ بڑی جامع تعبیر ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ، نہ خود کو نہ دوسروں کو، اگر خود کسی گناہ کا ارتکاب کیا یا کسی فرض و واجب کو

ترک کیا تو اپنی روح کو تکلیف پہنچائی اور غضبِ الٰہی کا نشانہ بن کر دنیا و آخرت میں خود اپنے آپ کو اذیت پہنچائی کیونکہ سزا کا مستحق ہوا۔

خصوصاً اللہ والوں کو اذیت پہنچانا بڑا خطرناک ہے۔ آپ اس پر خدام کو تنبیہ فرماتے تھے اور اس موقع پر یہ شعر پڑھتے تھے۔

بس تجربہ کردیم دریں دارِ مکافات

با درد کشاں ہر کہ در افتاد برافتاد

(ہم نے اس دنیا میں بہت تجربہ کیا ہے کہ جو عاشقانِ حق سے اُلجھا وہ منہ کے بَل گر پڑا۔)

حضرتؒ بڑی دلسوزی و اہتمام کے ساتھ خدام و تلامذہ کو یہ تاکید و نصیحت فرماتے تھے کہ کسی کو ایذا نہ دو، نہ تکلیف پہنچاؤ۔ ایسے مواقع پر مذکورہ بالا اشعار کے علاوہ یہ شعر بھی سناتے تھے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد

کسے را با کسے کارے نباشد

(اس جگہ جنت ہے جہاں پر کسی کو کسی سے تکلیف نہ پہنچے اور کسی کو کسی سے شکایت نہ ہو۔)

اگر سب لوگ اس حقیقت پر عمل کرلیں تو یہ دنیا جنت نہیں تو جنت کا نمونہ ضرور بن جائے گی۔ (حیاتِ اسعد، مؤلفہ حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری، ص: ۵۵)

شعر وسخن

ماشاء اللہ تعالیٰ آپ کو شعر وسخن کا بھی نہایت پاکیزہ ذوق تھا جس پر آپ کے اشعار شاہد ہیں۔ ہم یہاں آپ کی مشہور نعت اور اس کے علاوہ دوسرے اشعار نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

نعت پاک

مجھے کیا علم کیا تم ہو خدا جانے کہ کیا تم ہو

بس اتنا جانتا ہوں محترم بعد از خدا تم ہو

کسی کی آرزو کچھ ہو کسی کا مدعا کچھ ہو

ہماری آرزو تم ہو ہمارا مدعا تم ہو

نہ یہ قدرت زباں میں ہے نہ یہ طاقت بیاں میں ہے
خدا جانے تو جانے کوئی کیا جانے کہ کیا تم ہو
رسالت کو شرف ہے ذاتِ عالی کے تعلق سے
نبوت ناز کرتی ہے کہ ختمِ انبیاء تم ہو

کہاں ممکن تمھاری نعت حضرتؐ ! مختصر یہ ہے
دو عالم مل کے جو کچھ بھی کہیں اس سے سوا تم ہو
نہیں شرمندۂ اظہار ، اوصافِ گرامی قدر
بتاؤں کیا کہ کیا تم ہو سناؤں کیا کہ کیا تم ہو
زمانہ جانتا ہے صاحب لو لا ، لما تم ہو
جہاں کی ابتدا تم ہو جہاں کی انتہا تم ہو

چند اشعارِ معرفت

رشک کرتا ہے فلک ایسی زمیں پر اسعدؔ
جس پہ دو چار گھڑی ذکر خدا ہوتا ہے
وہ ذات ہے جناب رسالت مآب کی
ادراک کی حدود سے بالا کہیں جسے
گروہِ رازدانِ نظمِ فطرت پر نہیں مخفی
یہ سب ہنگامۂ عالم ''خبر'' ہے ''مبتدا'' تم ہو
فصاحت کو تحیر ہے بلاغت کو پریشانی
کہ لفظوں سے بہت بالا جنابِ مصطفیٰؐ تم ہو
گنہگارانِ اُمت کا سہارا ذاتِ والا ہے
خوشا قسمت کہ حضرت ! شافعِ روزِ جزا تم ہو

یہ ربطِ باہمی اُمت کو وجہِ صد تفاخر ہے
تمھارا ہے خدا محبوب ، محبوبِ خدا تم ہو
تمھارے واسطے اسعدؔ کہیں بہتر ہے شاہی سے
کہ اِک ادنیٰ غلامِ بارگاہِ مصطفیٰ تم ہو
آؤ بیٹھیں مرکزِ انوار کی باتیں کریں
نور برسائیں رُخِ دلدار کی باتیں کریں
بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد
شرمندگئ ذوق کو میرے نہ پوچھئے
ہم جس مکاں پر پہنچے وہ اس کا مکاں نہ تھا
وطن میں ہو نہیں سکتی ہے عزّت باکمالوں کی
نہیں ہوتی ہے گوہر کی کبھی توقیر پانی میں
عشق کی دشواریوں نے کردیا کامل مجھے
اب کوئی مشکل نظر آتی نہیں مشکل مجھے

اپنی سعادت

الحمدللہ! حضرت اقدس مولانا اسعد صاحبؒ کی زیارت و بیعت کا شرف ۱۹۷۳ء میں مظاہرِعلوم سہارنپور میں نصیب ہوا۔ آپ کے ملفوظات سے مستفیض ہوا۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَ الْمِنّه

یہ سیہ کار آوارہ و ناکارہ بندۂ کمتریں محمد ثمین اشرف جب ہتورا باندہ حضرت باندویؒ کے یہاں سے دیوبند حاضر ہوا تو حق جل مجدہ نے کئی سعادتوں کو جمع کردیا۔ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے ربط ونسبت جس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت مفتی صاحب نوّراللہ مرقدہ اپنے ہمراہ کاندھلہ لے گئے تاکہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا تعلق ہوجائے مگر حضرت شیخ نے کیا مصلحت دیکھی، الغیب عنداللہ، کیونکہ شیخ مدینہ پاک تشریف لے جارہے تھے۔ سیہ کار کو حضرت مفتیؒ نے دیوبند واپس کردیا اور حضرت مفتی صاحب حضرت شیخ کے ساتھ رُک گئے۔ جب

حضرت مفتیؒ واپس آئے تو پھر سیہ کار کو سہارنپور لے گئے۔ حضرت مرشدی مولانا اسعد اللہؒ کے پاس جمعہ کا دن تھا۔ بعد نمازِ جمعہ حضرت بیمار تھے، چارپائی پر لیٹے تھے، معمول کے مطابق غرض و غایت معلوم کرنے کے بعد حضرت نے فرمایا میں بیمار ہوں، بیعت نہیں کرتا مگر تم آئے ہو تو ہاتھ دو۔ پھر خوب بلک بلک کر رونے لگے۔ سیہ کار کی تو حالت ہی خراب ہوگئی۔ اللہ اکبر! اتنا پرنور چہرہ۔ تقویٰ و طہارت، تزکیہ و تصفیہ سے جس کا ظاہر اتنا منور تھا اس کے باطن کا کیا حال ہوگا۔ سبحان اللہ! اللہ اکبر کبیراً!

حضرت نے کلماتِ بیعت تلقین فرمایا، پھر دوازدہ تسبیح کی تلقین کی اور ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی اور رخصت کرنے سے پہلے فرمایا میری حیات کے بعد جس سے دل کو مناسبت ہو رجوع کرلینا۔ اللہ کا صد شکر اور عظیم احسان ہے۔ اللہ استقامت عطا فرمائے، آمین۔

اس وقت دارالعلوم دیوبند میں مَیں شرحِ وقایہ یعنی سالِ پنجم میں تھا۔ یہ ۱۹۷۳ء کی بات ہے۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوبؒ خلیفہ حضرت تھانویؒ

(ولادت: ۱۱رشعبان ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء۔ وفات: ۲۷رشعبان ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴ء۔ مدفن: اورائی، ضلع جالون)

استفاضہ کے شرائط

چار شرطیں لازمی ہیں استفاضہ کے لیے ــــ اطلاع و اتباع و اعتقاد و انقیاد
یہ مقفّٰی قول ہے رنگین بھی سنگین بھی ــــ حضرتِ مرشد کا یہ ارشاد رکھ تا عمر یاد

(فائدہ: آج بزرگوں سے تعلق کے باوجود ان کے فیض سے جو ہم محروم رہتے ہیں تو اس کی وجہ انہی شرائط پر عمل نہ کرنا ہے۔ خوب سمجھ لیں۔)

سستی کا علاج

اصلاح میں اپنی کر نہ سستی ــــ ہمت پہ ہے منحصر درستی
فرما گئے ہیں حکیم الامت ــــ سستی کا علاج ہے چستی

(فائدہ: اسی کو حضرت حکیم الامتؒ فرمایا کرتے ہیں کہ اختیاری اعمال کو اپنے اختیار سے

کرو اور غیر اختیاری کے پیچھے نہ پڑو۔ اس سے دین کے یسر وسہولت کو واضح فرما کے اُمت پر احسانِ عظیم فرمایا۔)

ظاہر و باطن کا ہر چھوٹا گناہ — اس سے بچ رہرو کہ ہے وہ سدِّ راہ
لب پہ ہر دم ذکر بھی ہو دل میں ہر دم فکر بھی — پھر تو بالکل راستہ ہے صاف تا دربارِ شاہ

وساوس کا علاج

وساوس جو آتے ہیں اس کا ہو غم کیوں — عبث اپنے جی کو جلانا بُرا ہے
خبر تجھ کو اتنی بھی ناداں نہیں ہے — وساوس کا لانا کہ آنا بُرا ہے

(فائدہ: سبحان اللہ! اس اہم مسئلہ کو کتنی آسانی سے حل فرمادیا یہ حکیم الامتؒ ہی کا ارشاد ہے جس کو حضرت خواجہ صاحب نے منظوم فرمادیا ہے۔ فَجَزَاھُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ الۡجَزَاءِ)

حال کا خیال

سوچ ماضی کو نہ استقبال کو — ٹھیک رکھ تو تو بس اپنے حال کو
کیا ہوا کیا ہوگا اس غم میں نہ پڑ — تو عبث سر لے نہ اس جنجال کو

(فائدہ: یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے جو ہزار اُلجھنوں اور پریشانیوں کا علاج ہے، اس لیے کہ عموماً لوگ ماضی و مستقبل کے غم وفکر میں اپنے اوقات کو ضائع کرتے ہیں۔ اور حال کا خیال کر کے کام میں نہیں لگتے جس سے محروم کے محروم ہی رہ جاتے ہیں۔)

کیا نتیجہ ہوگا کیونکر ہوگا یہ اوہام چھوڑ — کام کر اور جس کا کام ہے کام اس پہ تو انجام چھوڑ
اجر لے ناکام ہو کر بھی نہ رب کا کام چھوڑ — وقت ہے جدوجہد کا راحت و آرام چھوڑ

(فائدہ: اس قطعہ میں کام کی طرف زبردست ترغیب دی ہے۔ اس لیے کہ ہمارا کام تو عمل ہی کرنا ہے۔ اجر تو اللہ کریم ہے ضرور عنایت فرمائے گا۔ اس لیے کہ ع: 'خواجہ خود رَوِشِ بندہ پروری داند' یعنی آقا خود پروری کا طریقہ جانتا ہے۔)

دل کیوں نہیں لگتا طاعتوں میں — اس فکر کے پاس بھی نہ جانا
دل لگنا کہاں ہے فرض تجھ پر — ترا تو فرض ہے دل لگانا

(فائدہ : اس میں بھی طالبین کی تسلی کے لیے سہل نسخہ بیان فرمایا ہے جو مستحضر رکھنے کے لائق ہے بلکہ لوگوں کو بتلانے کی ضرورت ہے۔)

مالک ہے جو چاہے کر تصرف کیا وجہ کسی بھی فکر کی ہے
بیٹھا ہوں میں مطمئن کہ یا رب حاکم بھی ہے تو حکیم بھی ہے

(فائدہ : اس قطعہ میں اہلِ مصیبت کے لیے کیا ہی خوب مراقبہ ہے جو یقیناً موجبِ طمانیت وتسلی ہے۔)

تو ہو کسی بھی حال میں مولا سے لَو لگائے جا قدرتِ ذوالجلال میں کیا نہیں گڑگڑائے جا
بیٹھے گا چین سے اگر، کام کے کیا رہیں گے پَر گو نہ نکل سکے مگر پنجرہ میں پھڑ پھڑائے جا
ضربیں کسی کے نام کی دل پہ یوں ہی لگائے جا گو نہ ملے جواب کچھ، دَر یوں ہی کھٹکھٹائے جا
کھولیں وہ یا نہ کھولیں دَر، اس پہ ہو کیوں نظر تو تو بس اپنا کام کر، یعنی صدا لگائے جا

....

کتنی ہی مشکلات کیوں ہوں پروانہ چاہیے اقدام راہِ حق میں دلیرانہ چاہیے
لیکن یہ گر رسائی منزل کا یاد رکھ کوشش تو خوب چاہیے دعویٰ نہ چاہیے

(فائدہ : سبحان اللہ! ان تینوں قطعات میں طریق کی نہایت اہم تعلیم ہے جو ہر سالک راہ بلکہ مسلمان کو پیش نظر ہی نہیں بلکہ لائحہ عمل بنانا چاہیے اور اس کے ذریعے اپنے خالق و مالک سے تعلق کو استوار کرنا چاہیے۔(مرتب)

کامیابی تو کام سے ہوگی نہ کہ حسنِ کلام سے ہوگی
فکر اور اہتمام سے ہوگی ذکر کے التزام سے ہوگی
لب پہ ذکر اللہ کی تکرار ہو دل میں ہر دم حق کا استحضار ہو
اس پہ تو کرے اگر حاصل دوام پھر تو بس کچھ دن میں بیڑا پار ہو
رکھ نظر میں ہمیشہ دو باتیں اے دو عالم کی خیر کے طالب!
طبع غالب نہ عقل پر ہو کبھی اور نہ ہو عقل شرع پر غالب

(فائدہ : ماشاءاللہ! کیا ہی خوب کلیہ بیان فرمایا۔ یعنی طبیعت پر عقل کو غالب رکھنا چاہیے اور عقل پر شریعت کو۔ یعنی طبع و عقل اگر دونوں ہی شریعت کے مزاحم ہو تو تقاضائے عقل و طبع کو

ترک کردینا چاہیے۔)

جو ناکام ہوتا رہے زندگی بھر　　بہرحال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے
یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے　　جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

(فائدہ : عشق ومحبت کا یہی تقاضا ہے کہ معشوق ومحبوب کی اطاعت اور اس کے راضی رکھنے کی فکر میں لگا رہے ورنہ عاشقی کا دم بھرنا عبث ولغو ہے بلکہ ایسے کو عاشق کہا ہی نہیں جاتا، بوالہوس کہا جاتا ہے۔)

احسان جتا کر نہ کوئی میرے گھر آئے　　احسان مرا مان کر آئے اگر آئے
بیٹھا ہوں غنی ہو کر میں ہر شاہ وگدا سے　　سو بار غرض جس کو پڑے وہ اِدھر آئے

(فائدہ : اہل اللہ کی یہی شان ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ایسا ربط اور ان پر ایسا توکل کا غلبہ ہوجاتا ہے کہ مخلوق سے استغناء کی صفت پیدا ہوجاتی ہے اور ایک اللہ سے تعلق کی بناء پر سارے جہاں سے بے نیاز ہوجاتے ہیں۔)

لطف دنیا کے ہیں گے دن کے لیے　　کھو نہ جنت کے مزے ان کے لیے
یہ کیا اے دل ! تو بس پھر یوں سمجھ　　تو نے ناداں گل دیے تنکے کے لیے

(فائدہ : اس میں آخرت کی بقا ودوام اور دنیا اور اس کی لذات کی بے ثباتی کو بیان فرمایا ہے اور اس کے پیچھے پڑ کر آخرت کی نعمتوں سے غفلت ولا پرواہی انتہائی نادانی کی بات ہے جو ایک مسلمان کی شان سے بعید ہے۔)

ترکِ دنیا کر ، نہ ہر لذت کو چھوڑ　　معصیت کو ترک کر غفلت کو چھوڑ
نفس و شیطاں لاکھ درپے ہوں مگر　　تو نہ ہرگز ذکر اور طاعت کو چھوڑ

(فائدہ : اس میں بھی نفس وشیطان کی اطاعت سے روکا ہے اور ذکر وطاعت کی ترغیب دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو عمل کی توفیق دے۔)

فکر دنیا تجھ کو صبح و شام ہے　　اس سے غفلت ہے جو اصلی کام ہے
کچھ دنوں سہہ لے مشقت دین کی　　پھر تو بس آرام ہی آرام ہے
نفع دینی دیکھ تو دنیا کی بہبودی نہ دیکھ　　مرضیِ حق پر نظر کر اپنی بہبودی نہ دیکھ

تو اکیلا تیرے دشمن سیکڑوں یہ سبھی نہ دیکھ　　قدرتِ حق پر نظر کر اپنی کمزوری نہ دیکھ
بہر غفلت یہ تیری ہستی نہیں　　دیکھ جنت اس قدر سستی نہیں
رہ گزر دنیا ہے یہ بستی نہیں　　جائے عیش و عشرت و مستی نہیں
ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم　　چپکے چپکے رفتہ رفتہ دَم بدم
سانس ہے اک رہروِ ملکِ عدم　　دفعتہً اک روز یہ جائے گا تھم

اب ہم 'کشکول مجذوبؔ' کے پیش لفظ مرقومہ مولانا انعام الرحمٰن صاحب تھانوی سے مندرجہ ذیل عبارت نقل کر کے 'تذکرہ خواجہ صاحب مجذوب' کو تمام کرتے ہیں۔

خواجہ صاحب کا کلام علم و حکمت کا خزینہ اور حقائق و معارف کا بیش بہا گنجینہ ہے۔ زندگی کی تمام تعبیریں ان کے کلام میں موجود ہیں۔ حیاتِ انسانی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جس کے متعلق انھوں نے کوئی راہِ عمل نہ دِکھائی ہو اور عشق و محبتِ الٰہی کا جذبہ تو ان کے کلام میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ وہ ہر موقع پر مالکِ حقیقی کی رضا و خوشنودی کے طالب اور مشتاق نظر آتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی　　اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

واقعی اس محبوبِ حقیقی کی لگن اور عشقِ صادق کی سچی تڑپ سے اہلِ دل حضرات کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ وہ تمام تمناؤں سے اپنے سینے کو خالی کر لیتے ہیں۔ صرف ایک اس کی تمنا کے لیے، وہ سب آرزوؤں کو ختم کر دیتے ہیں۔ صرف ایک اس کی آرزو کے لیے۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ اس شعر کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔ خود خواجہ صاحب کا بیان ہے یہ شعر حضرت اقدس کو اپنے حسبِ حال ہونے کی وجہ سے اس درجہ پسند تھا کہ ایک بار مسکراتے ہوئے فرمایا، ''اگر میرے پاس اتنی رقم ہوتی تو میں ایک لاکھ روپیہ آپ کو اس شعر کا انعام دیتا۔'' ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا، ''جب کبھی مجھ کو یہ شعر یاد آ جاتا ہے تو کم از کم تین بار پڑھے بغیر سیری نہیں ہوتی۔'' حضرت حکیم الامتؒ ان کے اشعار کی ایک سلسلۂ ملفوظ میں اس طرح تعریف فرماتے ہیں:

''خواجہ صاحب تصوف کے حقائق و غوامض کو اپنے اشعار میں ادا کرتے ہیں۔''

حضرت حکیم الامتؒ جیسے مجمع الفضائل جامع کمالات اور باذوق بزرگ کی یہ مدح و توصیف خواجہ صاحب کے لیے حسنِ قبول کی ایک عمدہ اور بہترین سند ہے۔

حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب کسولوی مدظلہ العالی کی فرمائش پر حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری مجذوبؒ رحمۃ اللہ علیہ نے دوازدہ (بارہ) تسبیح کے ہر چہار اذکار کے متعلق دس دس بند تصنیف فرمائے تھے۔ چنانچہ یہ چالیس بند کا مجموعہ بہ عنوان 'چہل بند اذکارِ چشتیاں مقلب بہ تفریح بہشتیاں' مصداق شعر ؎

یہ کیسے مزے کا چہل بند ہے   کہ ہر بند اک کوزہ قند ہے

ہدیۂ ذاکرین و طالبین کرتا ہوں اور اس تضمین دوازدہ اذکار کا تاریخی نام 'نفیرِ غیب' ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اس کو مقبول و نافع فرماوے اور حضرت مصنفؒ اور جملہ قارئین کے لیے ذخیرۂ آخرت بناوے، آمین یا رب العالمین۔

ابیات در تضمینِ ذکر نفی اثبات

یار رہے تو میرا اور میں تیرا یار رہوں
مجھ کو فقط تم سے ہو محبت، خلق سے میں بیزار ہوں
ہر دم ذکر و فکر میں تیرے مست رہوں سرشار رہوں
ہوش رہے نہ مجھ کو کسی کا تیرا مگر ہوشیار رہوں

اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ
لا الٰہ الا اللہ ، لا الٰہ الا اللہ

تیرے سوا معبودِ حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا مقصودِ حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا موجودِ حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا مشہودِ حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں

اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ
لا الٰہ الا اللہ ، لا الٰہ الا اللہ

دونوں جہاں میں جو کچھ بھی ہے سب ہے تیرے زیرِ نگیں
جن و انس و حور و ملائک عرش و کرسی چرخ و زمیں
کون و مکاں میں لائق سجدہ تیرے سوائے اے نورِ مبیں
کوئی نہیں ہے ، کوئی نہیں ہے ، کوئی نہیں ہے ، کوئی نہیں

اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ
لا الٰہ الا اللہ ، لا الٰہ الا اللہ

سب بندے ہیں کوئی نبی ہو یا ہو ولی یا شہنشاہ
باغِ دو عالم بھی ہے تری قدرت کے حضور اک برگ گاہ
کیوں نہ میں قائل ہوں کہ ہزاروں تیری خدائی کے ہیں گواہ
خار و گل و افلاک و کواکب کوہ و دریا مہر و ماہ

اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ
لا الٰہ الا اللہ ، لا الٰہ الا اللہ

تیرا گدا بن کر میں کسی کا دستِ نگر ، اے شاہ ! نہ ہوں
بندۂ مال و زر نہ بنوں میں طالبِ عز و جاہ نہ ہوں
راہ پہ تیری پڑ کے میں قیامت تک میں کبھی بے راہ نہ ہوں
چین نہ لوں میں جب تک رازِ وحدت سے آگاہ نہ ہوں

اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ
لا الٰہ الا اللہ ، لا الٰہ الا اللہ

یاد میں تیری سب کو بھلادوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پہ سب گھر بار لٹا دوں خانۂ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگادوں غم سے ترے دِل شاد رہے
سب کو نظر سے اپنی گرادوں تجھ سے فقط فریاد رہے

اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ

لا الٰہ الا اللہ ، لا الہ الا اللہ

سب سے میں ہو جاؤں مستغنی ، فضل ہو پیشِ نظر تیرا

اب تو رہوں میں اے میرے داتا ! بس اک دستِ نگر تیرا

توڑ کے پاؤں پڑ جاؤں ، چھوڑوں نہ کبھی اب دَر تیرا

عشق سما جائے رگ رگ میں دل میں میرے گھر تیرا

اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ

لا الٰہ الا اللہ ، لا الہ الا اللہ

نفس و شیطان دونوں نے مل کر ہائے کیا ہے مجھ کو تباہ

اے مولا میری مدد کر چاہتا ہوں میں تیری پناہ

مجھ سا خلق میں کوئی نہیں گو بدکار و نامہ سیاہ

تو بھی مگر غفار ہے یا رب بخش دے میرے سارے گناہ

اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ

لا الٰہ الا اللہ ، لا الہ الا اللہ

مجھ کو سراپا ذکر بنا دے ذکر ترا اے میرے خدا

نکلے میرے ہر بن مو سے ذکر ترا اے میرے خدا

اب تو کبھی چھوڑے بھی نہ چھوٹے ذکر ترا اے میرے خدا

حلق سے نکلے سانس کے بدلے ذکر ترا اے میرے خدا

اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ

لا الٰہ الا اللہ ، لا الہ الا اللہ

جب تک قلب رہے پہلو میں ، جب تک تن میں جان رہے

لب پہ تیرا نام رہے اور دِل میں تیرا دھیان رہے

جذب میں پڑّ اں ہوش رہیں اور عقل مری حیران رہے
لیکن تجھ سے غافل ہرگز دل نہ مرا اِک آن رہے
اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ
لا الٰہ الا اللہ ، لا الٰہ الا اللہ

ابیات در تضمینِ ذکر مجرد و اثبات

اے میرے مولا ! میری نظر میں تو ہی تو ہو تو ہی تو
سب تو ہوں باہر دل کے اندر تو ہی تو ہو تو ہی تو
قلبِ تپاں میں دیدۂ تر میں تو ہی تو ہو تو ہی تو
میرے لیے تو بحر و بر میں تو ہی تو ہو تو ہی تو
کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ
الا اللہ الا اللہ ، الا اللہ الا اللہ

سوجھے مجھ کو دونوں جہاں میں تو ہی تو بس تو ہی تو
سوجھے مجھ کو کون و مکاں میں تو ہی تو بس تو ہی تو
سوجھے مجھ کو قالب و جاں میں تو ہی تو بس تو ہی تو
سوجھے مجھ کو سود و زیاں میں تو ہی تو بس تو ہی تو
کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ
الا اللہ الا اللہ ، الا اللہ الا اللہ

جان سے بھی جو مجھ کو ہے پیارا تو ہی تو ہاں تو ہی تو
جس کے لیے سب کچھ ہے گوارا تو ہی تو ہاں تو ہی تو
دونوں جہاں میں میرا سہارا تو ہی تو ہاں تو ہی تو
میری ناؤ کا کھیون ہارا تو ہی تو ہاں تو ہی تو
کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ
الا اللہ الا اللہ ، الا اللہ الا اللہ

جود و کرم کی شان گدا کو کھل کر اب اے شاہ دِکھا
قربِ خاص عطا فرما ، ایوان کی اپنے راہ دِکھا
جلوہ اب تو کھلے بندوں ہی بس اب میرے ماہ دِکھا
پردہ اُٹھا دے نور اپنا ہر وقت دِکھا ہر گاہ دِکھا
کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ
الا اللہ الا اللہ ، الا اللہ الا اللہ

آئے نظر ذرّہ ذرّہ میں صاف تری قدرت مجھ کو
عالمِ کثرت بھی ہوجائے آئینۂ وحدت مجھ کو
باغِ جہاں میں تو محسوس اب ہو مثلِ نکہت مجھ کو
مشقِ تصور اتنی بڑھی جلوت میں بھی خلوت مجھ کو
کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ
الا اللہ الا اللہ ، الا اللہ الا اللہ

ایسا سما جا میری نظر جلوہ ترا دیکھو ہر سو
غیبت دم بھر کو بھی نہ ہو ہر وقت رہوں میں رو در رو
میرے لیے بازارِ جہاں سر بسر اک میدان ہو
تو ہی تو ہو تو ہی تو ، تو ہی تو ہو تو ہی تو
کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ
الا اللہ الا اللہ ، الا اللہ الا اللہ

ذرّہ ذرّہ ، قطرہ قطرہ ، رطب و یابس ، بحر و بر
نور و نار و اوج و پستی ، کفر و ایماں ، خیر و شر
ایک زباں ہوکر یہ سب کے سب دیتے ہیں تیری خبر
تیرے آگے ہیچ ہے ہر شے تو ہی ہے سب سے برتر

کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ

الا اللہ الا اللہ ، الا اللہ الا اللہ

میری نظر میں سب یکساں ہوں کوئی گدا ہو یا ہو شاہ

ہوں نہ ذرا مرعوب کسی سے کوئی ہو کتنا ہی ذی جاہ

رازِ وحدت سے تو کردے دل کو مرے یا رب آگاہ

میرے لیے ہوجائیں برابر باغ و صحرا کوہ و کاہ

کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ

الا اللہ الا اللہ ، الا اللہ الا اللہ

بندۂ مقبول اپنا بنا اور کر نہ کبھی مردود مجھے

بخش خدایا حسنِ ختام و عاقبتِ محمود مجھے

جلوہ ترا اس طور سے ہر لحظہ اب مشہود مجھے

تیرے سوا عالم میں نظر آئے نہ کوئی موجود مجھے

کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ

الا اللہ الا اللہ ، الا اللہ الا اللہ

ابیات در تضمینِ ذکر دوضربی

نوٹ: اس ذکر کی اصل بحر یہ ہے 'استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ' لیکن یہ چونکہ غیر مانوس سی بحر ہے اس لیے متعارف بحر یعنی 'الٰہی توبہ الٰہی توبہ الٰہی توبہ الٰہی توبہ' اختیار کی گئی ہے۔ ان دونوں بحروں میں بہت ہی کم فرق ہے جیسا کہ ظاہر ہے اس لیے پڑھنے میں کوئی تفاوت محسوس نہ ہوگا۔

میری کرے گا مقصد بر آری اللہ اللہ اللہ اللہ

بخشے گا مجھ کو پرہیزگاری اللہ اللہ اللہ اللہ

رکھے گا مشغولِ آہ و زاری اللہ اللہ اللہ اللہ

دل کی کرے گا یہ آبیاری اللہ اللہ اللہ اللہ

ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں میں ہوجائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ
دل پر چلاتا ہے اُف کٹاری اللہ اللہ اللہ اللہ
اور نفس پر پھیرتا ہے آری اللہ اللہ اللہ اللہ
دو دو لگاتا ہے ضرب کاری اللہ اللہ اللہ اللہ
تلوار ہے اور وہ بھی دو دھاری اللہ اللہ اللہ اللہ
ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں ہوجائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ
کیا ذکر ہے یہ اللہ اکبر اللہ اللہ اللہ اللہ
دل پر چلاتا ہے تیر و خنجر اللہ اللہ اللہ اللہ
یہ جان سے بھی مجھ کو بڑھ کر اللہ اللہ اللہ اللہ
چھوڑوں نہ میں گو بن جائے دم پر اللہ اللہ اللہ اللہ
ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں ہوجائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ
یہ ذکر ہے یا قندِ مکرّر اللہ اللہ اللہ اللہ
کہنے لگا میرا دل بھی سن کر اللہ اللہ اللہ اللہ
یہ جانِ شیریں سے بھی ہے خوش تر اللہ اللہ اللہ اللہ
یہ ذکر حق ہے یا شیر و شکر اللہ اللہ اللہ اللہ
ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں ہوجائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ
یہ ذکر ہے یا قندِ مکرّر اللہ اللہ اللہ اللہ
گزری گناہوں میں عمر ساری اے میرے مولا اے میرے باری
کیا حشر ہوگا دہشت سے طاری اے میرے مولا اے میرے باری

کس کو پکارے تیرا بھکاری اے میرے مولا اے میرے باری
ہوجائے ناجی مجھ سا بھی ناری اے میرے مولا اے میرے باری
ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں ہوجائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ
ذاکر ہے تیری مخلوق ساری اے میرے مولا اے میرے باری
آجائے اب تو میری باری اے میرے مولا اے میرے باری
کب تک رہے گی غفلت یہ طاری اے میرے مولا اے میرے باری
دل پر لگے ہاں اِک چوٹ کاری اے میرے مولا اے میرے باری
ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں ہوجائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ
اُف یہ دل بد احوال میرا استغفر اللہ استغفر اللہ
یہ حال میرا یہ قال میرا استغفر اللہ استغفر اللہ
یہ حال یہ سن و سال میرا استغفر اللہ استغفر اللہ
بس اب کہے بال بال میرا استغفر اللہ استغفر اللہ
ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں ہوجائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ
ہو جاہ سے حل اشکال میرا استغفر اللہ استغفر اللہ
کام آئے یہ زر یہ مال میرا استغفر اللہ استغفر اللہ
دے نفع کچھ یہ احوال میرا استغفر اللہ استغفر اللہ
کیا ہوگا محشر میں حال میرا استغفر اللہ استغفر اللہ
ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں ہوجائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

دنیا میں دل منہمک ہے یا رب بیزار کردے بیزار کردے
کشتی بھنور میں بے ڈھب پھنسی ہے ہاں پار کردے ہاں پار کردے
بے طرح ہوں محوِ خوابِ غفلت بیدار کردے بیدار کردے
بیکار ہوں میں بیکار ہوں میں باکار کردے باکار کردے

ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں ہوجائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

دُنیا کی اُلفت دل سے مٹا کر دیندار کردے دیندار کردے
ہر کارِ دُنیا مجھ سے چھڑا کر بیکار کردے بیکار کردے
جامِ محبت اپنا پلاکر سرشار کردے سرشار کردے
مجذوبؔ اپنا مجھ کو بناکر ہشیار کردے ہشیار کردے

ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں ہوجائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

اللہ سے دل میں نے لگایا الحمد للہ الحمد للہ
مقصود میرا آخر بر آیا الحمد للہ الحمد للہ
یادِ خدا میں سب کو بھلایا الحمد للہ الحمد للہ
دل سے نکالا اپنا پرایا الحمد للہ الحمد للہ

ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں ہوجائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

آیا میں مرشد کے زیر سایہ الحمد للہ الحمد للہ
گم کردہ رہ تھا منزل پہ آیا الحمد للہ الحمد للہ
اپنی ہی دُھن میں حق نے لگایا الحمد للہ الحمد للہ
دل کی پلٹ دی بالکل ہی کایا الحمد للہ الحمد للہ

ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں ہوجائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

ابیاتِ شوقیہ

بناؤں گا اپنے نفسِ سرکش کو اب تو یا رب غلام تیرا
میں چھوڑ کر کاروبار سارے کروں گا ہر وقت کام تیرا
کیا کروں گا بس اب الٰہی ذکر ہی صبح و شام تیرا
جماؤں گا دل میں یاد تیری رٹوں گا دن رات نام تیرا

ہر دم کروں گا اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
مثل نفس اب رکھوں گا جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

میں اے خدا دم بھروں گا تیرا بدن میں جب تک کہ جاں رہے گی
پڑھوں گا ہر وقت تیرا کلمہ دہن میں جب تک زباں رہے گی
کوئی رہے گا نہ ذکر لب پر تری ہی بس داستاں رہے گی
نہ شکوۂ دوستاں رہے گا نہ غیبتِ دشمناں رہے گی

ہر دم کروں گا اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
مثل نفس اب رکھوں گا جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

رہا میں دن رات غفلتوں میں عبث یونہی زندگی گزاری
کیا نہ کچھ کام آخرت کا کٹی گناہوں میں عمر ساری
بہت دنوں میں نے سرکشی کی مگر ہے اب سخت شرمساری
میں سر جھکاتا ہوں میرے مولا میں توبہ کرتا ہوں میرے باری

ہر دم کروں گا اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
مثل نفس اب رکھوں گا جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

میں دین لوں گا، میں دین لوں گا ، نہ لوں گا زینہار دنیا
دِکھا کے نقش و نگار اپنے لبھائے مجھ کو ہزار دنیا

اسے میں خوب آزما چکا ہوں بہت ہے بے اعتبار دنیا
لگاؤں گا اس سے دل نہ ہرگز ، یہ چار دن کی ہے یار دنیا

ہر دم کروں گا اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
مثل نفس اب رکھوں گا جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

بتانِ دلبر تو سینکڑوں ہیں مگر کوئی باوفا نہیں ہے
ودود اور لائقِ محبت فقط ہے تو دوسرا نہیں ہے
کوئی ترے ذکر کے برابر مزے کی شے اے خدا نہیں ہے
مزے کی چیزیں ہیں گو ہزاروں کسی میں ایسا مزا نہیں ہے

ہر دم کروں گا اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
مثل نفس اب رکھوں گا جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

ابیاتِ مناجاتیہ

مجال ہے کچھ بھی کرسکوں میں جو تو نہ توفیق اے خدا دے
تری مشیت ہے سب پہ غالب یہ ہیچ ہیں میرے سب ارادے
بہت دنوں رہ چکا نکما بس اب مجھے کام کا بنا دے
میں کب سے ہوں محوِ خوابِ غفلت بس اب جگا دے بس اب جگا دے

ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں میں ہوجائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

رہِ طلب میں سوار سب ہیں پیادہ مثلِ غبار میں ہوں
ترے گلستاں میں سب گل ہیں بس اک اگر ہوں تو خار میں ہوں
مجھے بھی کچھ فکرِ آخرت ہو بہت ہی غفلت شعار ہوں میں
رہا میں بیکار زندگی بھر بس اب تو مشغولِ کار میں ہوں

ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں میں ہوجائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

تجھے تو معلوم ہے الٰہی بہت ہی گندہ ہے حال میرا
گناہ میں آلودہ ہورہا ہے رواں رواں بال بال میرا
یہ آخری دن ہے زندگی کے درست کردے مآل میرا
تری محبت میں اب جیوں میں اسی میں ہو انتقال میرا

ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں میں ہوجائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

کرم سے تیرے بعید کیا ہے جو فضل مجھ پر بھی میرے رب ہو
تری مدد ہو مری ہو کوشش تری کشش ہو مری طلب ہو
بدی میں گزری ہے عمر ساری ، نصیب توفیقِ نیک اب ہو
رہوں میں مشغول ذکر و طاعت بس اب یہی شغل روز و شب ہو

ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں میں ہوجائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

عنایت خاص کو الٰہی میں تیرے قربانِ عام کردے
اس اپنے ادنیٰ غلام کو بھی نصیب اب قربِ تام کردے
میں ہائے کب تک رہوں ادھورا بس اب تو پُر میرا جام کردے
فنا کا وہ درجہ اب عطا ہو جو کام میرا تمام کردے

ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں میں ہوجائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

ابیات در تضمین ذکر یک ضربی اسمِ ذات

اے میرے داتا ، اے میرے مالک ، اے میرے مولا ، اے میرے والی
شہنشاہِ دو عالم تو ہے ، سب سے تری سرکار ہے عالی
شان تری ہر آں نئی ہے ، گاہ جمالی ، گاہ جلالی
وہ بھی عجب خوش بخت ہے جس نے قلب میں تیری یاد بسا لی

شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے ، بیٹھے ، چلتے ، پھرتے ، اٹھ پہر ہو اللہ اللہ

ذکر کی اب توفیق ہو یا رب کام کا یہ ناکام ہو تیرا
قلب میں ہر دم یاد ہو تیری لب پہ ہمیشہ نام ہو تیرا
تجھ سے بہت رہتا ہے گریزاں اب دل وحشی رام ہو تیرا
مجھ کو اب استقلال عطا کر پختہ بس اب یہ خام ہو تیرا

شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے ، بیٹھے ، چلتے ، پھرتے ، اٹھ پہر ہو اللہ اللہ

ذکر تیرا کرکے الٰہی میں دور کردوں دِل کی سیاہی !
چھوڑ کے حب مالی و جاہی اب تو کروں بس فقر میں شاہی
شام و سحر ہے شغل مناہی میرے گنہ میں لامتناہی
کس سے کہوں میں اپنی تباہی تو ہی مری کر پشت پناہی

شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے ، بیٹھے ، چلتے ، پھرتے ، اٹھ پہر ہو اللہ اللہ

نفس کے شر سے مجھ کو بچا لے اے میرے اللہ ، اے میرے اللہ
پنجۂ غم سے مجھ کو چھڑا لے ، اے میرے اللہ ، اے میرے اللہ
سن مرے نالے ، سن مرے نالے ، اے میرے اللہ ، اے میرے اللہ
اپنا بنا لے ، اپنا بنا لے ، اے میرے اللہ ، اے میرے اللہ

شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے ، بیٹھے ، چلتے ، پھرتے ، اٹھ پہر ہو اللہ اللہ

اپنی رضا میں مجھ کو مٹا دے ، اے میرے اللہ ، اے میرے اللہ
کردے فنا سب میرے ارادے ، اے میرے اللہ ، اے میرے اللہ

جامِ محبت اپنا پلا دے ، اے میرے اللہ ، اے میرے اللہ
دِل میں مرے یاد اپنی رَچا دے ، اے میرے اللہ ، اے میرے اللہ
شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے ، بیٹھے ، چلتے ، پھرتے ، اُٹھ پہر ہو اللہ اللہ

دیدۂ دل میں تجھ کو بسا لوں سب سے ہٹا لوں اپنی نظر میں
تیرا ہی جلوہ پیشِ نظر ہوجاؤں کہیں میں دیکھوں جدھر میں
تیرا تصور ایسا جمالوں قلب میں مثلِ نقشِ حجر میں
بھول سکوں تا عمر نہ تجھ کو چاہوں بھلانا خود بھی اگر میں
شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے ، بیٹھے ، چلتے ، پھرتے ، اُٹھ پہر ہو اللہ اللہ

ذات ہے تیری سب سے نرالی شان ہے تیری فہم سے عالی
اس کو تری وحدت سے شاہد جس کا ہے دل اغیار سے خالی
تیرے شواہد بحر و بر ، گردون و زمیں ایام و لیالی
ذرّہ ذرّہ ، قطرہ قطرہ ، پتہ پتہ ، ڈالی ڈالی
شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے ، بیٹھے ، چلتے ، پھرتے ، اُٹھ پہر ہو اللہ اللہ

کنہ تری ہے فہم سے عالی وصف ہے تیرا عقل سے بالا
تیرے ہیں لاکھوں ماننے والے کوئی نہیں ہے جاننے والا
تیری محبت روح کی لذت ، تیرا تصور دِل کا اُجالا
نطق نے میرے چوم لیے لب نام تیرا جب منہ سے نکالا
شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے ، بیٹھے ، چلتے ، پھرتے ، اُٹھ پہر ہو اللہ اللہ

اپنا مجھے مجذوبؔ بنا لے تیرا ہی سودا ہو میرے سر میں
تیری محبت ہو رگ و پے میں جان میں تن میں دل میں جگر میں
شاد رہوں میں رنج و خوشی میں سود و زیاں میں نفع و ضرر میں
فرق نہ دیکھوں شاہ و گدا میں در و صدف میں ، لعل و گہر میں
شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے ، بیٹھے ، چلتے ، پھرتے ، اٹھ پہر ہو اللہ اللہ

انتخاب از فریادِ مجذوبؔ در یادِ محبوب

اے خدا اے میرے ستار العیوب
میرے مولا میرے غفار الذنوب

تجھ پہ روشن ہے میرا حالِ زبوں
پارسا میں لاکھ ظاہر میں بنوں

سچ ہے مجھ سا کوئی ناکارہ نہیں
جز بہ اقرار خطا چارہ نہیں

سخت بدکردار و بداطوار ہوں
سخت نالائق ، ناہنجار ہوں

سر بسر عصیاں ، سراپا عیب ہوں
بدترین خلق میں لاریب ہوں

مجھ سا کوئی نفس کا بندہ نہیں
مجھ سا کوئی قلب کا گندہ نہیں

میں بدی میں آپ ہوں اپنی مثال
بدعمل ، بدخو ، بدنفس ، بدخصال

رات دن ہوں نشۂ غفلت میں چؤر
شغل ہے لہو و لعب ، فسق و فجور

ہوں ترا بندہ مگر بس نام کا
بندہ ہوں میں نفسِ نافرجام کا

زیر ہوتا ہی نہیں نفسِ شریر
دست گیری کر میری اے دستگیر

تھک چکا اصلاح سے میں ناتواں
کاہ سے کیا ہٹ سکے کوہِ گراں

میری ہر کوشش ہوئی ناکامیاب
دے چکی ہے میری اب ہمت جواب

حال ابتر ہے دل برباد کا
ہاں مدد کر وقت ہے اِمداد کا

غلبہ دے دے نفس اور شیطان پر
آ بنی ہے اب تو بس ایمان پر

سن مرے مولا میری فریاد کو
آ مرے مالک میری امداد کو

اب تو ہوجائے کرم مجھ پر شتاب
اس سے بھی اب حال کیا ہوگا خراب

سخت طغیانی پہ ہے بحرِ ذنوب
اے خبیر، کشتی مری جائے نہ ڈوب

بے ترے دل کیا ہے بس اک خول ہے
جلد آ ، یہ ناؤ ڈانواں ڈول ہے

یاس نے بس اب تو ہمت توڑ دی
اب تو یہ کشتی تجھی پہ چھوڑ دی

لاکھ ٹوٹی ناؤ ہے منجدھار میں
ناخدا تو ہے تو بیڑا پار ہے

غرق بحرِ معیت ہوں سر بسر
رحم کر مجھ پر الٰہی رحم کر

تا بہ کے بھٹکا پھروں میں اے خدا!
اب تو دِکھلا دے مجھے راہِ ہدیٰ

تو جو چاہے پاک ہو مجھ سا پلید
فضل سے تیرے نہیں کچھ بھی بعید

قلب سے دھو دے مرے ہر گندگی
ہو عطا پاکیزہ اب تو زندگی

روک لایعنی سے اب میری زباں
ذکر میں تیرے رہوں رطب اللسان

چھوڑ دوں میں اب سخن آرائیاں
اب کروں دِل کی چمن آرائیاں

اب نہ ناجنسوں سے میں یاری کروں
تیرے پاس آنے کی تیاری کروں

دل میں تیری یاد لب پہ نام ہو
عمر بھر اب تو یہی بس کام ہو

مجھ گدا کو بھی بحقِ شاہِ دین
بخش یا رب دولتِ صدقِ یقیں

بہر فیضِ شیرِ مردِ تھانویؒ
کر مرے ایمان کو یا رب قوی

تجھ پہ روشن ہیں مرے سارے عیوب
جانتا ہے تو میری حالت کو خوب

گو ترے آگے ذلیل و خوار ہوں
حشر میں رُسوا نہ اے ستار! ہوں

عبد ہوں میں بخش عبدیت مجھے
وجہ صد عزّت ہے یہ ذِلت مجھے

ہوں تو میں مجذوبؔ لیکن نام کا
کر مجھے مجذوب یا رب کام کا

یاد میں رکھ اپنی مستغفرق مجھے
ہو نہ ہوش ما سوا مطلق مجھے

دِل میرا ہوجائے اِک میدانِ ہو
تو ہی تو ہو، تو ہی تو ہو، تو ہی تو!

درد مرے تن میں بجائے آب و گِل
دردِ دل ہو، دردِ دل ہو، دردِ دل

غیر سے بالکل ہی اُٹھ جائے نظر
تو ہی تو آئے نظر دیکھوں جدھر

کچھ نہ سؤجھے تیری ہستی کے سوا
تیرے اَوج اور اپنی پستی کے سوا

تجھ سے دم بھر بھی مجھے غفلت نہ ہو　　تیرے ذکر و فکر سے فرصت نہ ہو
آخری عرضِ گدا ہے شاہ سے　　تا دمِ آخر نہ بھٹکوں راہ سے
بہر حق سیّد خیر البشرؐ　　خاتمہ کردے مرا ایمان پر
جس گھڑی نکلے بدن سے میری جاں　　کلمۂ توحید ہو وردِ زباں

سینکڑوں کو تو کرے گا جنتی
ایک یہ نااہل بھی اُن میں سہی

فقیہِ ملت مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی وصایا

خلیفۂ حضرت تھانویؒ

(ولادت: ماہ شعبان ۱۳۱۴ھ مطابق جنوری ۱۸۹۷ء۔ وفات: ۱۰ رشوال ۱۳۹۶ھ)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ حمد و ثنا کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ بندہ ناکارہ و آوارہ، سراپا تقصیر و خطا، سراسر جرم و گناہ محمد شفیع بن مولانا محمد یٰسین مرحوم سابق مدرّس دار العلوم عفی اللہ عنہما و عاملہما اللہ بلطفہ و کرمہ، مظہر مدعا ہے کہ:

آج شعبان ۱۳۹۲ھ کی بیسویں تاریخ اور جنوری ۱۹۷۳ء کی ۱۷ر تاریخ ہے۔ بحساب قمری اسلامی احقر کی عمر کی اٹھتر (۷۸) منزلیں ختم ہوکر اناسی واں سال شروع ہو رہا ہے۔ جب اس طرف دھیان گیا کہ رب العزت نے کتنی بڑی مہلت و فرصت اس ناکارہ گنہگار کو اپنی اصلاح اور تلافی مافات کے لیے عطا فرمائی، اٹھتر سال کے نو سو چھتیں مہینے اور ان کے تقریباً ساڑھے بیس ہزار لیل و نہار ملے، جن میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار غیر محدود نعمتیں بارش سے زیادہ برستی رہیں، اس طویل مہلت اور اس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی نعمتوں کا شکر کیا ادا کیا اور آخرت کے لیے کتنا سامان کیا تو حیرت و حسرت کے سمندر میں ڈوب جاتا ہوں کہ زادِ آخرت صفر اور گناہوں کا انبار نظر آتے ہیں اور ''اِنَّہٗ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ'' اور اس کے فضل و کرم کے سوا کوئی سہارا نظر نہیں آتا، وہی رحیم الرحماء ہیں کہ سیئات کو بھی حسنات سے بدل دیتے ہیں۔ اسی کے لطف و کرم سے مغفرت کی اُمید بندھتی ہے۔ یَا رَبِّ عَامِلْنِیْ بِمَا اَنْتَ اَھْلُہٗ وَ لَا تُعَامِلْنِیْ بِمَا اَنَا اَھْلُہٗ۔

۱- میں اپنی اولاد، اہل و عیال، احباب و اصحاب اور تمام مسلمانوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اس زندگی کا ایک ایک لمحہ وہ گوہر نایاب ہے جس کی قیمت ساری دنیا و مافیہا نہیں ہوسکتی۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کی رضا، جنت کی دائمی نعمتیں خریدی جاسکتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی اس بھاری نعمت کو اس کی نافرمانیوں میں صرف کرنے سے بچیں اور اس میں اپنی پوری کوشش صَرف کریں۔ کسی نفسانی غرض اور دنیوی راحت و نفع کو اس پر غالب نہ ہونے دیں۔ عمر کی جو مہلت اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہے اس کے ایک ایک منٹ کی قدر کریں۔

گذشتہ کا کفّارہ توبہ و استغفار سے اور آئندہ کی اصلاح عزم مصمّم سے کرتے رہیں۔ فضول اور لایعنی کلام، کام اور مجلسوں سے کلّی احتراز کریں۔ ع: 'من نکردم شما حذر بکنید'۔ عمر کے اوقات کو تول تول کر صحیح کاموں میں صَرف کرنے کی کوشش کریں۔ ہر کام سے پہلے سوچیں کہ جس طرف قدم یا قلم اُٹھ رہا ہے وہ اللہ جل شانہ کی مرضی کے خلاف تو نہیں۔ خلاف نظر آئے تو سارے مصالح کو قربان کرکے پوری ہمت کے ساتھ اس سے بچنے کی کوشش کریں۔

۲- علم دین کی تحصیل کو عمر کا اہم مقصد بنائیں۔ میری اولاد میں جنھوں نے علم دین کو باقاعدہ حاصل کیا ہے وہ بھی اس کا مشغلہ کسی وقت نہ چھوڑیں۔ اور ہمیشہ اپنے آپ کو طالب علم سمجھ کر جہاں سے کوئی صحیح علم حاصل کیا جاسکتا ہو، اس کو نہ چھوڑیں اور جنھوں نے باقاعدہ علومِ دینیہ کی تکمیل نہیں کی، وہ بھی اپنے آپ کو اس مشغلہ سے یہ سمجھ کر فارغ نہ سمجھیں کہ علماء کی ذمہ داری ان پر نہیں ہے۔ بلکہ حضرت سیّدی حکیم الامت قدس سرہ اور دوسرے اکابر علماء کی تصانیف کا مطالعہ ایک معمول بنا کر روزانہ کرتے رہیں۔ بلکہ سب گھر والوں کو جمع کرکے سنایا کریں۔ تاکہ سب پر اثر پڑے اور اپنا ماحول دینی ہوجائے ورنہ تجربہ یہ ہے کہ جب کسی کا ماحول (سوسائٹی) دینی نہ ہو تو اس کو دین پر قائم رہنا مشکل ہوتا ہے اور جس قدر دینی امور کا خود کو علم ہو تو وہ دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کریں، خواہ خود عالم کامل نہ ہوں۔

۳- ایسے علماء کی صحبت کو کیمیا اور غنیمت کبریٰ سمجھیں جو علمی تحقیق میں مشائخ ولی اللّٰہی یا بعنوانِ دیگر علماء دیوبند کے مسلک پر ہوں۔ اور صرف کتابی علم کے حامل نہ ہوں، بلکہ تمام معاملات میں خوفِ الٰہی اور خوفِ آخرت اور تعلق مع اللہ ان کی زندگی میں نمایاں ہو اور بہتر یہ

ہے کہ کسی ایسے بزرگ سے باقاعدہ بیعت ہوجائیں جو کسی متبع سنت بزرگ کا خلیفۂ مجاز ہو، خصوصاً سیّدی حکیم الامت تھانویؒ کے خلفاء میں سے کسی بزرگ سے مناسبت ہوتو زیادہ بہتر ہے۔

۴- بچوں کو جب تک قرآن کریم ناظرہ مکمل اور دین کی ضروری معلومات سے پوری طرح واقفیت نہ ہوجائے کسی دوسرے کام میں نہ لگائیں۔ بچوں کی تربیت میں اس کا خاص اہتمام کریں کہ ان کے اعمال واخلاق شریعت کے مطابق ہوں۔ جھوٹ، فریب، بدمعاملگی سے بچنے کی پوری کوشش کریں اور واجبات اور سنن کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔

۵- ایسے لوگوں کی صحبت اور زیادہ میل جول سے کلّی احتراز کریں جو نماز روزہ، حلال وحرام اور دینی معاشرت سے غافل ہوں۔ اگر وہ رشتہ دار یا قدیم دوست ہیں تو صِرف ادائیگی حقوق تک ان سے ملیں۔ دوستانہ تعلقات اور خصوصی صحبت صرف ایسے لوگوں کے ساتھ ہو جو دین میں تمہارے لیے معین ثابت ہوں۔ اگر ایسے لوگوں میں کسی سے قلبی تعلق زیادہ ہے تو اس کو اپنے رنگ پر لانے کی پوری کوشش کریں۔ اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سب مسلمانوں پر عائد کیا ہے۔ اس میں ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ ہر انسان کا اپنا ماحول دینی ہوجائے اور دینی معاملات میں یہ صحبتیں رکاوٹ بننے کے بجائے معین و مددگار بنیں اور بچوں کو بھی ابتدا ہی سے ایسی آزاد صحبتوں سے بچایا جائے۔

۶- اس زمانے کی سب سے بڑی افتاد جو شریف اور دینی گھرانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے، وہ عورتوں میں بے پردگی کے رجحانات، لڑکیوں میں جدید قسم کے نیم عریاں ملبوسات ہیں۔ جن گھروں میں پردے کا نام باقی بھی ہے وہاں بھی وہ شدّت واحتیاط باقی نہیں جو ان کے بڑوں میں تھی۔ عزیزوں میں غیر محرم لڑکے لڑکیاں حدودِ شریعت کے پابند نہیں رہے، بے تکلّف ایک دوسرے سے اختلاط رکھتے ہیں، جو کسی طرح جائز نہیں اور اس کے نتائج پورے خاندان کے لیے نہایت خطرناک ہیں۔

۷- عورتوں میں یہ غیر شرعی رجحانات بھی زیادہ تر اِنہی آزاد عورتوں کے اختلاط سے بڑھتے جاتے ہیں جو شرعی پردہ اور عبادات و معاملات میں شرعی حدود کی پابند نہیں، ایسی عورتوں سے زیادہ اختلاط کو زہرِ قاتل سمجھیں۔ جن سے تعلقات رکھنا ہو ان کو کوشش کر کے اپنی راہ اور

اپنے دینی رنگ پر لائیں ورنہ یکسوئی اختیار کریں۔

۸- ایسی کتابیں دیکھنے سے مرد و عورت ہر شخص اجتناب کرے جن میں خلافِ شرع امور کا بار بار تذکرہ ہو کہ قلب و دماغ پر اس کا اثر ناگزیر ہے۔ عموماً ناول، افسانے اور ایسی تصنیفات جو اس طرح کی چیزوں سے لبریز ہیں، ان کا داخلہ گھروں میں ممنوع ہونا چاہیے۔ دینی کتابوں میں صرف محقق اور باخدا علماء کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے۔ جن کے علم صحیح اور دیانت و تقویٰ پر مکمل اعتماد ہو۔ جب تک مصنف پر اتنا اعتماد نہ ہو اس کی کتاب نہ دیکھی جائے۔ البتہ صرف اہلِ علم ہر کتاب دیکھ سکتے ہیں وہ بھی بقدرِ ضرورت۔ کیونکہ اہلِ فسق و فجور و اہلِ فساد و الحاد کی تصانیف بھی انسان پر ان کی بری صحبت کی طرح غیر شعوری طور پر اثر انداز ہوتی ہیں، اس لیے بلاضرورتِ شرعیہ ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۹- اپنے سب مُحِبّین و متعلقین اصاغر و اکابر سے عاجزانہ درخواست ہے میری باقی زندگی میں بھی اور میرے بعد بھی جس وقت کبھی ناکارہ کا خیال آجائے، میرے لیے دعائے مغفرت فرمادیں۔

۱۰- اپنے اقارب اور خاص احباب سے درخواست ہے کہ روزانہ اگر ہو سکے سورۂ یٰسین شریف ایک مرتبہ ورنہ تین مرتبہ سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ) پڑھ کر ایصال ثواب کردیا کریں، جس سے انشاء اللہ تعالیٰ وہ خود بھی اجرِ عظیم کے مستحق ہوں گے۔ باقی مالی صدقات کا ایصالِ ثواب، طعام و لباس و دیگر ضروریات فقراء میں جس قدر ہمت ہو اخفاء کے ساتھ خالصاً لوجہ اللہ کردیا کریں۔ نام و نمود اور رسمی دعوتوں سے ہمیشہ احتراز کریں کہ اس کا نہ میت کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے نہ خرچ کرنے والوں کو۔

۱۱- میرے سب متعلقین اس بات کا خاص طور پر خیال رکھیں کہ اپنے ہر کام میں اتباع سنت کو مضبوطی سے پکڑیں۔ بدعات اور رسومِ جاہلیت سے کلّی اجتناب کریں، آخرت کی فکر کو دنیا کی فکروں پر غالب رکھنے کی کوشش سے کبھی غافل نہ ہوں۔ متبع سنت علماء اور بزرگوں سے تعلق، ان کی صحبت و خدمت کو سرمایۂ سعادت سمجھیں۔ جن علماء و مشائخ سے عقیدت و مناسبت ہو ان سے استفادہ کریں اور جن سے مناسبت نہ ہو ان کے بارے میں بھی بدگمانی اور بدزبانی کو زہر

قاتل سمجھیں خصوصاً وہ حضرات جو عبادات یا خدمتِ دین میں مشغول ہوں۔

۱۲- اس وقت ہمارا پورا معاشرہ جس تیزی کے ساتھ دین سے منحرف اور سنت سے بیگانہ ہوتا جا رہا ہے اس کی نظیر پچھلے کسی دَور میں نہیں ملتی۔ معاشرے اور ماحول کی خرابی کا یہ لازمی اثر ہے کہ کوئی شخص اگر اپنی طبیعت سے عمل صالح اور سنت پر قائم رہنا بھی چاہے، تو گردوپیش کے عوامل اور احباب و اخوان اسے سیدھے راستے پر نہیں رہنے دیتے۔ اس لیے اسلامی تعلیمات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بنیادی اصول کی حیثیت دی گئی ہے۔ خصوصاً اپنے ماحول کے لوگوں کی اصلاح کی فکر کا فریضہ ہر انسان پر اہمیت کے ساتھ عائد کیا گیا ہے۔

﴿وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ﴾ (سورۂ شعراء، آیت: ۲۱۴)

اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراوے۔

اور ﴿قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَهۡلِیۡکُمۡ نَارًا﴾ (سورۂ تحریم، آیت: ٦)

تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ۔

وغیرہ ارشادات میں اسی کی تلقین کی گئی ہے۔

اس زمانے میں جبکہ مغربی دہریت اور اباحیّت کا طوفان پوری دنیائے اسلام پر چھایا چلا جا رہا ہے، اپنے ایمان کی بھی اس وقت تک خیر نہیں جب تک ماحول اور معاشرے کی اصلاح پر پوری توجہ نہ دی جا سکے۔

بے پردگی، عریانی اور بے حیائی کے رجحانات لڑکیوں اور لڑکوں میں اس درجہ عام ہو چکے ہیں کہ کسی شریف نیک لڑکے کو اس کے مناسب لڑکی اور نیک صالح لڑکی کے لیے اس کے مناسب لڑکا ملنا انتہائی دشوار ہو گیا ہے۔

بڑے سے بڑے دیندار گھرانے مجبور ہو کر رشتۂ نکاح میں صرف مساوی منافع کو دیکھنے لگے اور دینی و اخلاقی اقدار کو نظر انداز کر دینے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں، اس لیے میری آخری اور سب سے اہم وصیت اپنے عزیزوں کو خصوصاً اور عام مسلمانوں کو عموماً یہ ہے کہ اپنے ماحول کو دینی بنانے کی انتہائی فکر اور پورا اہتمام کریں۔

بہت سے گھرانوں میں، ماں باپ دیندار ہیں، مگر اولاد کی راہ دوسری ہے۔ شوہر کا ایک

طرز ہے، بیوی اس سے متفق نہیں ہے۔ بعض جگہ بیوی دیندار ہے شوہر اس سے مختلف ہے۔ یہ بلا عام ہے اور اس کی وجہ سے پہلی نحوست تو عام حالاتِ زندگی میں اختلافِ رائے اور نفرت و بغض ہوتا ہے جس کا اثر نسلوں میں چلتا ہے، دوسری مصیبت یہ ہوتی ہے کہ جو شخص دین اور سنت پر قائم رہنا چاہے اس کی زندگی وَبال ہوجاتی ہے۔ اور قدم قدم پر اس کے لیے مشکلات حائل ہوتی ہیں، اور اگر کسی طرح وہ سب مشکلوں کو عبور کر کے اپنا عمل درست بھی کر لے تو دوسروں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ دشمنی اور بغاوت کے جذبات اُبھرتے ہیں۔

اس معاملے میں اعزاء واحباب کو بہت تنگ پکڑنا بھی مناسب نہیں کہ وہ چل نہیں سکتا، میرے خیال میں اگر مندرجہ ذیل چیزوں کو اپنے خاندان کی ایسی خصوصیات بنالی جائیں کہ جو عزیز یا دوست اس سے منحرف ہو، پورا خاندان اس سے منحرف ہوجائے، مگر تشدد کا طرز ہرگز اختیار نہ کیا جائے کہ وہ مضر ہی مضر ہے، بلکہ فہمائش اور خیر خواہی اور ہمدردی کے لہجے میں اس کو اپنے ماحول میں لانے کی مسلسل کوشش کرتے رہیں، تو اُمید ہے کہ وہ معاشرے کے بگاڑ کو کسی حد تک روک دے گا۔ وہ اُمور یہ ہیں :-

(الف) خود اور اپنی اولاد واحباب کو نمازِ با جماعت کا پابند بنائیں۔ عورتیں اول وقت گھروں میں نماز ادا کرنے کی عادی بنیں۔ اذان ہوتے ہی سب کام موقوف کر کے نماز میں مشغول ہوں۔ خانگی نظام الاوقات میں پہلے سے اس کا خیال رکھا جائے۔

(ب) صبح کو نماز کے بعد جب تک ہر بچہ اور بڑا، مَرد اور عورت کچھ تلاوتِ قرآن نہ کرے کسی کام میں نہ لگے۔

(ج) بے پردگی اور عریانی کو اپنے معاشرے میں کسی حال میں برداشت نہ کیا جائے۔ رشتہ منگنی کرتے وقت ان چیزوں کی پوری دیکھ بھال کی جائے۔

(د) فیشن پرستی اور مغربی طرزِ زندگی کو ایک لعنت اور سم قاتل سمجھ کر پورے معاشرے کو سادہ زندگی اور بے تکلف ملاقاتوں کا عادی بنایا جائے۔

(ہ) شریعت کے کھلے ہوئے محرمات، سود، شراب، ناچنے گانے کی محفلوں سے خود اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو ایسا بچایا جائے جیسے زہر سے بچایا جاتا ہے۔

یہ چند اُمور ہیں جن کا ہر خاندان کے افراد کو آپس میں معاہدہ کر لینا چاہیے اور ان کی خلاف ورزی کو ایک جماعتی اور خاندانی عہد شکنی قرار دے کر نرم تدبیروں کے ساتھ اس کی اصلاح کی فکر کو لازم سمجھا جائے، بائیکاٹ اور قطع تعلق کے طریقوں سے قطعی اجتناب کیا جائے کہ اس کا نتیجہ تجربتاً اچھا نہیں ہوتا، مگر کوشش مسلسل جاری رکھی جائے۔ واللہ الموفق والمعین۔

(از مطبوعہ وصیت نامہ، و ماہنامہ البلاغ کا مفتی اعظم نمبر۔ ص: ۳۵۶)

نیز حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے اپنے فرزندوں کو وفات سے قبل زبانی وصیت فرمائی ! فرمایا کہ لمبی چوڑی باتیں کرنے کی نہ طاقت ہے اور نہ وقت۔ مختصر سی ایک دو باتیں غور سے سن لو۔ اور اس کے بعد فرمایا کہ رسول کریم ﷺ کی زبان مبارک پر وفات کے وقت جو الفاظ جاری تھے اور جس کے بعد آپ ﷺ خالق حقیقی سے جا ملے وہ یہ تھے: ''اَلصَّلٰوۃَ اَلصَّلٰوۃَ. اِتَّقُوا اللّٰہَ وَ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ'' ۔ترجمہ: نماز کا خیال رکھو، نماز کا خیال رکھو، اپنے زیر دستوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ اس کے بعد نہایت مختصر الفاظ میں نماز کی اہمیت اور دوسروں کے حقوق کے بارے میں نہایت موثر نصیحتیں فرمائیں، فرمایا کہ:

آدمی اس وقت تک نمازی نہیں ہوسکتا جب تک کہ جماعت کا پابند نہ ہو جائے اور جو جماعت کا پابند نہ ہو وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے کہ نمازی ہے۔ نمازی تو جماعت کی پابندی سے بنتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اپنی نمازوں اور عبادتوں پر نظر نہیں رکھنی چاہیے۔ یاد رکھو کہ جو آدمی نماز روزہ کر کے خود کو نیک اور صالح سمجھنے لگے، اس سے زیادہ کوئی خسارہ میں نہیں۔ ساری نمازیں منہ پر ماردی جائیں گی۔ تیسری بات پردے کی شرعی پابندی کی بابت فرمائی کہ پردے کا اپنے خاندان میں پورا اہتمام کرو۔ اور نئی تہذیب کی لعنت کو اپنے گھر میں نہ گھسنے دو۔ فرمایا کہ بس میری یہی وصیت ہے۔ اس کو پلّے باندھ لو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس وصیت پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مولانا محمد شفیعؒ کی مزید وصایا

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں ہم لوگوں کی عادت ہے کہ اکثر جب کوئی اہم کام سامنے ہو تو یہ جملہ کہہ دیتے تھے کہ ذرا نماز سے فارغ ہو جائیں تو پھر وہ کام کریں گے۔

ایک روز حضرت والدؒ نے یہ جملہ سنا تو فرمایا ''مرے بھائی! نماز فارغ ہونے کی چیز نہیں ہے۔اس سے فراغت حاصل کرنے کی فکر نہیں چاہیے بلکہ دوسرے کاموں سے فارغ ہو کر نماز کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔''

اس کے بعد آپ نے قرآن کریم کی اس آیت کی طرف متوجہ فرمایا جو ہم شب و روز پڑھتے رہتے ہیں لیکن اس کی حقیقت کی طرف کبھی دھیان نہیں ہوتا، فرمایا کہ قرآن کریم نے حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَ اِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ (سورۂ انشراح، آیت:۷) پس جب تم فارغ ہو جاؤ تو (اللہ کی عبادت میں) تھکو، اور اپنے پروردگار کی طرف رغبت کا اظہار کرو۔

فرمایا کہ اس آیت میں حضورؐ سے خطاب ہو رہا ہے کہ آپ دوسرے کاموں سے فارغ ہو کر عبادتِ الٰہی میں اپنے آپ کو تھکائیں، اس سے معلوم ہوا کہ مقصودِ اصلی یہ عبادت ہے اور اس سے جلد از جلد فارغ ہو کر دوسرے کاموں میں لگنے کی نیت ٹھیک نہیں، اس کے بجائے نیت یہ ہونی چاہیے کہ دوسرے کاموں سے جلد از جلد فارغ ہو کر نماز اور عبادت کی طرف متوجہ ہوں۔ ساتھ ہی حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں خاص طور پر اہلِ علم اور دینی خدمات انجام دینے والوں کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ یہ خطاب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو رہا ہے کہ فارغ ہونے پر آپ عبادتِ الٰہی میں اپنے آپ کو تھکائیں۔ سوال یہ ہے کہ کس چیز سے فارغ ہونے پر؟ ظاہر ہے کہ عبادات کے علاوہ آپ کی جتنی مصروفیات تھیں وہ تمام تر دینی خدمات ہی سے متعلق تھیں، کبھی جہاد ہے، کبھی تعلیم و تبلیغ ہے، کبھی انتظام حکومت ہے، کبھی اصلاحِ خلق ہے، یہاں تک کہ آپؐ کی گھریلو زندگی بھی تعلیم ہونے کی بنا پر دینی خدمات ہی میں داخل تھی، اور آپؐ کی زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں تھا جو کسی نہ کسی ثواب کے کام میں خرچ نہ ہوتا رہا ہو۔ اس کے باوجود آپ ﷺ کو یہ حکم ہو رہا ہے کہ جب آپ اپنی دوسری دینی مصروفیات سے فارغ ہوں تو خالص عبادتوں کی طرف متوجہ ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دینی، تبلیغی یا اجتماعی خدمات میں مصروف ہوں انھیں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہم چونکہ شب و روز اللہ تعالیٰ کے دین ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں، اس لیے ہمیں (معاذ اللہ) نفلی عبادتوں اور مستحبات و مندوبات کی

ضرورت نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو نبی کریم ﷺ سے زیادہ کون دینی خدمات انجام دے گا؟ جب اس کے باوجود آپ ﷺ کو نفلی عبادات کا حکم دیا جارہا ہے اور اس کی تعمیل میں رات کے وقت آپ ﷺ کے پاؤں پر ورم آجاتا ہے تو ہم کس شمار قطار میں ہیں؟

دین کا مقصودِ اصلی

دوسرے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد، تعلیم وتبلیغ، اجتماعی خدمات اور دین کے لیے سیاست کی مصروفیات اگر صحیح نیت سے ہوں تو اگرچہ وہ سب کارِ ثواب ہیں اور بعض اوقات ان کا ثواب نفلی عبادات سے بھی بڑھ جاتا ہے، لیکن ان کو دین کا مقصودِ اصلی سمجھنا درست نہیں، اس کے بجائے مقصودِ اصلی وہی ٹھیٹھ عبادتیں ہیں جن میں بندہ براہِ راست اپنے معبود سے رابطہ قائم کرکے اس کی طرف رجوع وانابت کی دولت حاصل کرتا ہے۔ اسی لیے یوں نہیں کہا گیا کہ نماز سے فارغ ہوکر جہاد یا تعلیم وتبلیغ کے کام میں لگو، بلکہ فرمایا یوں گیا کہ جب جہاد اور تعلیم وتبلیغ وغیرہ کے کام سے فارغ ہو تو اپنے اصل مقصدِ تخلیق یعنی عبادتِ رب کی طرف آجاؤ۔

یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جسے فراموش کرکے ہمارے بہت سے معاصر اہلِ قلم نے نظریاتی طور پر اور بہت سے رہنماؤں نے عملی طور پر دین کی تعبیر کو اُلٹ دیا ہے اور جو چیز مقصودِ اصلی تھی، اسے ذریعہ اور جو ذریعہ تھا اُسے مقصودِ اصلی قرار دے دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ دین کا اصل مقصد جہاد ودعوت کے ذریعے اسلامی حکومت کا قیام ہے اور نماز روزے سمیت تمام عبادتیں اسی مقصد کی ٹریننگ دینے کے لیے وضع کی گئی ہیں، حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ دین کا اصل مقصد بندوں کا تعلق اپنے خالق ومالک سے جوڑ کر ان میں عجز ونیاز، انابت وخشیت اور عبدیت کی صفات پیدا کرنا ہے اور جہاد اور تعلیم وتبلیغ وغیرہ اس مقصد کے حصول کے ذرائع ہیں۔ لہٰذا ان دینی خدمات میں مشغولیت اگرچہ بڑی فضیلت کی بات ہے، یہ خدمات فرضِ کفایہ ہیں۔ اور بعض مواقع پر فرض عین بھی ہوجاتی ہیں لیکن یہ فراموش نہ کرنا چاہیے کہ وہ نفلی عبادتیں جن میں براہِ راست بندہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرکے اس کے سامنے اپنی بندگی اور عجز ونیاز کی پونجی نچھاور کرتا ہے، ان کی اہمیت اور مقصودیت میں فرق واقع نہ ہونے پائے اور جب کبھی انسان کو مہلت ملے وہ ان عبادتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کو غنیمت کبریٰ اور اپنا منتہائے

مقصود قرار دے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی فکر کو اپنے ایک شعر میں بیان فرمایا ہے۔

خوش درسِ علم و شغلِ فتاویٰ بہ دیوبند
لیکن شبے بہ خانقہ تھانہ خوشتر است

اور حقیقت یہ ہے کہ اس اہم اور بنیادی نکتے کو فراموش کر کے ہم دین کے صحیح مزاج و مذاق اور اس کے حقیقی فوائد وثمرات سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حقیقت کی صحیح فہم اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (البلاغ، مفتی اعظم نمبر)

ملفوظات

اکثر فرماتے تھے کہ میں مدرّسین میں محققین تلاش نہیں کرتا۔ جو شخص کتاب اچھی طرح سمجھا دے اسی سے کام چلا لیتا ہوں۔ آدمی مدرّس ہو مُفَہِّم ہو (سمجھانے والا) صالح ہو مفسد نہ ہو، بس یہ کافی ہے۔ اگر محقق ہو اور مفسد ہو تو مدرسہ اور طلبہ کا علم وعمل سب تباہ ہو جائے گا۔

فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی عمر کا اکثر حصہ علم دین کے طلبہ میں گزارا ہے اور اب آخر عمر میں مدرسہ کھولا ہے اور اس کے باوجود کہ علماء وطلبہ بہت کچھ بدل گئے ہیں (اس موقع پر ان کی بے عملی کا تذکرہ فرماتے تھے) پھر بھی کوئی دوسری جماعت ایسی نہیں پاتا جس کو ان پر ترجیح دوں اور ان کو چھوڑ کر ان کے ساتھ رہوں۔

بارہا اِرشاد فرمایا کہ ایک بار حضرت تھانویؒ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ مولوی وصی اللہ کو جانتے ہو؟ (حضرت تھانویؒ کے مشہور خلیفہ جن سے ہندوستان میں بہت فیض پہنچا اور سفرِ حج میں بحری جہاز میں وفات ہوئی) اس سوال کے جواب میں میری زبان سے یہ شعر نکل گیا۔

ماں و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہار سوا شدیم

فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانوی قدس سرہ کے سامنے شعر پڑھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی مگر اس موقع پر یہ شعر بے ساختہ زبان سے نکل گیا۔ اس پر حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا کہ ''میاں یوں ہی ہوتا ہے، کسی کو صحرا دیا جاتا ہے اور کسی کو سہرا دیا جاتا ہے۔'' (البلاغ)

یہ بھی فرماتے کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے جلسے کرنا اور اسٹیج پر آنا اور

الیکشن کے لیے دورے کرنا تو سیکھ لیا لیکن ان کے اندر جو باطنی کمالات تھے ان کے حاصل کرنے کی طرف توجہ نہ کی۔

(فائدہ: یہ تو عام بات ہے کہ مشائخ کے باطنی کمالات کی طرف ان کے قریبی لوگوں کو بھی توجہ نہیں ہوتی۔ بس ظاہری رسوم ہی کے اختیار کرنے میں لگے رہتے ہیں اور اسی پر اکتفا کر لیتے ہیں، پھر باطنی کام کیسے ترقی کرے۔)

فرمایا: فوجی نوجوان جس طرح ملک وملت کی مادّی طاقت ہیں اسی طرح نوجوان طلبہ اس کی اخلاقی و روحانی طاقت بن سکتے ہیں جو مادّی طاقت سے کہیں زیادہ کامیاب اور ناقابلِ تسخیر طاقت ہے۔ (البلاغ، ص: ۱۰۰۲)

پیغمبرانہ دعوت کے چند اُصول

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ حضرت والد صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبرانہ دعوت کے چند امتیازی خصائص یہ ہیں:

۱۔ **اُمت کی فکر**: انبیاء علیہم السلام کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ ان کو اپنی اُمت کی اصلاح کی فکر اس شدت سے لگ جاتی ہے کہ وہ طبعی تقاضوں سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ لہٰذا داعیٔ اسلام کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہونی چاہیے کہ اس کو اس پیغمبرانہ فکر کا کوئی حصہ نصیب ہو۔ چنانچہ اسلافِ اُمت میں سے جن جن کو اس فکر کا جتنا حصہ ملا اللہ تعالیٰ نے ان کی دعوت میں اتنی ہی برکت عطا فرمائی اور اتنے ہی بہتر ثمرات عطا فرمائے۔

۲۔ **دعوت کی لگن**: انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا دوسرا اہم امتیاز یہ ہے کہ وہ نتائج سے بے پروا ہو کر دعوت میں لگاتار مشغول رہتے ہیں اور حوصلہ شکن حالات میں بھی اپنی بات متواتر کہے چلے جاتے ہیں۔ جہاں اور جس موقع پر کسی شخص کو اچھی بات پہنچانے کا موقع مل جائے وہ اسے غنیمت سمجھ کر اپنی بات پہنچا ہی دیتے ہیں۔

دعوت کی اس لگن کا حاصل یہ ہے کہ انسان بات پہنچانے کے مواقع کی تلاش میں رہے۔ جب جتنا موقع مل جائے اس سے فائدہ اُٹھائے۔ اور دعوت سے کسی مرحلے پر تھکنے اور اُکتانے کا نام نہ لے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کا داروغہ بن کر اُن کے پیچھے نہ پڑے بلکہ

اپنی بات مؤثر انداز میں کہہ کر فارغ ہو جائے۔ پھر جب دیکھے کہ اس پر عمل نہیں ہوا تو موقع دیکھ کر پھر کہہ دے لیکن نہ مسلط ہونے کا طریقہ اختیار کرے اور نہ مایوس ہو کر بیٹھ جائے۔

۳۔ **مخاطب کی شفقت :** پیغمبرانہ دعوت کا تیسرا اہم عنصر مخاطب کی شفقت ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا داعیہ شفقت کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا، اپنی برتری جتلانے اور دوسرے کی تحقیر کا ان کے یہاں شائبہ نہیں۔

۴۔ **حکمت :** پیغمبرانہ دعوت کی چوتھی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی بات کہنے کے لیے ایسا موقع اور ایسا ماحول تلاش کرتے ہیں جس سے ان کی بات زیادہ سے زیادہ مؤثر ثابت ہو سکے۔

۵۔ **موعظتِ حسنہ :** پیغمبرانہ دعوت کا پانچواں اہم اصول یہ ہے کہ وہ دعوت کے لیے اندازِ بیان اور اسلوب ایسا اختیار فرماتے ہیں جو نرمی، ہمدردی اور دلسوزی کا آئینہ دار ہو۔

یقیناً دعوت وتبلیغ کا اصل منصب تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہی حاصل ہے لہٰذا جو شخص دعوت کا کام کرتا ہے بلکہ جو عالم کرسئ وعظ پر بیٹھ کر وعظ کہتا ہے اور جو مرشد مسندِ ارشاد پر متمکن ہو کر تعلیم وتربیت اور تزکیۂ نفوس کی خدمت انجام دیتا ہے وہ درحقیقت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت ونیابت کا حق ادا کرتا ہے اور انہی کا خوشہ چیں ہے۔ اس لیے ہر ایک کو اپنے منیب اور اصل کی مرضی ومنشا کو پیش نظر رکھنا چاہیے یعنی جن اہم امور کی طرف انبیاء علیہم السلام نے دعوت دی اور اس کے لیے جو طریقہ اختیار فرمایا اس میں انہی حضرات کا تابع و پس رَو رہنا چاہیے۔ سرِمو تجاوز کرنے کا اپنے کو مختار نہ سمجھنا چاہیے۔ اگر ایسا کیا تو دعوت کا کام لغو اور بے روح ہو کر رہ جائے گا۔

چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''تفہیماتِ الٰہیہ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کے مقام پر فائز ہوا اور اللہ تعالیٰ کے بندے اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کو وہی کام کرنا چاہیے جو انبیاء علیہم السلام نے کیا۔ اس لیے کہ وہ اس مقام میں مستقل نہیں ہے بلکہ ان کا مقلد اور پس رَو ہے۔''

سبحان اللہ! حضرت شاہ صاحبؒ نے کتنا اہم قاعدہ کلیہ بیان فرمادیا جو ہر معلم ومرشد اور داعی کو پیش نظر رکھنا لازم وضروری ہے تاکہ اس قاعدے کے تحت دینی خدمت انجام دے اور عند اللہ قبولیت حاصل کرے۔

پس اس سلسلے میں سب سے اہم امر تو یہ ہے کہ اس کارِ عظیم میں اخلاص کا اہتمام ہو یعنی مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی ہو۔ نیز اللہ تعالیٰ کے بندوں کی اصلاح اور اللہ کے کلمے کو بلند کرنا ہو۔

دوم یہ کہ دعوت کا طریقہ سنت کے عین مطابق ہو۔ اس لیے کہ جیسے مقصد کا صحیح ہونا ضروری ہے ویسے ہی اس تک پہنچنے کا طریق بھی از روئے شریعت وسنت درست ہونا چاہیے۔ جبھی وہ دعوت عند اللہ محمود اور مخلوق کے لیے مفید ومؤثر ثابت ہوگی۔

سوم یہ کہ صاحبِ دعوت اپنے قال وحال سے اللہ کے بندوں کو یہ باور کرائے کہ دعوت و تبلیغ سے اس کا مقصد اللہ کی رضا اور مخلوق کی نصح وخیر وخواہی ہے نہ کہ طلبِ ماہ و جاہ اس لیے کہ جب اس کی طرف سے ان کو اطمینان ہوگا جبھی وہ دعوت کو قبول کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد﴿يَا قَوۡمِ لَآ اَسۡأَلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡراً اِنۡ اَجۡرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيۡ فَطَرَنِيۡ﴾ (سورۂ ہود، آیت:۵۱) اے میری قوم! میں تم سے اس پر کچھ معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا معاوضہ تو صرف اس کے ذمے ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا۔ کے تحت علامہ بیضاوی فرماتے ہیں ''چنانچہ ہر نبی ورسول نے اپنی قوم کو خطاب کرکے یہ بات فرمائی ہے تاکہ دعوت کو دنیا طلبی کی تہمت سے پاک اور اپنی نصیحت کو اللہ کے لیے خالص فرمائیں۔''

اس لیے کہ دعوت اس وقت تک مفید نہیں ہوسکتی جب تک کہ طمع کے شائبہ سے وہ پاک و صاف نہ ہو۔

اسی طرح حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا ارشاد کے تحت بیان القرآن میں مسائل السلوک کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے ''مشائخ کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے کیونکہ مال کی طلب لوگوں کو استرشاد (طلبِ رشد وہدایت) سے اقویٰ موانع میں سے ہے اور میری رائے میں تو مصارفِ خیر کے لیے بھی چندہ کرنا شیوخ کو نازیبا ہے۔ اس لیے کہ عقول

ضعیف ہیں اور بخل وحرص غالب ہے۔ حب دنیا کے ادنیٰ شبہ سے بھی لوگ شک میں پڑ جاتے ہیں اور اُمورِ خیر کا اللہ تعالیٰ کفیل ہے۔ وہ ہمارے چندہ مانگنے پر موقوف نہیں۔''

نیز داعی کے لیے ضروری ہے کہ دعوت میں رفق ونرمی اختیار کرے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون جیسے سرکش کے پاس بھیجا ہے تو نرم کلام کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ حدیث میں بھی اس کی فضیلت وارد ہے۔ اور امام غزالی نے لکھا ہے کہ رفق ونرمی میں بجائے عنف و سختی کے نفع کی زیادہ اُمید ہے۔

نیز داعی کے لیے لازم ہے کہ مخاطبین کی عقل وفہم کے مطابق کلام کرے ورنہ بجائے قبولیت کے اس کی تکذیب و انکار تک ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے 'البدور البازغۃ' میں ارقام فرمایا ہے: ''جو لوگوں کا معلم خیر ہو اس کو چاہیے کہ خود عوام کی عقلی سطح پر نزول کرکے بات کرے اور دقیق و باریک باتیں بیان نہ کرے اس لیے کہ اس سے اس کلام کی تکذیب اور لوگوں کے قلوب میں اختلاف پیدا ہوگا اور معلم کے علم کا کسی کو نفع نہ ہوگا۔ بلکہ معلم کا میلان سیدھے سادے بیانات کی طرف ہونا چاہیے اس لیے کہ عوام کے نفوس میں ایسے بیانات جلدی اثر انداز ہوتے ہیں۔''

نیز داعی کے لیے ضروری ہے کہ شریعتِ سمحہ (سہل) میں جو سہولتیں ورخصتیں وارد ہیں ان کی معرفت حاصل کرے اور عزیمتوں کے ساتھ رخصتوں پر عمل کو روا رکھے اس لیے کہ اس سلسلے میں صریح حدیث پاک موجود ہے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ رخصتوں پر عمل کو اسی طرح پسند فرماتا ہے جس طرح عزیمتوں پر۔''

نیز داعی کے لیے لازم ہے کہ کارِ دعوت کے وقت موقع ومحل کا لحاظ رکھے تاکہ لوگ دینی دعوت کو قبول کریں ورنہ تو بعض دفعہ بجائے نفع کے نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ کی سیرتِ پاک بھی ایسی ہی تھی۔ چنانچہ حضرت امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں اس سلسلے میں خود ایک مستقل باب قائم فرمایا ہے کہ ''آنحضرت ﷺ موقع اور وقت دیکھ کر سمجھاتے اور علم کی باتیں بتلاتے تاکہ ان کو نفرت نہ ہوجائے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''آنحضرت ﷺ دنوں میں نصیحت

کرنے کے لیے وقت اور موقع کی رعایت فرماتے، آپ اس کو برا سمجھتے کہ ہم اُکتا جائیں۔“
اس حدیث کی تشریح کے تحت حضرت العلامہ عبد العزیز خولی مصری یوں رقمطراز ہیں :
”یہ اہل ایمان کے مقتداء آنحضرت ﷺ ہیں جو اپنے صحابہ کے لیے مناسب اوقات کا انتخاب فرماتے تھے کہ ان کو نصیحت فرمائیں اور ان کو علم سکھلائیں اور احوال و حوادث کے مطابق مؤثر مواعظ سے فیضیاب فرمائیں اور ایسے اسباق سے متنفع فرمائیں جو کثیر المنافع ہوں۔ آپ ﷺ لگاتار وعظ نہیں فرماتے تھے اس اندیشے سے کہ کہیں صحابہؓ دل آزردہ ہو کر اُکتا نہ جائیں جس کی وجہ سے آپؐ کی بات سننے اور قبول کرنے سے رہ جائیں۔ بلکہ آپ ﷺ مثل طبیب کے تھے جو مرض کے مناسب مقدار میں دوا دیتا ہے اور علاج میں ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے کہ دوا میں بتدریج اضافہ کرتا ہے تاکہ مریض دوا کی زیادتی سے گھبرائے نہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ امرتسری خلیفہ حضرت تھانویؒ کی وصایا

بقلم احقر محمد حسن (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور) مورخہ ۱۰/صفر ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۶/دسمبر۔
چونکہ وصیت لکھنے اور کرنے کا حکم ہے، اس واسطے ذیل کا مضمون تجویز کرتا ہوں۔

۱- میری ملکیت میں کچھ دینی کتابیں ہیں یا گھر کا معمولی سامان وہ شریعت کے مطابق تقسیم کی جاویں۔
۲- میری کتابوں میں اگر جامعہ اشرفیہ کی کتاب ہو اس کو واپس مدرسہ میں داخل کی جاوے۔
۳- جس جگہ موت واقع ہو وہاں ہی مجھ کو دفن کیا جائے، کوئی رسم بعد موت کے نہ کی جاوے۔ قبر میں رکھ کر منہ قبلہ کی طرف کیا جاوے، قبر کی مشرقی دیوار کا سہارا دیکر منہ قبلہ کی طرف کیا جاوے۔
۴- میرے لیے ایصال ثواب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تجویز کے مطابق کیا جاوے، بطریق رسم جمع ہو کر نہ کیا جاوے، اگر تنہا بیٹھ کر تلاوت کر کے ثواب پہنچایا جاوے تو بہت احسان ہوگا۔
۵- روزانہ سورۂ یٰسین (شریف) اگر پڑھ کر مجھ کو ثواب پہنچایا جاوے تو احسان ہوگا اگر یہ نہ

ہو سکے تو ہر روز تین مرتبہ قل (ھو اللہ) شریف پڑھ کر ثواب پہنچایا جاوے۔

۶- میری اولاد کو لازم ہے کہ حضرت (حکیم الامت) تھانویؒ کی کتابوں کا مطالعہ حرزِ جاں سمجھ کر کریں۔ خصوصاً بہشتی زیور، جزاء الاعمال، تعلیم الدین، مواعظ وملفوظات کو ہر روز دیکھا کریں۔

۷- مدرسہ جامعہ اشرفیہ کو حضرت تھانویؒ کے مسلک پر چلایا جاوے۔

۸- اگر کسی وقت امداد کم ہو تو کام بھی کم کیا جاوے۔

۹- مکرر عرض ہے کہ حضرت تھانویؒ کی کتابوں کا مطالعہ ضروری بنائیں۔

۱۰- مدرسہ کی آمدنی میں بھی شریعت کے قوانین کی خوب رعایت کریں۔

۱۱- مدرّسین وہ ہوں جو حضرت تھانویؒ کے خوب مطیع اور معتقد ہوں۔

۱۲- اتباعِ احکامِ شرعیہ کو سنگ پارس کا پتھر یقین کریں۔

۱۳- میرے دو بھائی اس وقت زندہ ہیں ان کا ادب باپ کی طرح کریں، آپس میں اتفاق سے رہیں۔

۱۴- برخوردار حافظ عبدالرحمٰن مدرسہ کی خدمت، ارکان مدرسہ اور خصوصاً برخوردار حافظ عبید اللہ کے مشورہ سے کیا کریں۔

۱۵- مدرسہ کی رقم کی حفاظت جزوِ ایمان سمجھیں۔ فقط۔ (وصایا، ص: ۱۰۸)

احقر وصیت کرتا ہے کہ حضرت مولائی ومرشدی حکیم الامت مجدد الملت قطب الارشاد شیخ المشائخ مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کی تصنیف قصد السبیل اور اشرف السوانح کے باب چہاردہم ارشاد واضافہ باطنی کو مطالعے میں رکھیں، انشاء اللہ تعالیٰ توقع ہے کہ ہر مشکل باطنی کا علاج اور حل میسر آئے گا۔ (حضرت مولانا مفتی محمد حسن، ص: ۴۷)

مناظر اسلام مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ خلیفہ حضرت تھانویؒ

حضرت تھانوی کے ملفوظات ومواعظ کا مطالعہ کرتے رہو کہ یہ علم وتقویٰ میں ترقی کا باعث ہوں گے۔ (اکابر علماء دیوبند، ص: ۱۲۴)

صاحبِ اعلاء السنن مولانا ظفر احمد عثمانی

(ولادت: ۱۳؍ربیع الاول ۱۳۱۰ھ)

۱۔ پاکستان میں اربابِ حکومت آئین و دستورِ اسلام نافذ کریں اور عوام نماز وغیرہ شعائرِ اسلام کی پابندی کریں۔ پاکستان کو شراب خانوں اور قحبہ خانوں، سود اور سٹے وغیرہ کی لعنت سے پاک کریں۔ اتفاق و اتحاد کے ساتھ پاکیزہ اسلامی معاشرہ قائم کریں۔فوج و پولیس کو نماز روزے کا پابند بنائیں اور انھیں خدمتِ قوم اور حفاظت دارالاسلام کے لیے جان توڑ کوشش کرنے کی ہدایت کریں۔خفیہ پولیس مستحکم ہو کیونکہ جس حکومت کے پاس مستحکم خفیہ پولیس نہ ہو وہ کمزور حکومت ہوگی۔ (تذکرۃ الظفر، ص: ۳۸۹)

۲۔ حقیقت یہ ہے: تصوف نام ہے تعمیر الظاہر والباطن کا۔یعنی ظاہر و باطن کو آراستہ اور معمور کرنا۔ ظاہر کو اعمالِ جوارحِ ضروریہ سے مثل نماز، روزہ وغیرہ۔اور باطن کو عقائد و اعمالِ باطنہ سے مثل اخلاص و شکر و زہد و تواضع وغیرہ۔جن کے ضروری ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ سے اس کی ضرورت ثابت ہے۔ان کا حاصل کرنا تو ہر مسلمان کے لیے فرض عین ہے۔

آج کل بڑی غلطی یہ ہو رہی ہے کہ لوگوں نے شریعت کو صرف اعمالِ ظاہرہ کا مجموعہ سمجھ لیا ہے۔ اخلاقِ باطنی کا حاصل کرنا ضروری نہیں جانتے۔ حالانکہ تمام قرآن مجید میں اخلاص، صبر و شکر اور رضا وغیرہ اخلاقِ حمیدہ کے حاصل کرنے کا امر اور حسد و تکبر اور عجب وغیرہ اخلاقِ رذیلہ کی ممانعت بکثرت وارد ہے۔

پس جب قرآن مجید میں ان چیزوں کے احکام مذکور ہیں تو یہ چیز شریعت سے باہر کیونکر ہوسکتی ہے۔انہی چیزوں کے حاصل کرنے کا طریقہ تصوف کہلاتا ہے۔اور اس قدر تصوّف تو ہر شخص کے ذمہ فرض ہے۔

تصوّف کا ایک درجہ بُرے اخلاق کی اصلاح اور اچھے اخلاق کی تحصیل یہ تو ضروری اور فرض ہے، اس کے بعد دوسرا درجہ ہے وہ مستحب ہے۔وہ یہ کہ ظاہری اعضاء کو علاوہ ضروری طاعات

کے غیر ضروری طاعات نوافل وغیرہ میں مشغول کرنا اور باطن کو دوام ذکر اللہ میں منہمک کر دینا، یہ مرتبہ در حقیقت مستحب، مگر بعض وجوہ سے یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ (تذکرۃ الظفر،ص: ۲۸۰)

طالبین کی خدمت میں احقر کی گذارش

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے بڑوں کو دیکھ لیا ہوتا ہے اور ان کو بزرگوں کی صحبت میسر آ جاتی ہے تو ان کی نظروں میں ان کے جانشینوں اور بعد والوں کی کچھ زیادہ قدر و وقعت نہیں ہوتی۔ مگر طالبین و متقدمین اور اس راستہ میں کام کرنے والوں کے لیے یہ بات ہر وقت پیشِ نظر رکھنے کی ہے کہ اصل مربّی اور ہادی، حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات حق ہے۔ شیوخِ تربیت اور مرشدین اِسم ہادی کے صرف مظاہر اور محض وسائطِ تربیت و وسائلِ ہدایت ہوتے ہیں۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کا طالب اپنے مولیٰ کی طلب و تلاش میں اس راہ پر گامزن ہوتا اور طریقِ سلوک میں قدم رکھتا ہے تو اللہ جل شانہ حسب وعدہ وَ یَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ۔ خود اس کی دستگیری و رہنمائی کرنے اور اس کی ہدایت کا سامان پیدا فرماتے ہیں، اور جس طرح وہ ہادیٔ مطلق، شیوخِ کاملین کو قطعِ راہ سلوک اور منزلِ مقصود تک پہنچانے میں ذریعہ اور واسطہ بناتے ہیں اسی طرح اگر حضرتِ حق سبحانہ کو منظور ہوتا ہے تو ان کے کم درجہ اور فرو مرتبہ بعد والوں کو بھی واسطہ بنا کر اپنا فیض ہدایت طالبین تک پہنچا کر ان کو بامراد بنا دیتے ہیں اور جس طرح بڑے کنوئیں سے پیاسوں کو سیرابی حاصل ہوتی ہے چھوٹا کنواں بھی پیاسے کی پیاس بجھانے کیلئے کافی ہو جاتا ہے۔ اس لیے طالبانِ حق اور تشنگانِ معرفتِ الٰہیہ کے لیے چھوٹے بڑے کسی بھی چشمۂ معرفت سے استغناء اور بے پرواہی کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اس کی پیاس بجھانے اور سیرابی کے لیے ہر قسم کے چھوٹے بڑے چشمۂ ہدایت اور ہر زمانہ کے شیوخ اور مربی انشاء اللہ تعالیٰ کافی وافی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ یہ ارشادات و ہدایت اور فیض رسانی کا یہ سلسلہ زمانہ خیر القرون سے ہمارے زمانہ تک اسی طرح چلا آ رہا ہے۔ ایک کے بعد دوسرا اس کی جگہ سنبھالتا رہا ہے لیکن ہر جانے والے کے بعد اس درجے اور مرتبے کا شخص اس کے قائم مقام ہو یہ بہت کم دیکھنے میں آتا ہے، پھر بھی استفاضہ اور افاضۂ باطنی کا یہ سلسلہ برابر اور مسلسل قائم ہے اور فیاضِ

حقیقی کی فیض رسانی کا تسلسل بغیر انقطاع کے ہمیشہ سے دائم ہے۔ اس لیے طالبانِ سلوک کو یہ سمجھ کر کہ ہماری تعلیم و تربیت کے لیے انشاء اللہ تعالیٰ موجودہ حضرات ہی کافی ہیں، جس صاحبِ اجازت سے بھی طبعی اُنس و مناسبت پائیں اُن کی طرف رجوع کرنے میں دریغ نہ کرنا چاہیے۔ انشاء اللہ محروم نہ رہیں گے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ زمانہ انحطاط اور قحط الرجال کا ہے، جن حضرات کو آج کمتر اور کم مرتبہ سمجھ کر ان کے ساتھ بے اعتنائی اور بے توجہی کی جا رہی ہے شاید پھر آگے چل کر ایسے حضرات بھی نصیب نہ ہوں اور سوائے کفِ افسوس ملنے کے کچھ ہاتھ نہ آئے۔ اس لیے وقت اور موجودہ حضرات کو غنیمت سمجھ کر اپنی اصلاح کے کام میں لگ جانے کی ضرورت ہے۔ (تذکرہ)

معیارِ اجازت وخلافت

اس کا معیار حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نزدیک سالک میں حسب ذیل چند اوصاف کا پایا جانا ہے۔

وصفِ اوّل یہ ہے کہ متقی ہو اور دوّم یہ ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح کیے ہوئے ہو۔ وصفِ سوم یہ ہے کہ اس کو طریق سے محض علمی نہیں بلکہ حالی مناسبت پیدا ہو چکی ہو۔ اور وصفِ چہارم یہ ہے کہ اس میں دوسروں کے اصلاح کرنے کی اہلیت پیدا ہو گئی ہو۔ وصفِ پنجم یہ ہے کہ اوصافِ مذکورہ میں اس کو بقدر ضرورت رسوخ حاصل ہو گیا ہو اور وصفِ ششم یہ ہے کہ اس سے یہ توقع بھی ہو کہ گو فی الحال اس کو اوصافِ مذکورہ میں رسوخ کا صرف درجۂ ضروریہ حاصل ہوا ہے لیکن وہ آئندہ ترقی کر کے اس رسوخ کا درجہ کاملہ بھی حاصل کر لے گا۔ (تذکرہ، ص: ۲۸۷)

اس معیارِ اجازت وخلافت کی بڑی عجیب وغریب تحقیق حضرت مولاناؒ نے اپنے رسالہ 'انکشاف الحقیقہ عن استخلاف الطریقہ' میں بڑی تفصیل اور پورے بسط کے ساتھ فرمائی ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

اجازت و استخلاف کی یہ حقیقت زمانۂ سابق کے موافق ہے۔ آج کل مشائخ نے بوجہ کوتاہیٔ عمر و قلّتِ فراغ وغیرہ کے کسی قدر توسیع کر لیا ہے یعنی پہلے زمانے میں تو اجازت و خلافت اس وقت دی جاتی تھی جب کہ طالب شیخ کے وجدان یا کشف میں فانی اور واصل ہو چکا

ہو اور متاخرین نے یہ دیکھ کر کہ فنائے کامل اور وصولِ کامل حاصل ہونے کے لیے عرصہ دراز کی ضرورت ہے، اگر اس درجہ کا انتظار کر کے اجازت دی جایا کرے تو تعلیم و تلقینِ اذکار کا کام بند ہو جائے گا اس لیے وہ اس وقت اجازت دے دیتے ہیں جبکہ طالب کو تلوّنِ ابتدائی کے مقابل ایک درجہ تمکین کا عطا ہو جاوے اور ذکر اللہ کا غلبہ ایسا ہو جاوے کہ اکثر اوقات ذہول نہ ہوتا ہو اور مقامِ فنا اور دیگر مقاماتِ سلوک سے کچھ کچھ مناسبت حاصل ہو جاوے گو ابھی رسوخ حاصل نہ ہوا ہو۔ اس درجہ میں پہنچ کر طالب فانی واصل تو نہیں ہوتا مگر وصول کی قابلیتِ قریبہ ایسی حاصل ہو جاتی ہے کہ اگر طالب اپنے نفس کی نگہداشت رذائل، کبر و عجب وغیرہ تمام معاصی سے اسی طرح کرتا رہے جیسے ابتداءِ سلوک و مجاہدہ کے وقت کرتا تھا اور ذکر و معمولات پر دوام رکھے اور شیخ سے مثل سابق تعلق قائم رکھے تو ایک وقت میں ضرور واصل و فانی ہو جائے گا اور اس درجے میں طالب سے ان امور کی اُمید غالب ہوتی ہے کہ وہ ایسا ضرور کرتا رہے گا اور چونکہ اس وقت طالب کو طریق سے مناسبت معتد بہا حاصل ہو چکتی ہے تو وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ دوسروں کو وصول کا راستہ بتلا سکے، اجازت دے دی جاتی ہے۔ (تذکرۃ الظفر، ص: ۲۹۰)

تبلیغی جماعت کے متعلق مولانا کی چند ہدایات

اپنے 'سفر نامۂ سعودیہ عربیہ' میں حضرت مولانا نے تبلیغی جماعت کا تعارف، اس کے دستور العمل اور فوائد و منافع اور دوسرے ممالک میں اس کی وسعت و ضرورت پر تفصیل سے تجزیہ فرمایا ہے اور نہایت شاندار الفاظ میں اس جماعت کے کام کی تحسین اور جماعت کو خراجِ تحسین پیش فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ہی 'مبلغین کی خدمت میں چند معروضات' کے عنوان کے تحت نہایت مفید مشورے اور چند قابلِ توجہ امور کی نشاندہی فرمائی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی افادیت و اہمیت کے پیشِ نظر بعض اہم اور قابلِ اصلاح امور کا تذکرہ یہاں بھی کر دیا جائے۔

حضرت مولاناؒ فرماتے ہیں:

تبلیغ کی ضرورت اور اس کے فوائد پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ اس کام کو اصول کے ساتھ کیا جائے تو اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی سب سے بڑی خدمت اور وقت کی اہم ضرورت ہے لیکن افراط اور تفریط سے ہر کام میں احتیاط لازم ہے، اسی لیے چند امور پر

تنبیہ ضروری ہے۔

۱۔ تبلیغی گشت کے بعض مواقع پر دیکھا گیا ہے کہ لوگوں کو زبردستی پکڑ کر مسجد کی طرف گھسیٹا جا رہا ہے۔ کسی کی کمر میں ہاتھ ڈالا جا رہا ہے، کسی کے گلے میں کہ بھائی چلو۔ بس اسی وقت سے نماز شروع کردو۔ کسی نے ناپاکی کا عذر کیا تو زبردستی کنویں یا تالاب پر لے جا کر نہلایا جا رہا ہے۔ بعض اس سے بچنے کے لیے بھاگتے اور منہ چھپاتے ہیں۔ بعضوں کی زبان سے سخت کلمات نکل جاتے ہیں۔ یہ نازیبا صورتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے لیے بھی پسند نہیں فرمایا۔ چنانچہ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

﴿اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى﴾ (سورۂ عبس، آیت: ۵،۶)۔

جو شخص (دین سے) استغنا برتتا ہے آپ اس کے درپے ہوتے ہیں۔

حالانکہ حضور ﷺ کے ہاں کسی نازیبا غلو کا نام بھی نہ تھا۔

۲۔ بعض لوگوں کو اس کے لیے ایک چلّہ یا دو چلّہ دینے کی اس طرح ترغیب دی جاتی ہے جو اصرار کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ اپنے کاروبار کے نقصان کا عذر پیش کرتا ہے تو دعوے سے کہہ دیا جاتا ہے کہ تبلیغ کی برکت سے تمھارا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ چار و ناچار وہ اپنے کاروبار کو بری بھلی صورت میں چھوڑ کر ایک دو چلّہ کے لیے تبلیغ میں شریک ہو جاتا ہے اور جماعت کے ساتھ دَورہ کرتا رہتا ہے۔ جب واپس آ کر کاروبار میں نقصان دیکھتا ہے تو ادھر اُدھر شکایتیں کرتا اور جماعت کو برا بھلا کہتا پھرتا ہے۔ یہ بھی نازیبا صورت ہے۔

۳۔ بعض لوگ تبلیغ کے سوا دوسرے تعلیمی شعبوں اور خدمتِ اسلام کے طریقوں کو بیکار سمجھتے ہیں اور جو حضرات علماء، صُلحاء اپنے اپنے طریقہ پر مدارس یا خانقاہوں میں درسِ حدیث و قرآن و فقہ اور تزکیۂ نفوس میں مشغول ہیں ان کی تحقیر کی جاتی ہے اور تبلیغ کی فضیلت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ سامعین کے قلوب میں دوسرے اسلامی کاموں کے لیے بے قدری اور بے وقعتی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بھی غلو اور افراط ہے۔ اگر سارے علماء و صُلحاء ایک ہی کام میں لگ جائیں اور دوسرے تمام کام معطّل کر دیے جائیں تو علمِ قرآن و حدیث و فقہ اور تزکیۂ اخلاق و تکمیل، ذکر اور تحصیلِ نسبتِ باطنہ وغیرہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ حق تعالیٰ نے جہاں یہ فرمایا ہے

کہ ﴿وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (سورۂ آلِ عمران، آیت: ۱۰۴) کہ تم میں ایک جماعت (سب نہیں) ایسی ہونی چاہیے جو نیکی کی طرف بلائے، نیک کاموں کا امر کرے، برے کاموں سے روکے۔ وہیں یہ بھی ارشاد ہے کہ ﴿فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ۱۲۲)

مسلمانوں کی ہر بڑی جماعت میں سے کچھ لوگ اس کام کے لیے کیوں نہیں نکلتے کہ دین میں تفقّہ (اور کمال) حاصل کریں، اور جب اپنی قوم میں واپس آئیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرائیں۔

اسی طرح ایک جماعت اہلِ حکومت کی ہونا ضروری ہے۔ ایک جماعت سپاہیوں کی بھی ہونی چاہیے۔ غرض اہلِ حرفہ، زراعت پیشہ، تجار اور ملازمت کرنے والے سب ہی ہونے چاہئیں۔ البتہ ان سب کو اپنے اوقاتِ فرصت میں تبلیغِ احکام کی خدمت بھی جس قدر ہو سکے انجام دینی چاہیے۔

۴۔ بعض دفعہ تبلیغ کے لیے پیادہ پا سفر کرنے کی اس عنوان سے ترغیب دی جاتی ہے کہ بوڑھے اور کمزور بھی پیدل چلنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور ان کو بجائے روکنے کے شاباشی دی جاتی ہے۔ یہ بھی نازیبا صورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو پیادہ چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا سوار ہو جا۔ اس نے عذر کیا کہ میرے ساتھ جو اونٹنی ہے وہ بُدنہ ہے۔ (جسے اللہ کے نام پر ذبح کرنے کی نیت کر چکا ہوں) کچھ دیر کے بعد آپؐ نے پھر فرمایا سوار ہو جا۔ اس نے پھر وہی عذر کیا۔ آپؐ نے تیسری بار فرمایا "اِرْكَبْهَا وَيْلَكَ" ارے تیرا ناس ہو، سوار ہو جا۔ غرض ایسے لوگوں کا پیادہ چلنا اور دور دراز سفر کرنا رسول اللہ ﷺ کو گوارہ نہ تھا۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جن لوگوں پر حج فرض نہ ہو اور مشقت کا تحمل بھی نہ کر سکیں ان کے سامنے حج کے فضائل اس طرح بیان نہ کرو کہ وہ پیدل سفر کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ پھر مشقت کا تحمل نہ کر سکیں تو حج اور بیت اللہ کی عظمت ہی ان کے دل سے جاتی رہے۔ اس سے تو یہی اچھا تھا کہ وہ حج نہ کرتے کہ ان کے ذمہ فرض نہ تھا۔

اسی طرح پیدل سفر کر کے تبلیغ کرنا بھی فرض نہیں ہے تو اس کی ترغیب اس طرح نہ دی جائے کہ جن کو مشقت کی عادت نہ ہو وہ بھی تیار ہو جائیں اور تکلیف اُٹھا کر تبلیغ کو دِل میں برا کہیں۔

۵۔ بعض دفعہ مجمع عام میں تبلیغ کے لیے ایک چلہ دو چلہ دینے کی ترغیب دی جاتی ہے اور جب کوئی نہیں بولتا تو نام لے کر پُکارا جاتا ہے کہ میاں فلانے تم کیوں نہیں بولتے۔ پھر جب لوگ نام لکھواتے ہیں تو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ شخص شوق سے نام لکھوار ہا ہے یا لوگوں کی شرما شرمی سے۔ہمیں کوئی فوج تو بھرتی نہیں کرنی ہے۔اس کام میں انہی لوگوں کو لینا چاہیے جو خلوص اور شوق سے کام کرنا چاہیں۔ تجربہ یہ ہے کہ جو لوگ شرما شرمی میں شریک ہو جاتے ہیں اصولوں کی پابندی نہیں کرتے بلکہ بعض تو تبلیغ کے نام سے اپنے لیے چندہ کرتے پھرتے ہیں جس کا اثر اُلٹا اور بہت برا ہوتا ہے۔

۶۔ بعض حضرات نے تبلیغ کے چھ اصولوں ہی میں سارے دین کو منحصر سمجھ رکھا ہے۔اگر کسی دوسرے دینی کام کے لیے ان کو بلایا جاتا ہے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام ہمارے چھ اُصولوں سے خارج ہے، اس لیے ہم اس میں شریک نہیں ہو سکتے۔ یہ بھی غلو اور افراط میں داخل ہے۔

۷۔ مبلّغین عام طور پر تبلیغی گشت کو کافی سمجھتے ہیں۔ مکاتبِ قرآنیہ اور مدارسِ دینیہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ جہاں قرآنی مکاتب اور مدارسِ دینیہ نہ ہوں وہاں مکتب اور مدرسہ قائم کرنا بہت ضروری ہے۔حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو اس کا خاص اہتمام تھا۔

۸۔ دیکھا گیا ہے کہ تبلیغی اجتماعات میں اُمراء و حکام اور وزراء کو شریک کرنے کی بڑی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ صورت بھی اچھی نہیں۔بس ترغیب سے زیادہ کچھ نہ کیا جائے۔اس کے بعد کوئی خود اپنے شوق سے آئے تو خوشی کی بات ہے، زیادہ اصرار کی ضرورت نہیں۔

میں نے مکہ معظّمہ میں مبلغین کو تاکید کی تھی کہ حجاز کے دیہات میں قرآنی مکاتب قائم کرنے کی کوشش کریں تاکہ بدّوؤں کا جہل دور ہو اور ان کو علم سے مناسبت ہو جائے۔ اُمید ہے دوستو نے اس کا اہتمام کیا ہوگا۔ (تذکرۃ الظفر ،ص: ۹۹)

ف۔ محدثِ جلیل حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ (جو جماعت کے کام سے نہ صرف منسلک بلکہ ذمہ دار بھی تھے) نے سالہا سال پہلے جماعت کے لوگوں کو جن کوتاہیوں و تقصیرات کی طرف توجہ دلائی تھی معلوم نہیں جماعت کے لوگوں تک وہ ہدایات پہنچیں بھی یا نہیں؟ بظاہر حالات سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہدایات ان لوگوں تک پہنچیں ہی نہیں۔ اور اگر پہنچیں تو ان کی

طرف توجہ نہ دی گئی۔جس کی وجہ سے جن تقصیرات کی طرف حضرت محدثؒ نے توجہ دلائی ہے ان میں بجائے کمی و درستگی کے شدت و زیادتی نظر آ رہی ہے۔ بلکہ بہت سی نئی کوتاہیوں کا اضافہ ہوتا جارہا ہے۔العیاذ باللہ تعالیٰ (مرتب) (از اقوالِ سلف)

جماعت تبلیغ کے لیے نصابِ تعلیم وذکر

مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے فرمایا کہ میرا اصل مقصود یہ ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے علوم ہوں اور میرا طریقۂ تبلیغ ہو تو مسلمانوں کی حالت درست ہو جائے۔اس کے بعد مجھے حکم دیا کہ جماعت تبلیغ کے لیے نصابِ تعلیم اور نصابِ ذکر الگ الگ قلمبند کردوں۔ چنانچہ میں نے نصاب قلمبند کر کے پیش کیے تو بہت خوش ہوئے۔
(اقوال سلف۔ج:۵،ص:۲۶۶-۲۵۵)

پنج گنج سودمند

از۔شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ (خلیفہ حضرت تھانویؒ)
بعد الحمد والصلوٰۃ،

۱۔ دنیا میں سب سے بڑا گناہ غفلت ہے اور غفلت کا بڑا سبب حرص اور طولِ امل ہے۔ غفلت کا علاج ذکر اللہ ہے اور ان دعاؤں کی پابندی جو رسول اللہ ﷺ نے مختلف اوقات کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں اور حرص وطولِ امل کا علاج فنائے دنیا کو پیشِ نظر رکھنا اور موت کو یاد رکھنا ہے۔

۲۔ مسجد میں جب بھی داخل ہوں، اعتکافِ نفلی کی نیت کرلیں۔

۳۔ سوتے ہوئے دن بھر کے اعمال کا حساب کرلیں۔جتنی نیکیاں کی ہوں ان پر شکر کریں، جو خطا ہوگئی ہو اس سے توبہ واستغفار کر کے سوئیں۔

۴۔ تلاوتِ قرآنِ پاک کی پابندی کریں، اس میں کوتاہی نہ آنے پائے۔

۵۔ ملفوظات ومواعظ حکیم الامۃ قدس سرہ کا مطالعہ کرتے رہیں۔

(مقالاتِ عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، ج:۱،ص:۳۸۱ و ۳۸۲)

مولانا عبدالحق صاحب متوطن پور قاضی کی نصائح

ذیل میں درج کی جانے والی مولانا موصوف کی نصائح کے سلسلے میں حضرت حکیم الامت تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ رقمطراز ہیں:

بعد الحمد و الصلوٰۃ، احقر اشرف علی تھانوی عرض کرتا ہے کہ آج میں نے تقریر لطیف سعادت نصیب نہایت شوق سے پڑھی۔ حرف حرف پر انشراح بڑھتا جاتا تھا۔ سبحان اللہ سچ ہے کہ دریا کو کوزے میں بھرا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا اور دعا کے ساتھ امید ہے کہ لڑکیوں کو بیحد نافع ہوگی، میری تمنا ہے کہ اس کو مستقلاً یا کسی رسالہ کے ساتھ چھاپ کر سب گھروں میں پہنچانے کی کوشش کی جاوے گی۔ و الی اللہ ترجع الامور۔

اشرف علی عفی عنہ۔ مقام تھانہ بھون، ۲؍صفر سنہ ۱۳۳۰ھ

حامداً ومصلّیاً:

پیاری دختر لختِ جگر اَسْعَدَکَ اللّٰہُ تَعَالیٰ فِی الدِّیْنِ مُتَفَاوِلًا بِاِسْمِکِ الْمَیْمُوْنِ، ابھی تک تم اپنی مادر مُشفقہ اور اپنے مہربان والد کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتی رہی ہو، تمہارے والدین تمہارے آرام و راحت کو ہر چیز پر مقدم سمجھتے رہے، تمہاری تعلیم و تربیت و درستیٔ اخلاق اور ہر قسم کی بہبودی کے ذمہ دار تھے، آج سے تم ایک نئی دنیا میں قدم رکھتی ہو، جہاں تمہارے تمام اخلاق و عادات اور اخلاق و سکنات کی ذمہ داری خود تم پر عائد ہوگی، اس لیے میں چند ہدایتیں تم کو کرتا ہوں، کہ اگر تم ان پر کاربند ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ دین اور دنیا کی کامیابی تم کو نصیب ہوگی، وہ ہدایتیں یہ ہیں:

سب سے مقدم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی اطاعت ہے۔ ان کا ہمیشہ دل سے خیال رکھو۔ اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ کے خلاف اگر کوئی کام کہے، کہنے والا خواہ کوئی ہو، اس کا کہنا ہرگز مت مانو۔ دیکھو ماں باپ کی اطاعت کی قرآن شریف میں حد درجہ تاکید آئی ہے اور جنت ماں باپ کے قدموں کے نیچے ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اگر ماں باپ بھی کہیں تو ان کا بھی نہ مانو۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ سے سولہ سوالات کے جواب

مکتوب نمبر ا

جناب ایس، ایچ صاحب غوری۔ ایک نوجوان اور علم دوست آدمی ہیں۔ لکھنے پڑھنے اور مطالعہ کا ذوق فطری ہے۔ انھوں نے بی ایس سی کے بعد اُردو سے ایم۔اے کیا ہے اور اب تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ویسے طب، تجارت اور تبلیغ سے بھی یکساں دلچسپی رکھتے ہیں، اکابرین کے مذاقِ سخن اور ان کے حالات سے واقفیت کو سودمند اور نفع بخش سمجھتے ہیں۔ موصوف نے اپنے اسی جذبے کے تحت چند سوالات حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں روانہ کیے تھے۔ سوالات اور ان کے جوابات بالترتیب درج ذیل ہیں۔ (مرتب)

سوالنامہ

ا۔ کس شخصیت نے آپ کو زیادہ متاثر کیا اور کس طریقہ پر؟

۲۔ کن کتابوں اور مصنّفین سے آپ نے (انسپریشن) روحانی تاثیر حاصل کیا؟

۳۔ آپ کی پسندیدہ کتابیں، مصنف، شاعر، موضوعات اور مجلّات کیا ہیں؟

۴۔ کس قسم کی کتابیں آپ کو پسند نہیں ہیں؟

۵۔ آپ کتنی زبانیں جانتے ہیں؟

۶۔ کتنی زبانوں میں آپ کا مطالعہ ہے؟

۷۔ کس زبان میں آپ کا مطالعہ وسیع ہے؟

۸۔ کیا آپ کی اپنی لائبریری ہے؟ اور اس میں مختلف زبانوں میں کتنی کتابیں ہیں؟

۹۔ آپ کے خیال میں ہمارے نوجوانوں کے لیے کون سے مصنّفین اور کن کتابوں کا مطالعہ سودمند ہوگا؟ (خاص طور پر انگریزی اور اُردو میں)

۱۰۔ اپنے پسندیدہ اشعار تحریر فرما دیجیے!

۱۱۔ اپنی زندگی کا کوئی ناقابلِ فراموش حادثہ لکھیے!

۱۲۔ دل اور دماغ کا سکون کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے؟

۱۳۔ موجودہ زمانہ میں مذہب کو کتنی اہمیت دینی چاہیے؟

۱۴۔ موجودہ سوسائٹی میں مقابلۃً کون سا مذہب بہتر ہے؟

۱۵۔ آپ کی بڑی خواہش کیا ہے؟

۱۶۔ مہربانی فرما کر مجھے کچھ نصائح فرمائیے!

﴿واضح رہے کہ تمام سوالات انگریزی میں تھے۔ ہم نے ناظرین کرام کی آسانی کے لیے ترجمہ پیش کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ (مرتب)﴾

حضرت محترم زیدت معالیکم

سلام مسنون، نیاز مقرون۔ جناب محترم نے چند سوالات فرمائے ہیں جو اس ناکارہ کی ذات اور ذاتی رجحانات سے متعلق ہیں، فوری طور پر ان کے جو جوابات ذہن میں آئے وہ درج ذیل ہیں۔ جواب میں تاخیر ہجومِ کار اور کثرتِ اسفار اور دارالعلوم کے ہنگامی حالات کی وجہ سے ہوئی، معافی کا خواستگار ہوں۔ جناب کے سوالات کے جوابات حسبِ ترتیبِ سوالات درج ذیل ہیں۔

۱۔ میرے اساتذہ میں جن حضرات کے تعلیمی اور تربیتی مؤثرات نے مجھے زیادہ متاثر کیا ان میں اوّل نمبر میرے والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم خاص دارالعلوم دیوبند ہیں۔ مجھے فنِ حدیث سے مناسبت اور لگاؤ انہی کے درس اور تربیت سے پیدا ہوا اور دینی علوم وفنون میں میرا طبعی رجحان و میلان زیادہ تر حدیث کی طرف انہی کی تربیت سے ہوا۔ اس تاثر کو جِلا اور وسعت حضرت الاستاذ الاکبر علامہ انور شاہ کشمیریؒ صدر المدرّسین دارالعلوم دیوبند کے درس سے ہوئی، جن کے درس میں تمام ہی علوم وفنون سے بحث ہوتی تھی۔ اصلاحِ قلب کے سلسلے میں عارفانہ تاثیر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سرپرست رابع دارالعلوم دیوبند کی ہے جس سے علم النفس کی طرف توجہ منعطف ہوئی۔ چونکہ یہیں سے فنِ اسرارِ دین کی بنیادیں کُھلتی ہیں اس لیے اس فن کی طرف بھی طبیعت چل پڑی جو ان تین مذکورہ بزرگوں کی توجہات کا اثر ہے۔

۲۔ کتابوں کے مطالعہ کا وقت مجھے زیادہ نہیں ملتا، نہ فرصت ہوتی ہے۔ میرا استفادہ زیادہ تر قرآن وسنت کی روشنی میں فکر ونظر اور تدبر وفکر سے ہوتا ہے۔

۳۔ میری محبوب کتابیں عارفین کی وہ کتب ہیں جن میں دین کی لمیّات سے بحث ہوتی ہے۔اسی لیے میرا قلبی رجحان زیادہ تر اپنے جدامجد حضرت قاسم العلوم کی کتب کی طرف ہے کہ وہ حقائقِ الٰہیہ اور معارفِ ربانی کا خزانہ ہوتی ہیں، نیز حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت امام غزالیؒ اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شیخ اکبر رحمہم اللہ کی مصنفات سے طبعی دلچسپی ہے۔گو وقت مطالعہ کے لیے بہت کم ملتا ہے، اور اسی لیے میرے درس میں زیادہ تر 'حجۃ اللہ البالغہ للشاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ' رہتی ہے۔انھیں سے اصولاً فقہیاتِ دین حل ہو جاتی ہیں۔

شاعری سے نہ کبھی مناسبت ہوئی نہ شاعرانہ ذوق ہے۔یوں شعر کبھی کبھی کہہ بھی لیتا ہوں اور ان تک بندیوں کا ایک مجموعہ بنام 'عرفانِ عارف' شائع بھی ہو چکا ہے، جن میں نہ تغزل ہے اور نہ شعری صنائع و بدائع۔صرف وقائع اور حوادث موضوعِ شعر وسخن رہے ہیں۔

۴۔ جن کتابوں کے الحاد یا تلبیسِ دین کے نام پر بے دینی اور بے قیدی کی طرف رہنمائی یا جن کتابوں سے اسلام کے نام پر سلف کی بے عظمتی پیدا ہوتی ہو یا کتب تو دینی ہوں مگر ان میں خواہ مخواہ کی عبارت آرائی اور ادیبانہ تکلّفات ہوں۔خصوصاً اس دَور کے غیر محقق یا آزاد رائے قسم کے مصنّفین کی کتابیں مجھے طبعاً پسند نہیں جن میں ذہنی خیالات کو اصل بنا کر شرعی تائیدات حاصل کرنے کا اسلوب کارفرما ہو۔نہ صرف یہی کہ ان سے قلبی تسکین وطمانیت کا کوئی تعلق نہیں بلکہ زیادہ تر وہی قلب کی تشویشات اور پریشان خاطری کا بڑا سبب ہیں۔

۵۔ عربی، فارسی بقدرِ ضرورت جانتا ہوں، اُردو اپنی مادری زبان ہے۔

۶، ۷۔ زیادہ تر عربی فارسی زبان کی کتب اور وہ بھی مستند علماء اور بالخصوص سلف صالحین کی کتب زیادہ پسند ہیں۔

۸۔ احقر کے اپنے ذاتی کتب خانہ میں ہر قسم کے فنون کی کتابیں عربی، فارسی اور اُردو زبان کی بقدرِ ضرورت جمع ہیں، جن کی تعداد لگ بھگ ہزار تک ہوگی۔

۹۔ جہاں تک دینیات کا تعلق ہے، مستند علماء ہی کی کتابوں کا مطالعہ کر کے نوجوان اپنا دین و دنیا درست کر سکیں گے اور انھیں دین کے بارے میں اطمینان وسکون میسر ہو سکے گا۔حال کے مصنّفین میں غیر مستند لوگوں کی تصانیف سے دماغی تفریح تو ممکن ہے لیکن سکونِ قلب و روح

اور محبتِ آخرت کا وجود عنقا ہی رہے گا۔ یہ سکون و محبت صرف اہلِ محبت کی سطور و صدور سے ممکن ہے۔ اہلِ عقل کی کتب اور دماغوں سے عادتاً دشوار ہے۔ فلسفی قسم کے افراد سے قلبی بے چینیاں دور نہیں ہوسکتیں، یہ حصّہ صرف اہلِ حکمت و محبت ہی کا ہے۔

موجودہ دور میں اگر دین اور ذہنی محبت مطلوب ہو تو تجربہ شاہد ہے کہ حضرت تھانویؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ کی مترجم تصانیف کافی ہوسکتی ہیں اور اکسیر کا حکم رکھتی ہیں۔ باقی اس دَور کے عام موضوعات جیسے قومی تنظیمات یا طبقاتی نصب العینوں کی تحریکات یا عام وقتی مقاصد کی ترغیبات خواہ کسی حد تک ضروری بھی ہوں اور اپنے دائرہ میں کچھ اثر بھی رکھتی ہوں، اطمینانِ قلب کا موجب نہیں بن سکتیں۔ مرچوں کی کثرت سے منہ کی ٹھنڈک نہیں حاصل کی جاسکتی۔ گو مرچ بقدرِ ضرورت ترکاری کے لیے ضروری بھی سمجھی جائے۔

۱۰۔ نہ شاعر ہوں نہ اشعار کا ذخیرہ ذہن میں محفوظ ہے۔ تا بہ چیدہ و پسندیدہ اشعار چہ رسد، جامہ نہ دارم، دامن از کجا آرم۔

۱۱۔ زندگی کے ناقابلِ فراموش واقعات ہزاروں ہیں، جو ایک سوانح ہے مگر مجھے اپنی سوانح لکھنے کی فرصت نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ سوانح ہے کہ اس کے لکھے جانے کی ضرورت سمجھی جائے۔

۱۲۔ دل کا سکون ذکر اللہ (بہ الفاظِ دیگر اتباعِ شریعت و سنت) سے ہے، اور دماغ کا سکون عقلِ صافی ہے جس میں معاشی کدورتیں اور اغراضِ نفسانی ملی ہوئی نہ ہوں، حاصل ہوتا ہے۔

۱۳۔ مذہب کی اہمیت کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں کہ اس دَور کی قید کے ساتھ اس کی اہمیت کا ذکر کیا جائے۔ بلکہ جس طرح بدنی غذا کو ہر دَور میں ماضی ہو یا مستقبل تا بقائے جسم یکساں اہمیت بلکہ ناگزیری حاصل رہی ہے ایسے ہی روحانی غذا (مذہب ہے) تو اس کی اہمیت بھی تا بقائے روح فطری ہے۔ اور فطرت کسی زمانہ کے ساتھ مقید یا مخصوص نہیں۔ اس لیے یہ سوال کہ موجودہ دَور میں غذا کو کتنی اہمیت دینی چاہیے بے محل ہے۔ ایسے ہی مذہب کی اہمیت کا سوال بھی کسی زمانہ کی قید کے ساتھ مقید نہیں ہوسکتا۔

۱۴۔ دنیا کے اور مذاہب میں نسبت کا سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ ان میں مقابلۃً کون سا

مذہب بہتر ہے، کیونکہ ہر اگلا مذہب پہلے مذہب کا ناسخ ہے اور ناسخ کے بارے میں قرآنی تصریحات ہیں کہ وہ منسوخ سے بہتر ہوتا ہے لیکن اسلام کے بعد کوئی مذہب نہیں۔ اس لیے وہ جامع مذاہب و ملل ہونے کی وجہ سے علی الاطلاق بہتر ہے۔ نسبتی یا اضافی بہتری کا سوال پیدا نہیں ہوتا لیکن اگر یہ سوال رکھا ہی جائے تو مذکورہ اصول کی رو سے وہ ناسخ ادیان ہونے کی وجہ سے تمام مذاہب سے بہتر ہے۔

۱۵۔ میری سب سے بڑی خواہش صلاحِ نفس اور حسن خاتمہ کی ہے۔ حق تعالیٰ ایمان کی سلامتی کے ساتھ لبِ گور تک پہنچا دے۔

۱۶۔ سب سے بڑی نصیحت تقویٰ ہے۔ اور سلف صالحین کی عادت بھی یہی تھی کہ ایک دوسرے سے رخصت ہوتے وقت کسی نصیحت کی فرمائش کرتے تھے تو جواب میں تقویٰ و طہارت کی ہدایت اور تاکید کیا کرتے تھے۔ اور تقویٰ کا حاصل یہ ہے کہ نفس کے ہاتھ میں اپنی تکمیل نہ دی جائے۔ اتباعِ سنت و شریعت کا اہتمام کیا جائے۔ فتن سے بچاؤ رکھا جائے خواہ فتن علمی رنگ کے ہوں جیسے عقیدہ و فکر کی بے قیدی اور خود رائی وغیرہ، خواہ عملی ہوں جیسے فرائض و واجبات میں سستی اور کاہلی اور ممنوعات و مکروہات کی طرف میلان و رجحان۔ دین کے بارے میں بجائے آزادی اور آزاد روی کے تقید اصل ہے۔ اور طریقۂ سلف کی پابندی اس کی بنیاد ہے جس کے لیے معیتِ صلحاء یا کتبِ صلحاء سے استفادہ ضروری ہے۔ عفتِ نظر اور طہارتِ قلب تقوائے باطن ہے اور صلاحِ عمل تقوائے ظاہر ہے۔ ظاہر اور باطن کو جب تک آدابِ شرعیہ سے متادّب نہ بنایا جائے حقیقتِ تقویٰ پیدا نہیں ہوتی۔ کسی بھی نوع عمل کو اس کے وسائل ہی سے پکڑا جا سکتا ہے۔ جن کا نام آداب ہے۔ ادب نہ ہو تو سنن ضائع ہو جاتی ہیں، سنن نہ رہیں تو واجبات ضائع ہوتے ہیں، واجبات نہ رہیں تو فرائض ہاتھ سے جاتے رہتے ہیں، فرائض نہ رہیں تو معرفت نہیں رہتی۔ کورا رسمی علم رہ جاتا ہے اور وہ بھی انجام کار بے ادبی کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا۔ ادب کے معنی رسمی جھکاؤ اور ہنس کر بولنے کے نہیں بلکہ خشیتِ الٰہی کے مظاہر کے ہیں۔ پھر یہ تقویٰ اوّلاً فعلِ قلب ہے اور ثانیاً فعلِ جوارح ہے۔ دنیا کی زندگی کے ہر مرحلے میں ذکرِ آخرت اسلام کا بنیادی

اصول ہے، اس لیے جتنی انواع اس زندگی کی ہیں اتنی ہی انواع ان کے ساتھ ذکرِ آخرت اور تقویٰ کی ہیں۔ کھانے پینے میں حمد وشکر، اجنبیات کے سامنے آنے پر غضِّ بصر، ترفع وتعلّی کے جذبات کے وقت کسرِ نفس اور تواضع، دولت کے انبار اور حرص بھڑکنے کے وقت قناعت پسندی، مصیبت کے وقت صبر ورضا، مشکلات میں دل ڈانواڈول ہونے پر توکل واعتماد علی اللہ، دوستوں کی ہم نشینی پر اخوۃ فی اللہ، عملِ آخرت کی تذکیر کے لیے تعاون، بڑوں کے سامنے آنے پر ممکنہ اعانت و دادرسی، دین وآخرت کی بات سامنے آنے پر عقیدت وتفویض اور سرافگندگی، اغیار سے ملنے ملانے کے وقت حکمت کے ساتھ دعوت دینے سے ان کی امداد، وسائل عیش فراہم ہوجانے پر ان کی بے ثباتی اور فنائیت پر نظر، رفعت وسربلندی مل جانے پر اپنی اصلیت کا استحضار، دنیا کے ہر جزو سے استبعاد، آخرت کی طلب وجستجو، غرض جتنے دنیوی زندگی کے وسائل ہیں اتنے ہی ان میں اخروی زندگی کے تقوائی پہلو ہیں۔ ان وسائل میں ان پہلوؤں کی رعایت رکھنے والا ہی متقی کہلایا جاسکتا ہے۔ یہ میدان لامحدود ہے۔ بطور مثال ان چند پہلوؤں کی طرف اشارہ کردیا گیا ہے۔ اسلامی زندگی یا اسلامی معاشرہ یہی ہے، اور اس کے مجموعہ کا نام ایمان اور اسلام ہے۔

جناب کے سوالات پر یہ چند پراگندہ خیالات عرض کردیے گئے۔ تاخیر جواب کی معافی چاہتا ہوں۔ والسلام

محمد طیب
۱۰۔۶۔۸۹ھ
دارالعلوم دیوبند

مکتوب نمبر ۵ - اسلام نہ مادّیت محض ہے نہ روحانیت محض

اسلام روحانیت اور مادیت کے کسی مرکب مجموعہ اور گلدستۂ رنگارنگ کا نام ہے؟ یا وہ روحانیتِ محض ہے جس کا مادّیت سے کوئی تعلق نہیں؟ اس عام اور روزمرہ سوال کا نہایت حکیمانہ اور تفصیلی جواب ذیل کے مکتوب گرامی میں ملاحظہ کیجیے جو صاحبِ مکتوب نے جناب کرامت علی صاحب قریشی صدر تنظیم ملت کراچی .... کے جواب میں تحریر فرمایا۔ (مرتب)

محترمی ومکرمی، زید مجدکم ...... سلام مسنون، نیاز مقرون

گرامی نامہ مورخہ ۲۴ستمبر۱۹۶۳ء نے مشرف فرمایا۔ میں افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ کے سفر پر گیا ہوا تھا، واپسی پر ہجومِ کاروافکار اور کثرتِ اسفار سے زیر بار رہا۔ ارسال عریضہ میں غیر اختیاری طور پر تاخیر ہوگئی جس کے لیے معذرت پیش کرتا ہوں۔ آپ نے سوال مندرجہ والا نامہ میں اسلام میں مادّیت و روحانیت کی نوعیت دریافت فرمائی ہے، جواباً عرض ہے کہ

اسلام نہ مادّیتِ محض ہے کہ جس میں روحانیت کا دخل نہ ہو اور نہ روحانیتِ محض ہے جس میں مادّیت شامل نہ ہو بلکہ وہ مادّیت و روحانیت کا ایک معتدل ترین امتزاج ہے جس میں مادّیت و روحانیت دونوں اپنی اپنی نوعیت سے ملی جلی شامل ہیں۔ اور وہ نوعیت یہ ہے کہ اسلام نے روحانیت کو اصل اور مادّیت کو اس کا تابع یا اوّل کو مقصد اور ثانی کو وسیلہ قرار دیا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر اسلام کا موضوع اور مقصدِ حقیقی تہذیبِ روحانی ہے مگر وہ چونکہ عمل اور کسب پر موقوف ہے اور عمل کا میدان بھی مادّی اجزاء و وسائل ہیں جن میں مطلوبہ اکتساب وتصرف کرنے سے روحانیت کی تکمیل ہوتی ہے اس لیے اسلام نے اس نوعیت کے ماتحت مادّیت کا ایک مستقل نظام اپنے رنگ کا پیش کیا ہے جس کو روحانیت کی تکمیل کے لیے استعمال کیا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ اسلام میں اصل مقصود آخرت ہے، دنیا نہیں ہے لیکن یہ آخرت اسی دنیا میں سے برآمد ہوتی ہے، اس لیے دنیا کو آخرت کے ظرف اور عمل گاہ کی حیثیت سے اس نے پیش کیا ہے۔

کارِ دنیا کن و اندیشۂ عقبیٰ مگذار
تا بہ عقبیٰ نہ رسی دامن دنیا مگذار
(صائب)

ہماری زندگی کے روزمرہ کے افعال کھانا پینا، سونا جاگنا، اُٹھنا بیٹھنا، پہننا اوڑھنا، چلنا پھرنا، رہنا، ملنا جُلنا اور مرنا جینا وغیرہ بلاشبہ مادّی افعال اور جسمانی خواص و آثار ہیں لیکن انھیں کو جب اسلام کے نظام کے ماتحت انجام دیا جائے تو یہی دنیا کے مادی افعال ہماری آخرت بن جاتے ہیں اور اس پر عبادت کا اطلاق آجاتا ہے جس کا دوسرا نام اسلام ہے۔

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ (سورۂ انعام)

کہہ دو (اے ابراہیم) کہ میری نماز، میرا حج، اور میرا جینا اور میرا مرنا اور جینے اور مرنے کے درمیان کے تمام افعال صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہیں یعنی حبۃً للہ ہیں جس میں صرف رضائے حق مطلوب ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اس لیے میری اس عبادت میں بھی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا اور مجھے اسی کا امر کیا گیا ہے اور تعمیلِ امر ہی کا نام عبادت ہے اور آج میں ہی پہلا مسلم ہوں۔

ظاہر ہے کہ ان مادّی افعال سے کٹ کر یا ان افعال کے وسائلِ عمل یعنی مادّی اعضاء اور اجزاء کو کاٹ کر یا ان اعضاء کی اندرونی مادّی قوتوں شہوت وغضب کا استیصال کر کے جو اِن اعضاء میں ودیعت کی گئی ہیں انسان ہی باقی نہیں رہتا جس کی روحانیت کی تکمیل مقصود تھی تو وہ روحانی تہذیب و تکمیل آخر کس کی ہوگی جبکہ تکمیل طلب شے ہی باقی نہ رہی اور پھر بھی کی جائے گی تو وہ محض خیالی اور ذہنی تکمیل ہوگی جس کا باہر کوئی وجود نہ ہوگا جبکہ وسائل ظہور یہی اعضاء و اجزاء اور یہی مادّی وسائل و اسباب ہیں جن کے ذریعہ روحانیت کی تکمیل کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ترکِ دنیا کا تصوّر ترکِ لذات، ترکِ تعلقات، ترکِ حرکات وسکنات اور ترکِ مسکونات وغیرہ نہیں جبکہ زندگی کے ان تمام لوازم ہی میں سے اس نے آخرت پیدا کی ہے۔ مثلاً کھانے پینے، سونے جاگنے اور اُٹھنے بیٹھنے کے جو آداب بتائے اور ان کے آغاز و انجام پر جو اذکار و اوراد تلقین کیے ہیں وہ ان افعال کی انجام دہی سے ہی عمل میں لائے جاسکتے ہیں جن سے یہ افعال شائستہ مہذب اور زادِ آخرت بن سکتے ہیں اور اس شائستگی سے روحانیت و اخلاق کے پاکیزہ جذبات دل میں تہہ نشین ہو سکتے تھے۔ یہ افعال نہ ہوں گے تو مذکورہ اوراد و نیّات کے فقدان سے روح و بدن کے اس حصے کی یہ تہذیب وشائستگی بھی نہ ہوگی جس سے انسانیت کا ایک بڑا حصہ غیر مہذب اور بے روح رہ جائے گا۔ مثلاً اسلام نے بازار جانے، سودا خریدنے، نکاح کرنے اور ازدواجی زندگی کے افعال ادا کرنے، عزیز و اقرباء کے تعلقات، پڑوس کے روابط اور حقوق نیز اقوام عالم کے معاملات کے جو آداب و اذکار اور تصوّرات بتلائے ہیں اگر آدمی ان افعال ہی سے کنارہ کش ہو کر جنگل، بیابان اور پہاڑوں کے زاویے اختیار کرے تو یہ آداب و

رسوم، اذکار و اوراد، باطن کی توجہات جو اِن افعال کے راستہ سے اپنے خالق کی طرف منعطف ہوتیں یکسر ختم ہو جائیں گی جس سے تہذیب و تمدن کا یہ حصہ ناکارہ بلکہ دنیا سے معدوم ہو کر رہ جائے گا اور انسانی زندگی سے یہ موڑ مٹ کر ایک طرف دنیا کی ویرانی کا سبب بن جائیں گے اور دوسری طرف ان ناکارہ اور محروم عمل انسانوں کی تہذیب و روحانیت اور ان کے قلبی اخلاق و ملکات کا وہ اندرونی نظام جس سے انسان معاملات کی دنیا میں ایک سچا قابلِ مدح اور روحانی انسان ثابت ہوتا دنیا سے یکسر مفقود ہو کر رہ جائے گا اور یہی انسان جس کو تمام جماد و نباتات اور حیوانات پر فوقیت تھی جنگل کا ایک درخت یا پہاڑ کا ایک پتھر ہو کر رہ جائے گا جس میں نہ افعالِ زندگی کا شعور ہو گا نہ مقاصدِ حیات کا کوئی ادراک۔

نظر بریں کہا جاسکتا ہے کہ انسان قویٰ و جذبات کو مٹانے کے لیے نہیں آیا بلکہ ٹھکانے لگانے کے لیے آیا ہے تاکہ وہ صحیح مصرف میں صرف ہو کر اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کر سکے اور خالقِ قویٰ و مواد اور جاعلِ افعال و اعمال کی حکمت دنیا میں رونما ہو کر اس کی حکمت و صنعت کی گواہ بنے ورنہ اگر خالقِ عالم کو ان کا معدوم کر دینا ہی مطلوب تھا تو انھیں عدم سے نکال کر معرضِ وجود میں لانے ہی کی کیا ضرورت تھی جبکہ حکمت پر بھی دھبہ آتا ہے۔ جو ہر دھبے سے بری و منزّہ ہے اور دنیا کے محکم نظام کا ہر کارخانہ بھی باطل ٹھہرتا ہے جس کو آخرت کی تعمیر کے لیے بطور گلخن (بھٹی) اور ملبہ (کوڑا کرکٹ) کے برپا کیا گیا ہے۔

شہوتِ دنیا مثالِ گلخن است
کہ ازو حمامِ تقویٰ روشن است

بہر حال زندگی کے ان وسائل اور ان سے متعلق افعال انسان سے معطل ہو جانے کی صورت میں تو دنیا آباد ہی نہیں ہوتی کہ اس کے اچھے بُرے، شائستہ یا ناشائستہ ہونے کا کوئی سوال پیدا ہو کیونکہ اس صورت میں انسان انسان سے منقطع رہتا ہے نیز انسانی قویٰ انسانی نفس سے منقطع ہو جاتے ہیں اور وسائل دنیا انسانی افعال سے منقطع رہتے ہیں تو نہ دنیا رہتی ہے نہ انسان نہ انسانی صنعت رہتی ہے نہ انسانی تہذیب و تمدن، نہ روحانیت کا کوئی سوال ہوتا ہے، نہ

معنویت کا جو یقیناً دنیا اور انسان دونوں کے لیے عظیم ترین حرمان ہے۔

اور اگر انسانی قویٰ اور وسائل اپنا کر روحانیت و اخلاق اور خالقِ کائنات کی ہدایات سے کاٹ کر انسانوں کو اس کے طبعی جذبات پر آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ اپنے طبعی تقاضوں سے ہر شے کو جس طرح چاہے استعمال کرے اور شہوت اور غضب کو جدھر اس کا نفس لے جانا چاہے جانے دیا جائے تو وہ حیوانِ محض ہو کر رہ جائے گا اور اس میں اور ایک گدھے اور کتّے میں کوئی فرق نہ رہے گا گویا اس کا یہ سونا جاگنا، کھانا پینا، بول و براز اور شہوت و غضب کی طبعی حرکات کا مرتکب ہونا ایک مظاہرہ ہوگا جس میں نہ دین و مذہب کا دخل ہوگا نہ عقل و بصیرت کا بلکہ وہ طبعِ حیوانی کی حکمرانی رہ جائے گی، اس لیے پہلی صورت میں اگر انسان جنگل کا ایک درخت اور پہاڑ کا ایک بے شعور پتھر بن کر رہ جاتا تھا تو اِس صورت میں وہ جنگل کا ایک بھیڑیا یا بھٹوں کا ایک سانپ یا بچھو ہو کر رہ جائے گا مگر انسان ثابت نہ ہو سکے گا۔

ہاں اگر ان تمام قویٰ و افعال اور دنیا کے ان تمام وسائل کے استعمال میں سے عقلِ محض کا پابند چھوڑ دیا جائے تو وہ انسان تو ضرور ہوگا مگر ایک فلسفی انسان بن کر رہ جائے گا جس میں نہ معرفت ہوگی نہ محبت، نہ انسانی موانست ہوگی نہ قبولیت عنداللہ کا سوال باقی رہے گا، نہ آخرت کی دوامی نعمتوں کا کیونکہ عقل صرف مادّیات اور محسوسات ہی کے میدان میں تگ و تاز کر سکتی ہے۔ ماورائے طبیعات ان غیبی عالموں سے اسے سروکار نہیں ہو سکتا جہاں صرف عشق و محبت اور قلب و روح کی لگن ہی کام کر سکتی ہے جہاں وجدان و استغراق اور شاعروں کی زبان میں جنوں ہی کام کر سکتا ہے اس لیے اس انسان کے سامنے نہ وصالِ حق کا سوال آئے گا نہ موت کے بعد ابدی اور دائمی زندگی کی لذات کا۔ یہ ممکن ہے کہ اس میں کچھ دنیا کی رسمی و نمائشی شائستگی کی نمود قائم ہو جائے اور اس کے آخری سانس تک قائم رہے لیکن وہ روحانی اور باطنی شائستگی اور وہ تہذیب و اخلاق کی حقیقت جس کا تعلق قلب و روح کے اخلاق اور اپنے مرکزِ وجود سے وابستگی سے ہے کبھی بھی میسر نہیں آسکتی جو عقل سے بالاتر ہو کر جنون ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد
اوست فرزانہ کہ فرزانہ نشد

آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

ایسے انسان کو انسان تو کہیں گے مگر دہری انسان کہیں گے جن کے لیے نہ دنیا ہی ہوگی نہ آخرت۔ دنیا اس لیے نہیں کہ اس کی دنیا ہمہ وقت تغیر پذیر ہوتے ہوئے ایک دن ختم ہو جائے گی نیز ختم ہونے سے پہلے یعنی رہتے ہوئے اگر وہ اس کے غم و فکر کا بادل تھی جو ہر وقت برستا تھا تو وہ دور ہو جانے سے جاتے ہوئے بے شمار حسرتوں کا پہاڑ بن جائے گی وہ اس سے اُٹھایا نہ جائے گا اس لیے وہ رہتے ہوئے اور جاتے ہوئے دونوں حالتوں میں ختم اور منقطع ہی رہی جس کے معنی نہ رہنے کے ہیں اور آخرت اس لیے نہیں کہ اگر عقل محض کی حکومت کے تحت آخرت اور بعد الموت کا تصوّر ہی اس کو نہیں تھا جس سے کہ آخرت ملتی پس نہ دنیا رہی نہ آخرت۔ اسی کو خَسِرَ الدُّنیَا وَ الْاٰخِرَۃَ کہا گیا ہے۔ اس صورت میں اسے بلحاظِ صورت انسان تو کہہ سکیں گے مگر حقیقی انسان اور بااُنس انسان کا نام نہیں دے سکیں گے جو انتہائی خسران ہے۔

ظاہر ہے کہ اشرف الکائنات انسان ان دنیوی قویٰ و وسائل کے استعمال کے سلسلہ میں اگر ان تمام وسائل سے کٹ کر جماد و نبات کی طرح معطل ہو جائے جب بھی انسان نہیں رہتا۔ اور اگر ان وسائل کی طبع حیوانی کے جذبات کے تحت کام میں لا کر سانپ بچھو یا چرند پرند بن جائے تب بھی انسان نہیں ہوتا اور عقل بے محبت کا اسیر ہو کر ان وسائل سے چند روزہ نمائش اور ایک ساعت لذت میں پھنس کر دوامی لذت سے ناآشنا رہ جائے یعنی فلسفی یا دہری بن جائے تب بھی حقیقی معنوں میں انسان نہیں ہوتا۔

اس لیے اس کے انسان رہنے اور انسانیت کی بقاء و ترقی یا تکمیل و تہذیب کی ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ وہ اپنی اندرونی قوتوں اور بیرونی وسائل کو اپنے خالق کی منشاء کے مطابق استعمال کر کے ایک مطیعِ حق اور فرمانبردار آدمی ہونے کا ثبوت دے اور وہ اس دنیا اور اس کے بے شمار سامانوں اور خزانوں میں استعمال و تصرف کا عمل اپنے خالق کے قانون کے تحت انجام دے تاکہ ایک طرف تو اس کی زندگی کے سارے امور اس پورے ظاہر کو شائستہ اور پورے باطن

کو مہذب اور اخلاق کو مزکّٰی اور تمام اعضاء کو منوّر کر دے اور دوسری طرف سارے سامان اپنے اپنے قدرتی تصرف میں ہو کر ٹھکانے لگیں اور یہ انسان اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ان سامانوں کے بھی مقصدِ تخلیق کو پورا کر کے دِکھا سکے تا کہ اس کے آغاز کے ساتھ اس کا انجام بھی درست ہو جائے اور اسے اس وقتی لذت کے ساتھ ابدی نعمت اور روحانی لذت بھی حاصل رہے۔

اس صورتِ حال کو سامنے رکھ کر کائنات عالم میں انسانی افعال دو قسم کے نکلتے ہیں ایک ان اشیاء میں خالقِ اشیاء کے اذن و ایماء سے تصرف وصنعتِ ایجاد و اختراع اور ساخت پر داخت اور ان کی فطری تنظیم وغیرہ اور ایک خالقِ کائنات کے منشاء اور قانون کے مطابق ان کا استعمال۔ انسان کے پہلے مقام کا نام خلافت ہے اور دوسرے مقام کا نام عبادت، جس سے اندازہ ہو جائے کہ انسان کا ایک مقصدِ تخلیق خلافت ہے کہ وہ اپنے نسب اور اصل کی طرف سے اس کائنات میں تصرف کرے۔ ان پر غلبہ و استیلاء حاصل کر کے انھیں اپنے خالق کے دیے ہوئے قانون کے اشاروں پر چلائے، عناصرِ اربعہ اس کے لیے مسخر ہوں اور اس کے کام میں لگے ہوئے ہوں۔ موالیدِ ثلاثہ، جمادات، نباتات، حیوانات اس کے کاموں میں تابعِ فرمان ہوں۔ ارضیات وفلکیات میں اس کے تصرفات چلیں اور ان تصرفات سے حاصل شدہ سامانوں کو اس کی مرضی کے مطابق اندرونِ حدود استعمال میں لائے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ ان قوتوں اور سامانوں سے کٹ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں جا چھپے تو نہ یہ تصرفات وجد پذیر ہو سکیں گے جس سے خلافت کا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا اور نہ یہ انتفاعات ہو سکیں گے جس سے عبادت کا کارخانہ ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائے گا اور اس طرح اس اشرف المخلوقات انسان کی نہ عالم پر خلافت قائم ہو گی نہ عبادت، نہ بدنی شائستگی رہے گی نہ روحانی تہذیب کیونکہ خلافِ منشاءِ حق اس کا کائنات میں تصرف بغاوت ہو گا کہ لایا گیا تھا نائب کی حیثیت سے اور بن بیٹھا مالک اور اصل اور خلافِ قانونِ الٰہی ان سے انتفاع کرنا خیانت ہو گی کہ آیا تھا سعادت کا تخم لے کر اور بن بیٹھا شقی اور سارق۔ اب عقلِ سلیم سے غور کریں کہ اس صورت میں آیا انسان کو جماد و نبات ہو کر

درخت اور پتھر بن جانا چاہیے یا بے شعور حیوان بن کر بندۂ نفس، دنیوی، دہری اور بے اُنس و بے محبت انسان بن کر طاغی باغی۔ پہلی صورت حرمان کی ہے اور دوسری خسران کی ہے اور تیسری طغیان کی اور پھر ظاہر ہے کہ ان سے کوئی صورت بھی اس کے انسانیت کی بقاء، ارتقاء کی نہیں بلکہ انسانیت کے تباہ و برباد ہو جانے کی ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا وَ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ جَهَنَّمَ یَصْلَوْنَهَا وَ بِئْسَ الْقَرَارُ﴾ (سورۂ ابراہیم، آیت: ۲۸)

ترجمہ: کیا آپؐ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا (یعنی ان کا حال عجیب ہے) جنھوں نے بجائے نعمتِ الٰہی (کے شکر) کے کفر کیا (مراد اس سے کفار مکہ ہیں) اور جنھوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں پہنچایا (یعنی ان کو بھی کفر کی تعلیم کی جس سے) وہ اس (جہنم) میں داخل ہوں گے اور وہ رہنے کی بری جگہ ہے۔

آخر کار صلاح و فلاح کی وہی ایک صورت رہ جاتی ہے جو اسلام کے جامعِ مادیت و روحانیت نظام میں پیش کی گئی ہے کہ نہ وہ جسم محض بنے کہ جماد لا یعقل ہو جائے اور نہ روحِ محض بنے جس میں قویٰ و ملکات کے سوا عملی حرکت کا نشان نہ ہو۔ بلکہ روح و جسم کا ایک معتد بہ مجموعہ ثابت ہو جس سے اس کے سارے قویٰ و ملکات اور دنیا کے سارے وسائل و آلات اس کی انسانیت کی تکمیل اور خلافت و عبادت کی تحصیل میں صرف ہوں اور روحانیت کو اصل قرار دے کر مادّیت کو اس کی تہذیب و تکمیل کا ایک وسیلہ شمار کرے جو روح اور روحانی اشاروں پر حرکت کر رہا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسانیت کا فطری تقاضہ بھی مادّیت و روحانیت کا جامع امتزاج ہے اور منصبِ خلافت و عبادت کا مقتضی بھی یہی جامعیت ہے اور اسی کو اسلام نے پیش کیا ہے اس لیے وہی فطری مذہب کہلانے کا مستحق ہے جو عین تقاضائے فطرت کو پورا کرنے کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔

رہیں اسلامی عبادات جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ؛ ممکن ہے کہ انھیں روحانیت محضہ کہہ کر مادّیت سے بے تعلق کہا جائے لیکن دیکھا جائے تو مادّیت کے امتزاج سے وہ بھی خالی نہیں۔ اوّلاً ان ساری عبادتوں کے افعال کا تعلق بدن سے ہے، بدن کے اعضاء و اجزاء ہی کو ان عبادات میں حرکت و سکون کا پابند کیا گیا ہے اور ان کے سارے افعال بدن ہی سے ادا کرائے گئے ہیں۔

نماز یا روزہ کسی ذہنی تصوّر کا نام نہیں بلکہ قلبی افعال (خشوع وخضوع، اخلاص وصدق وغیرہ) کے ساتھ بدنی افعال اور بدنی ہیئت وشکل کے مجموعے کا نام ہے جو بلا شبہ مادّہ اور مادّی بدن ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر ان سب میں مالیات کی بھی ضرورت ہے۔ نماز میں سترِ عورت کے لیے کپڑے کی، جماعت کے لیے مسجد کی، وضو کے لیے پانی کی، نظافت کے لیے مسواک کی اور یہ سب سامان مادّی ہی ہیں جنھیں روحانیت کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ روزہ میں سحری و افطار کے لیے طعام کی، حج کے لیے دولت کی اور سواری کی، زکوٰۃ کے لیے مال اور عطاء نوال کی صدقات کے لیے غریبوں کو ڈھونڈھنے کی وغیرہ وغیرہ سب امور مادّیت ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسی ہی نماز کے سلسلے میں مسواک کے بارے میں (جو نماز کے مبادی طہارت میں سے ہے) مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ کے ساتھ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ (منہ کی صفائی) بھی فرمایا ہے جو مادّیت ہی کا شعبہ ہے۔ حج کے سفر میں قرآن نے ضمنی طور پر تجارت کی بھی اجازت دی ہے جسے فضل رب کہا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مادّی منفعت ہے۔ غرض اسلامی عبادات میں رضائے الٰہی کے ساتھ مادّی فوائد اور منافع بھی ملحوظ ہیں۔ پس ان عبادات کے مبادی کپڑا، ستھرائی، پانی، بدنی صفائی کی جگہ، سواری، سڑک، مکان اور دولت کا خرچ وغیرہ وہ مادّی اسباب ہیں جن کا تعلق ہی مادّہ سے ہے اور آثارِ عبادات میں تمدنی برکات و منافع کا وعدہ دیا گیا وہی روحانیت کے ساتھ مادّیات کا امتزاج ہے اس لیے عرفِ شرع میں عباداتِ محضہ میں بھی جس کو شاہ ولی اللہؒ کی زبان میں اقترابات کہا گیا ہے، اسباب و آثارِ مادّی رکھے گئے ہیں جس سے واضح ہے کہ اسلام نے مادّیات منقطع کر دینا نہیں چاہا ہے۔ ساتھ ہی اس نے تنظیم ملت کے مقصد کو بھی دنیوی کہا ہے جس کا دوسرا نام سیاست ہے یعنی گھریلو زندگی سے لے کر شہری زندگی تک اور شہری زندگی سے لے کر حکومت و سیاست تک تنظیم ملک وملت کے یہ سارے شعبے اسلام نے روحانیت میں ڈبو کر پیش کیے ہیں۔ اس لیے قرآن میں ہر سیاسی آرڈر کے ساتھ کہیں تقویٰ کہیں طلبِ جنت خطرۂ جہنم کو ساتھ ساتھ پیش کیا ہے تا کہ دنیا دین بن جائے۔ غرض دنیوی اُمور میں روحانیت ملا کر اور روحانی امور میں مادّیت کی آمیزش کر کے مجموعہ کو دین کہا ہے جس سے اسلام کی عبادت ہوں یا معاشرت مادّی و روحانی قدروں کا مجموعہ نکلتی ہیں اور اسلام مادّیت و روحانیت کا مجموعہ ثابت

ہوتا ہے۔

والسلام

محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند

مکتوب نمبر ۱۶ - نیک عمل کا داعیہ فطرت کی سلامتی ہے اور اس سے ہٹ جانا ماحول کی خرابی ہے

حیدر آباد کے ایک صاحب ...... نے حضرت مہتمم صاحبؒ کو اپنے حالات کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا کہ جب کبھی میں نیک باتیں سنتا یا پڑھتا ہوں تو گناہوں سے دور رہنے اور نیک عمل کرنے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن یہ کیفیت دیر پا نہیں ہوتی۔ طبیعت پھر گناہوں کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا آپ مجھے کچھ ایسی باتیں اور کتابیں بتائیں جس کے ذریعہ میں اپنے اس مرض کا علاج کر سکوں۔

محترمی۔ زید مجدکم ......سلام مسنون و نیاز مقرون!

گرامی نامہ کا جواب دیر سے دے رہا ہوں۔ سفروں میں زیادہ رہا۔ معافی کا خواستگار ہوں۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ نیک عمل کرنے کو جی چاہنا فطرت کی سلامتی ہے لیکن اس سے ہٹ جانا ماحول کی خرابی ہے۔ اس سے مرض اور علاج دونوں کا پتہ چل گیا کہ مرض صحبتِ بد یا ماحولِ بد ہے اور اس سے الگ ہونا صحت ہے جس سے پھر اصل فطرت روبکار آ جاتی ہے کہ نیکی کو جی چاہنے لگتا ہے۔

اگر علماء ربانی اور مشائخ حقانی سے رابطہ قائم رہے آمد و رفت رہے تو اس بیماری کا علاج ہو جائے گا۔ اس کی سعی کیجیے کہ اہلِ حق میں اور اہلِ علم سے جس کے دین و دیانت پر اعتماد و اعتقاد ہو، ربط رکھیے۔ اسی کے ساتھ ایسی کتابوں کا مطالعہ کیجیے جس میں اہل اللہ کے حالات، صالحین کے تذکرے اور تذکیرِ آخرت ہو۔ یہ چیزیں قلب کے زنگ دھو دینے میں موثر ہوں گی۔ اسی کے ساتھ کسی مقررہ وقت میں ذکر اللہ کا ورد پابندی سے باندھ لیجیے چاہے کم سے کم ہو مثلاً روزانہ ایک وقتِ خاص میں کلمۂ طیبہ کا ورد ذرا ہلکی سی آواز سے کیجیے اسے کم سے کم چالیس دن تک نباہ دیجیے۔

اور چونکہ گناہ و معصیت گونا گوں ہیں اس لیے آپ ان کی ایک فہرست بنا لیں اور ان

میں سے ایک ایک کو چھوڑنے کا عزم باندھیے مثلاً جھوٹ ہے تو عزم کیجیے کہ اسے پہلے ترک کرنا ہے پھر اگر کبھی سرزد ہو جائے تو اپنے اوپر ایک صدقہ عائد کر لیجیے کہ ہر ترک پر آٹھ آنے مثلاً صدقہ دوں گا۔ چالیس دن میں جب اس کی عادت پڑ جائے تو پھر دوسرے گناہ کو لیجیے اس طرح تدریجاً انشاء اللہ سارے گناہ ترک ہو جائیں گے اور نفس میں پاکیزگی کے آثار نمایاں ہونے شروع ہو جائیں گے اور یہ منافعِ طاعت کی رغبت میں اضافہ کریں گے اور ان کے بالمقابل گناہ کی مضرتیں نمایاں ہو کر گناہ سے نفرت پیدا کر دیں گی۔ دار و مدار قلب کی رغبت و نفرت پر ہے۔ مضار سامنے آنے سے نفرت بڑھتی ہے اور منافع سامنے آنے سے رغبت پیدا ہوتی ہے۔

ان سب کی بنیادی تدبیر یہ ہے کہ کسی ایک عالمِ ربانی سے رابطہ قائم کر لیجیے اور اسے اپنا مصلح قرار دیجیے اور اس کے سامنے حالات رکھتے رہیے اور اس کی بتلائی ہوئی تدابیر پر اس طرح عمل پیرا رہیے جس طرح طبیب کی اطاعت بے چوں و چرا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اور ہم سب کے احوال درست فرمائے۔ امید کہ مزاج عالی بعافیت ہوگا، امید ہے کہ اکتوبر ۱۹۶۷ء کے پہلے ہفتہ میں یہ ناچیز حیدرآباد حاضر ہو تو اللہ کرے ملاقات ہو جائے۔

والسلام علیکم

۲۷-۵-۸۷ھ　　　　محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مکتوب نمبر ۱۷- قرآن مقدس بلاشبہ آسمانی آخری کتاب ہے

جنوبی ہند کے ایک صاحب...... جو اعلیٰ انگریزی تعلیم یافتہ اور دیندار شخص تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں تک ملازمت کا پیشہ بھی اختیار کیا مگر گھریلو حالات کی ناسازگاری کی بنا پر کچھ ہی دنوں کے بعد ملازمت اور گھر دونوں ہی چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ اور قسمت کی بات کہ انھیں پناہ ایک عیسائی مشن میں ملی۔ انھوں نے چند دن اس مشن میں رہنے کے بعد اپنے جن تاثرات اور خیالات کا اظہار کیا ہے ہم اس کا نمونہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں تا کہ موجودہ عیسائیت کی گھناؤنی تعلیم کی ایک مثال سامنے آئے۔ ان صاحب نے اپنے خط میں لکھا کہ ''جا بجا ان کی کتابِ مقدس میں ایسی ایسی باتیں ملتی ہیں جن سے گمان ہوتا ہے کہ ہم کو کوئی کوک شاستر پڑھائی جا رہی ہے۔'' موصوف نے دلیل میں بابِ پیدائش کی چند آیتیں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''اور لوط صفر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا، اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں کیونکہ اسے صفر میں بستے ڈر لگتا تھا۔ وہ اور اس کی بیٹیاں غار میں رہنے لگیں۔تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے زمین پر کوئی مرد نہیں جو دستور کے موافق ہمارے پاس آئے ○ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تا کہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں ○ سو انھوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی۔ اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی۔ پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب ہٹی اور کب اُٹھ گئی ○ اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جا اس سے ہم آغوش ہو تا کہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔سو اس رات بھی انھوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی سو اس نے نہ جانا کہ وہ کب ہٹی اور کب اُٹھ گئی ○ (باب نمبر ۱۹، آیت ۳۵ سے ۳۶ تک)

انھوں نے لکھا کہ یہاں ایک عالم فاضل ہیں جو پہلے مسلمان تھے اور اب عیسائی ہو گئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن آسمانی کتاب نہیں ہے بلکہ محمدؐ کے ذہن کی اُپج اور ان کا فلسفہ ہے۔ محمدؐ پیغمبر نہیں تھے فلسفی تھی۔ قرآن کو انھوں نے تلوار سے پھیلایا ہے۔ اور وہ بائبل سے متاثر تھے اسی لیے بائبل کی تعلیمات قرآن میں ہیں...... ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ ''اگر قرآن کتاب برحق اور اللہ کی طرف سے ہے تو پھر اس کے اندر متضاد باتیں کیوں ہیں؟ ایک طرف تو وہ تمام ادیان کو منسوخ گردانتا ہے اور محمدؐ کو آخری نبی بتاتا ہے اور دوسری طرف مسیح کے آمد ثانی کی پیشین گوئی کرتا ہے۔ اس طرح تو خود قرآن ہی کی زبان سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح آخر الزماں ہیں اور عیسائیت ابدی دین ہے۔'' ان صاحب نے اپنے متعلق لکھتے ہوئے بتایا کہ یہاں آنے اور ان کی تعلیمات کو پڑھنے کے بعد مجھے سخت رنج اور صدمہ ہے اور میں نے یہاں آ کر اتنا بڑا گناہ کیا ہے کہ جس کی معافی شاید ہی مجھے مل سکے۔ میں اگر مصیبتوں سے گھبرا کر خودکشی کر لیتا تو شاید وہ اتنی تکلیف دہ بات نہ ہوتی۔ انھوں نے مزید لکھا کہ...... بائبل کے شروع کے اسباق جن کا میں مطالعہ کیا تھا وہ منتخب تھے لیکن جب مشن کی جانب سے پوری بائبل مجھے دی گئی تو میری آنکھیں کُھل گئیں۔

اب ان حالات میں آپ مجھے بتائیں کہ کیا کرنا چاہیے؟

میں قرآن اور دین سیکھنا چاہتا ہوں۔ قرآن کو بے انتہا پڑھنا چاہتا ہوں اور اس کے جاننے کا خواہش مند ہوں۔ کیا آپ کا ادارہ مجھے اس کا موقع دے گا؟ نیز یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ مجھے کتنی فیس دینی ہوگی؟ ہوسٹل وغیرہ کا کیا دینا ہوگا تاکہ میں اسی اعتبار سے پیسے جمع کرکے آپ کے پاس پہنچ سکوں۔

حضرت مہتمم صاحب نے اس طویل ترین خط کے جواب میں درج ذیل خط تحریر فرمایا۔

(شفیق احمد قاسمی)

عزیز محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خط ملا۔ حالات معلوم ہوئے۔ یہ معلوم کرکے افسوس ہوا کہ آپ نے گھر والوں کی زیادتی کی وجہ سے گھر چھوڑ کر پردیس کی راہ اختیار کرلی ہے اور اس سے زیادہ صدمہ ہوا کہ آپ نے عیسائیوں کے پنجے میں اپنے کو دے دیا۔ البتہ اس سے دلی خوشی ہوئی کہ آپ میں سلامتی ہے، طبیعت پاکیزہ پائی ہے، دین سے شغف ہے اور توریت و زبور کی محرف شدہ تعلیمات سے آپ کی آنکھیں کُھل گئی ہیں اور یہ اندازہ ہوگیا ہے کہ عیسائیت اور یہودیت کس قدر نفرت انگیز تعلیم دیتی ہیں۔

توریت اور زبور بے شک آسمانی کتابیں تھیں مگر ان کے جاننے والوں نے ان کو بدل ڈالا۔ تحریف الفاظ میں بھی کی اور معنی میں بھی۔ قرآن میں صراحت ہے:

﴿وَ قَدۡ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَ هُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت:۷۶)

اور ان میں ایک فرقہ تھا جو کہ سنتا تھا اللہ کا کلام پھر بدل ڈالتے تھے اس کو جان بوجھ کر اور وہ جانتے تھے۔

اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ ان آسمانی کتاب توریت و زبور اور انجیل میں یہود و نصاریٰ نے کس کس طرح ردو بدل کیا۔

لہٰذا آپ نے جو حوالے دیے وہ اسی بدلی ہوئی کتاب کے ہیں جن کو یہود و عیسائی اب بھی مانتے ہیں۔ حضور انور محمد ﷺ اسی وجہ سے تو آخری نبی کی حیثیت سے بھیجے گئے تھے کہ اللہ کا دین نکھر کر انسانوں کے سامنے آئے اور دنیا کو معلوم ہو کہ یہود و نصاریٰ نے آسمانی کتاب کو کیا سے کیا بنا دیا ہے۔ اللہ کی کتاب میں یہ لغویات نہیں ہوا کرتی ہیں جو آپ نے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس نہ اصل آسمانی کتاب ہے نہ اصل مذہب اور دین ہے۔

قرآن مجید بلاشبہ آسمانی کتاب ہے، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، آنحضرت ﷺ کی حیثیت رسول اور پیغمبر کی ہے۔ یہ جھوٹ ہے کہ قرآن تلوار سے پھیلا۔ قرآن کریم میں متعدد جگہ اعلان ہے کہ اگر تم کو یہ شبہ ہے کہ قرآن کریم اللہ کا کلام نہیں تو اس کی آیت جیسی کوئی آیت بنا کر لے آؤ۔

﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۳)

اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اُتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورت قرآن جیسی اور بلا لو اس کو جو تمہارا مددگار ہے اللہ کے سوا اگر تم سچّے ہو۔

سورۂ یونس اور بنی اسرائیل میں اسی طرح کی آیتیں ہیں جن میں چیلنج کیا گیا ہے اور یہ چیلنج پونے چودہ سو سال سے موجود ہے مگر اب تک کوئی اس کے مثل ایک آیت بھی نہ لا سکا۔

سنیچر یعنی سبت کو اسلام یہود و نصاریٰ کی طرح نہیں مانتا۔ قرآن میں جہاں سبت کا تذکرہ آیا ہے وہ یہود کے تذکرہ میں آیا ہے کہ ان کے یہاں سبت محترم دن تھا اور اس کے باوجود انھوں نے اس دن اس طرح اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔

رہا عالم کا کہنا تو اگر وہ سچ مچ عالم دین ہوتے تو عیسائی ہی کیوں ہوتے جبکہ آپ معمولی دین جاننے والے یہود و نصاریٰ کی کتابیں پڑھ کر شرم سے مرے چلے جارہے ہیں، وہ جھوٹ کہتے ہیں کہ عالم فاضل ہوں۔ وہ اسلام بالکل نہیں جانتے۔ اگر وہ سچے ہیں تو ان کو لے کر آپ یہاں آجائیں قلعی کھل جائے گی۔

عیسیٰ علیہ السلام قربِ قیامت میں آئیں گے مگر وہ شریعتِ محمد ﷺ کی پیروی کریں گے۔

اس کی ہماری تمام کتابوں میں صراحت ہے۔ عیسائی دین پر نہیں آئیں گے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد ساری شریعت منسوخ ہو چکی اور قرآن کریم کے بعد کوئی اور آسمانی کتاب پہلی حیثیت سی باقی نہ رہی اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ساری پہلی آسمانی کتابوں کو ان کے ماننے والوں نے بدل ڈالا۔ اصل آسمانی کتاب دنیا میں سوائے قرآن کریم کے کوئی باقی نہیں ہے۔

آپ براہِ کرم یہاں کچھ دنوں کے لیے ضرور آ جائیں پھر سب کچھ انتظام ہو جائے گا۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں، اللہ کرے یہ خط آپ کو مل جائے۔ جواب میں دیر ہوئی، کاغذات میں یہ خط دب گیا تھا اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ ڈاک کا بڑا ہجوم ہوتا ہے۔

والسلام علیکم

۱۳۔۸۔۸۷ھ محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیوبند

مکتوب نمبر ۳۸

نیروبی (مشرقی افریقہ) میں اسلامی خدمات انجام دینے کے لیے وہاں کے مسلمانوں کی طلب پر حضرت مہتمم صاحب نے قاری اخلاق احمد صاحب دیوبندی کے صاحبزادے جناب مولانا قاری اظہار احمد صاحب کا انتخاب فرمایا تھا۔ قاری اظہار احمد صاحب کے نیروبی پہنچنے اور وہاں کچھ خدمات انجام دینے پر ایک خط کے ذریعہ لوگوں نے اظہارِ اطمینان کیا اور حضرت مہتمم صاحب کے حسنِ انتخاب کا شکریہ ادا کیا۔

حضرت نے قاری اظہار احمد صاحب کو درج ذیل خط تحریر فرمایا جس میں ہم سب کے لیے بھی بڑی نصیحت ہے۔ (مرتب)

عزیزم مولوی اظہار احمد صاحب۔ سلّمہٗ اللہ تعالیٰ!

سلام مسنون، دعائے مقرون

آج محترم جناب بشیر احمد صاحب آنریری سکریٹری ایسوسی ایشن کا والا نامہ میرے لیے انتہائی خوشی کا باعث ہوا، جس میں انھوں نے آپ کی صلاحیتوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ پر پورے اطمینان و اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ اللہ کرے کہ یہ اطمینان ان حضرات کا روز افزوں رہے اور اعتماد ترقی کرتا رہے۔

ایک بات کا خاص خیال رکھیں۔ وہاں کے انتظامی معاملات میں مداخلت کبھی نہ کی جائے۔ مشورہ طلب کیا جائے تو دیانت داری سے جو اپنے ضمیر میں آئے رائے پیش کردی جائے اور جو کچھ بھی طے ہو پوری سمع و طاعت اور بے غرضی کے ساتھ اس میں ذمہ داروں کا اتباع کیا جائے۔

بعض دفعہ ذمہ داروں میں اختلاف رونما ہوتے ہیں، ان میں کبھی بھی کسی خاص پارٹی کا پارٹ نہ لیا جائے، اور نرمی و ملاطفت سے ایسی صورتیں سامنے آنے پر صرف یہ کہہ دیا جائے کہ میں آپ حضرات کا آوردہ ہوں، سب کا احترام میرے ذمہ ضروری ہے اور جو بھی ذمہ دار ہو اس کی اطاعت نظم کی حد تک میرے فرائض میں سے ہے، میرا اپنا کام مسلمانوں کی اصلاح اور خدمت ہے۔ اس میں اپنے امکان بھر مجھ سے قصور نہ ہوگا۔

ساتھ ہی شہر میں کبھی بھی کوئی اپنی پارٹی یا کسی خاص طبقہ سے ایسا خلا ملا نہ رکھا جائے جس سے پارٹی یا گروہ بندی کی صورت بھی پیدا ہو۔ شہر پر جو کچھ اثرات قائم ہوں انھیں منجانب اللہ سمجھا جائے۔ اپنی کسی قابلیت کا ثمرہ ہرگز تصوّر نہ کیا جائے اور ان اثرات سے ذات کے لیے کبھی فائدہ نہ اُٹھایا جائے جس سے وہ طبقہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے کہ آپ کوئی ذاتی مفاد نہیں رکھتے بلکہ سارے مسلمانوں کے ہیں اور سب کے ساتھ آپ کا یکساں سلوک ہے۔

اگر کسی وقت خدانخواستہ رسہ کشی لوگوں میں ہو تو اس سے کلیتًا یکسو رہا جائے اور معاملہ احترام کا سب کے ساتھ یکساں رکھا جائے۔

اپنے جماؤ کی فکر خود کسی پارٹی یا جماعت کے سہارے نہ کی جائے۔ جماؤ وہی مستحکم ہوتا ہے جو حق تعالٰی کی طرف سے ہو۔ ایک عالم کا فرض ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو اپنا دستور العمل بنائے رکھے کہ

نِعْمَ الْعَالِمُ الْفَقِیْهُ اِنْ اُحْتِیْجَ اِلَیْهِ نَفَعَ وَ اِنْ اُسْتُغْنِیَ عَنْهُ اَغْنٰی نَفْسَهٗ

بہترین دین کا سمجھ دار عالم وہی ہے کہ جب اس کی طرف رجوع کیا جائے اور حاجات لائی جائیں تو نفع پہنچائے اور جب اس سے استغناء برتا جانے لگے تو وہ خود غنی بن جائے اور اپنے جماؤ کی خاطر لوگوں کے پیچھے نہ پڑے، ورنہ اس کا وقار باقی نہ رہے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ وقار غنا میں ہے، محتاجگی میں نہیں ہے۔ علم کا سب سے بڑا جوہر غنا ہونا

چاہیے۔ احتیاج انجام کار ذلت کا سبب بنتی ہے۔ آز بگذار و بادشاہی کن۔ تم ماشاء اللہ خود عالم سمجھ دار ہو اور ان سب باتوں سے واقف ہو۔ میرے لکھنے کی حاجت نہ تھی۔ لیکن تذکیر بہرحال اسلامی اور قرآنی اصول ہے اور ﴿وَ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (سورۂ ذاریات، آیت: ۵۵) قرآنی ہدایت ہے، اس لیے حصولاً للاجر اور عملاً بحدیث اَلدِّیْنُ النُّصْحُ لِکُلِّ مُسْلِمٍ یہ چند باتیں عرض کر دینی مناسب سمجھیں اور اس لیے بھی کہ نام تو بہرحال عمر کی بڑائی کا ہے۔ تو اپنے تجربات سے فائدہ اپنے سے چھوٹی عمر کے احباب کو پہنچانا خواہ وہ علم میں کتنے ہی بڑے ہوں، حق ہے اور اس کا استعمال بھی حق ہے۔

اُمید ہے آپ بہ ہمہ وجوہ خیریت سے ہوں گے۔ سب حضرات، پرسانِ حال کی خدمت میں سلام مسنون فرما دیں۔ یہاں الحمد للہ خیریت ہے۔

۲۱ فروری ۱۹۷۱ء کو اعظم سلّمہٗ کی شادی بمبئی میں طے پائی ہے۔ ۱۸ کو ہم لوگ انشاء اللہ روانہ ہو کر ۲۴ کو دیوبند واپس ہوں گے۔ اس کے لیے دعا کی درخواست ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو راحت، عافیت، عزّت اور آبرو کے ساتھ رکھے۔

مکتوب نمبر ۴۱

کثرتِ ذکر اصلاحِ قلب کا بہترین نسخہ

ایک طالبِ اصلاح مسلمان نے حضرت مہتمم صاحبؒ کے خط میں اپنے بعض امراضِ باطنی کا ذکر کیا اور ان کے لیے علاج و ازالہ کی تدبیر دریافت کی۔ خط کا لب و لہجہ ایسا تھا جیسے راستہ بھٹکا ہوا مسافر جو راستہ کے پیچ و خم اور شدائد و مصائب سے گھبرا کر مایوس اور غمگین ہو جاتا ہے۔

حضرتؒ کا درج ذیل مکتوب بیمار دلوں کو شفا اور گم گشتۂ راہ کو منزل کا پتہ دیتا ہے۔ (مرتب)

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

آپ کا مفصل گرامی نامہ ملا۔ میں سفروں میں رہا، اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی۔ آپ نے اپنے کچے مگر سچے حالات تحریر فرمائے اور اپنی اصلاح سے مایوسی ظاہر فرمائی ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام میں مایوسی کفر ہے۔ مایوس ہرگز نہ ہوجائیے، کوئی مرض ایسا نہیں جس کا علاج اللہ تعالیٰ نے نہ رکھا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے مرض پیدا کیے تو علاج بھی پیدا کیے ہیں تا کہ بندوں کی عزیمتِ عمل اور اندرونی جوہر، ہمت، قویٰ، عزیمت اور مدافعت وغیرہ کا ظہور ہو۔ اگر آپ کے خیال کے مطابق امراض پیدا ہی نہ کیے جاتے، باطنی امراض میں کفر وفسق کا نام ونشان ہی نہ ہوتا۔ اور امراضِ باطن کے اسباب، شیاطین اور کفار و فساق کا ماحول پیدا ہی نہ کیا جاتا تو علاج اور اس کے اسباب یعنی اچھے اعمال، اچھے اشخاص کے پیدا کرنے کی بھی ضرورت نہ ہوتی۔ اور جب نہ اچھے ہوتے اور نہ برے، اچھائی ہوتی اور نہ برائی تو دنیا آخر کس چیز کا نام ہوتا، جسے پیدا کیا جاتا، بالفاظِ دیگر دنیا ہی نہ پیدا کی جاتی۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ دنیا کا پیدا کیا جانا قرینِ حکمت تھا، تو خوبی کے ساتھ خرابی، نیکی کے ساتھ بدی، تقویٰ کے ساتھ فجور، اسلام کے ساتھ کفر کا پیدا کیا جانا بھی ضروری اور عین حکمت تھا، تا کہ کفر کے مقابلہ سے اسلام کی قوت، فسق کے مقابلہ سے تقویٰ کی طاقت، بدی کے مقابلہ سے نیکی کی رفعت، کذب کے مقابلہ سے صدق کی عزّت وفخامت نمایاں ہو۔

آپ کے تخیل کے مطابق کہ اس شیطان کو کیوں میرے پیچھے لگا دیا، شیطان پیدا نہ ہونا چاہیے تھا تا کہ آپ کو نہ ورغلاتا، لیکن پھر آپ ہی کے پیدا ہونے کی کیا ضرورت تھی، نیز آپ میں مدافعتِ شر کی قوتیں رکھنے کی کیا ضرورت تھی اور نیکی بدی میں امتیاز کی قوت یعنی عقل پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی، اور قوتِ ارادی پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ آپ حق کو باطل سے ممتاز دیکھ کر حق کی طرف اپنے ارادے سے دوڑیں، اور یہ سب غیر ضروری تھا تو وہ انسان کہاں رہتا، جس میں نہ قوتِ ارادی ہوتی نہ طاقتِ مدافعت ہوتی، تو انسان کیا ہوتا، اینٹ پتھر کا ایک تودہ ہوتا اور جب ساری کائنات انسان کیلئے بنائی گئی اور انسان کا یہ عالم کہ وہ ایک تودۂ خاک، تو کائنات ہی بے معنی ہو جاتی ہے، کیونکہ اسے علم وعقل سے استعمال کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ لہٰذا آپ کی رائے کے مطابق اور وہ بھی آپ کی کم ہمتی کی وجہ سے اس دنیا کو ناپید رہنا چاہیے تھا، اور اب بھی اگر وہ ہے تو اسے صرف ایک تودۂ خاک ہونا چاہیے یہ سوائے تخیلاتِ فاسدہ کے اور کیا ہے؟

آپ نے جو کچھ نیکی یا بدی کی، ارادہ و اختیار سے کی، اللہ تعالیٰ نے مجبور کر کے نہیں کرائی۔ کب ایسا موقع آیا کہ آپ اینٹ، پتھر کی طرح مسلوب الاختیار ہو گئے ہوں کہ آپ چاہتے ہوں نیکی کرنا مگر زبردستی آپ کا اختیار چھین کر آپ سے بدی کرا دی گئی؟ اس لیے اپنے کیے دھرے کو تقدیر کے سر ڈال کر بریٔ الذمہ ہونے کی کوشش نہ کیجیے کہ یہ انتہائی جسارت اور گستاخی ہے۔ ایک تو آدمی بدی کرے اور اوپر سے بریٔ الذمہ بن کر بدی کو اپنے مالک کے سر تھوپنے کی کوشش کرے۔

اپنی زندگی کا نصب العین متعین کیجیے

ان سارے فاسد تخیلات کا ایک ہی علاج ہے۔ سب سے پہلے اپنی زندگی کا ایک نصب العین متعین کیجیے کہ آیا وہ دنیا ہے یا آخرت۔ اگر دنیا ہے تو اس کے کمانے کی فکر میں لگ جایئے، اور حلال و حرام کا کوئی سوال نہیں۔ جو جی میں آئے یا نام نہاد عقل میں آئے کرتے رہیے۔ بجز اس کے کہ جسے دنیا بُرا سمجھے دنیا کی خاطر اسے ترک کیجیے، جسے اچھا سمجھے اُسے اختیار کرتے رہیے۔ عاقبت کی فکر کو ترک کر دیجیے۔ اور اگر آخرت ہے تو اُسے کمانے کی فکر کیجیے۔ تو پھر اُخروی قانون سے مدد لیجیے کہ اُس کی رو سے کون سی چیز حلال ہے کون سی حرام اور دونوں دائروں میں خواہ دنیا ہو یا آخرت بہرحال اپنا ارادہ صَرف کرنا ہوگا اور اختیار سے کام کرنا ہوگا۔ تقدیر کو عذر بنانا کسی دائرے میں بھی جائز نہ ہوگا ورنہ اگر تقدیر پر حوالہ کر کے بریٔ الذمہ ہونا ہے تو آج سے ملازمت، تجارت، زراعت، سب ترک کر دیجیے کہ جو مقدر ہوگا، آپ ہی مل رہے گا، لیکن اس دائرہ میں اسبابِ رزق کا اختیار کرنا آپ کے نزدیک ضروری ہے تو آخرت کے دائرہ میں اسبابِ رزقِ آخرت کا اختیار کرنا کیوں غیر ضروری ہے؟ اس لیے زندگی کا ایک نصب العین متعین کر کے اپنی قوتِ ارادی اور قوتِ مدافعت کا جائزہ لیجیے کہ وہ کس حد تک اس نصب العین کے اجزاء کو حاصل کرنے اور اس کی منافی اشیاء کو دفع کرنے میں کام کرتی ہے۔

اُخروی نصب العین کے لیے دستور العمل شریعت ہے، جس کے پانچ ارکان ہیں: عبادات، اخلاق، اعتقادات، معاملات، عقوبات اور سب اختیاری ہیں۔ ان سب کو بنام خدا

شروع کیجیے۔ فرائض کی پابندی، اخلاق کی تکمیل کے لیے کسی متخلّق بہ اخلاقِ اللہ کی طرف رجوع، عقیدہ کی اصلاح اور تخیلاتِ فاسدہ سے گریز، معاملات میں فقہ کی پابندی، خود علم نہ ہو تو پوچھ پوچھ کر عمل۔ عقوبات کے سلسلہ میں مادّی سزائیں، مادّی قوت نہ ہونے کی وجہ سے آج نہیں دی جاسکتی ہیں تو اسے بھی اللہ کی رحمت کہنا چاہیے اور اس کے قائم مقام استغفار کو رکھا جائے، جس کے معنی ماضی پر ندامت، مستقبل کے لیے عزیمت کہ کچھ بھی ہو آئندہ یہ معصیت ہرگز نہیں کرنی، پھر بھی اتفاقاً شہوات سے مغلوب ہوکر ہو جائے تو پھر توبہ اور اپنے اوپر مالی جرمانہ جو صدقات کی صورت سے ہو، کیا جائے۔ ماحول کو حتی الامکان بدلا جائے۔ اگر وہ معصیت کا ماحول ہے اور دل کی کمزوری سے اس کے اثرات سے بچاؤ زیادہ دشوار ہو تو ماحول کی تبدیلی کی پوری سعی کی جائے۔ جب اللہ کے لیے آدمی اپنے منافع تک ترک کرنے پر آمادہ ہو جائے تو کیسے ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اسے اَدھر میں چھوڑ دیں۔ اُدھر سے بلاشبہ دستگیری ہوگی۔ ان سب عملی ونظری مفاسد سے بچنے کا ایک بڑا ذریعہ ذکر اللہ کی کثرت ہے۔ زبان کو ذکر سے تر رکھا جائے، صبح وشام ذکر کا کوئی معمول کرلیا جائے مثلاً صبح وشام سو (۱۰۰) سو (۱۰۰) مرتبہ ’حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ‘ اور کلمہ ’لا الہ الا اللہ‘ کا ذکر کیا جائے یعنی ایک تسبیح حسبنا کی اور ایک تسبیح کلمۂ توحید کی صبح اور ایک شام کو۔ اس کے خلاف خیالاتِ فاسدہ آویں تو لاحول پڑھی جائے۔ جب نصب العین آخرت قرار دے لیا گیا تو منافئ آخرت خیالات کو سوائے لاحول سے دفع کرنے کے اور کیا ہوسکتا ہے۔ یہ کثرتِ ذکر خود ہی قلب کو پاک کرے گی۔ قلب کی سختی کو مٹا کر رِقت پیدا کرے گی۔ اس لیے ہر طرف سے ہٹ کر اس دستور العمل کو اختیار کر لیجیے اور بُرے خیالات پر لاحول بھیجئے۔ اس کے سوا دوسری راہ اصلاح کی نہیں۔ ساتھ ہی کسی کو اپنا رفیقِ عمل بنا لیجیے جو نیک مشورہ دے اور کسی ایک کو مرجعِ افکار بنائیے کہ وہ وساوس اور ضغطوں کے وقت سنبھالتا رہے۔ حاصل یہ ہے کہ بیماری ہے تو طبیب معین کیجیے اور اس کے سامنے حالات کی اطلاع، تدابیر کا اتباع، اس پر اعتماد اور اس سے اعتقاد کو قائم کرکے ان چاروں باتوں کو مشعلِ راہ بنائیے۔ بھروسہ اللہ کے فضل پر کیجیے مگر فضل کی علامت نیک عمل کو سمجھئے۔ اگر وہ نہیں ہے تو سمجھئے کہ فضل متوجہ نہیں ہے۔

اس وقت اس سے زیادہ کسی اور بات کی حاجت نہیں، اس لیے سر دست اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت، استقامت، ہمت اور عزیمت عطا فرمائے، اور حسنِ انجام نصیب فرمائے، آمین!

والسلام

۹۔۱۱۔۷۷ھ محمد طیب، غفرلہ، مہتمم دارالعلوم دیوبند

مکتوب نمبر ۶۵ - دارالعلوم دیوبند صرف ایک مدرسہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے

حضرت حکیم الاسلامؒ کا درج ذیل مکتوب جو رکنِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا منظور صاحب نعمانیؒ کے ایک خط کے جواب میں ہے، درد اور کرب سے بھرپور ہونے کے ساتھ دارالعلوم سے والہانہ تعلق، اُنس اور لگاؤ کی واضح مثال ہے۔ (مرتب)

۲۔ محترم المقام مولانا محمد منظور احمد صاحب نعمانی - زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ مورخہ ۲۸ راپریل ۱۹۸۳ء باعثِ شرف اور موجبِ تسلی ہوا۔ یہ میرے لیے روح کی غذا اور صحت مندی کی علامت ہے۔ آج کا دَور کرب کا دَور ہے۔ اخلاقی انتشار عالمی پیمانہ پر بڑھ رہا ہے۔ ننانوے فیصد غلط فہمیاں چھائی ہوئی ہیں اور ایک فیصد حقیقت پر حاوی ہیں۔ دارالعلوم دیوبند صرف ایک مدرسہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ آج کے لادینی دَور میں دین کے ہر شعبے میں اُمت کی راہ نمائی اور عوام اُمت کی خدمت اس کا نصب العین رہا ہے، آج اس کا کیا حال ہے؟ اور ہم اللہ کے سامنے مسئول ہیں۔ یہ ہے وہ سوز جس سے میرا جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے، میں دہلی میں پنت اسپتال رہا، اب دیوبند میں ہوں۔ میرا کھانا پینا صرف دوا ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ کوئی مرض نہیں اور حال یہ ہے کہ دوسروں کے ہاتھوں میں ہوں۔ نہ اپنی ذات کا غم ہے نہ اپنے عزیزوں کا بلکہ دارالعلوم کا ہے۔ جماعت جو ۱۱۶ ربرس تک اوروں کے لیے ہدایت، تقویٰ اور توحید کی علامت تھی بکھر کر رہ گئی۔ یہی بیماری ہے۔ ویسے یہ عمر کا تقاضہ ہے۔ اس عالم بے چارگی میں آپ کا مکتوب گرامی ملا جسے میں اپنے لیے اور دارالعلوم کے لیے

روحانی صحت مندی کی علامت سمجھتا ہوں۔ آں محترم نے معافی کے الفاظ لکھے ہیں۔

آں محترم سے زیادہ کون جانتا ہے کہ میں نے اپنے چھوٹوں کو بھی خطاوار نہیں سمجھا کہ ان کی زبان پر معافی کی بات آئے۔ معاملہ ہم میں سے کسی کی ذات کا نہیں نہ معافی کا بلکہ ہمارے اسلاف کی یادگار دارالعلوم کا ہے۔ ہم سب اپنے خطاؤں کی معافی اللہ تعالیٰ سے مانگیں اور کچھ مانگیں تو دعا مانگیں۔ ہم سب کو توفیق نصیب ہو اور آخرت کی جواب دہی سے نجات ملے۔

من و تو ہر دو خواجہ تا شانیم
بندۂ بارگاہِ سلطانیم

اس دن سے جس نے دار العلوم اور جماعت دار العلوم کو یہ دِن دِکھائے میں نے تین الفاظ اختیار کر لیے ہیں: السکوت والصبر والغنی۔ انہی تینوں پر اب بھی قائم ہوں۔ زندگی کی آخری دعا یہ ہے کہ دارالعلوم کا پہلا رنگ جس میں روحانیت تھی، خلوص تھا اور سب ایک تھے اور فیصلے ایک رائے سے ہوتے تھے پھر بحال ہو جائے۔ آں محترم سے دعا کی درخواست ہے۔

وَ الْاَمْرُ بِیَدِ اللّٰہِ الْکَرِیْمِ!

والسلام
۷۔۵۔۸۳ء　　　　محمد طیب غفرلہ

شاہ وصی اللہ الہ آبادیؒ

جنھوں نے مجھ سے بیعت کی ہے ان کو خصوصاً وصیت کرتا ہوں کہ ان مشائخ کرام کے طریق کو لازم پکڑیں اور اتباعِ سنت نیز دیگر اعمال میں ان حضرات کی سیرت کو پیش نظر رکھیں اور جملہ صالحین کے حالات و ملفوظات کو عموماً اور ان سلاسلِ اربعہ کے مشائخ کے ملفوظات و حالات کو خصوصاً نقلِ مجلس بنائیں تاکہ صحیح علم ہوتا رہے اور ان سب حضرات کی جانب سے ہماری طرف سلسلہ فیض جاری رہے۔ (تذکرہ مصلح الامت، ص:۵۲)

اما بعد! تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ آج کل جتنی لڑائیاں ہیں سب اقتدار اور مناصب کی تحصیل کی ہیں اور اس کے لیے اہل و نااہل کی بھی تمیز باقی نہیں رہ گئی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کس قدر برا ہے ویسے بھی اقتدار و مناصب کی تحصیل قابلِ مذمت

امر ہے، خاص کر اس وقت کہ اس میں اہلیت اور نااہلیت کا سوال بھی باقی نہ رہ جائے۔ اس لیے اپنے تمام متعلقین سے نصیحت کے طور پر کہتا ہوں کہ اس میں کبھی نہ پڑیں اس کو دین و دنیا کے لیے سخت مضر سمجھیں اور اس باب میں کسی سے نزاع نہ کریں، دینی جگہوں میں اس قسم کے تذکرے بھی نہ ہونے چاہئیں کہ سد باب فتنہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں انسان کو بخشی ہیں ان میں سب سے بڑی چیز عقل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی تحصیل کا یہی آلہ ہے، اسی سے دین و دنیا کی مصالح کا انضباط ہوتا ہے اور اسی سے آدمی انجام کار پر نظر رکھتا ہے اور غامض چیزوں کا ادراک اسی سے کیا جاتا ہے۔
(تذکرہ مصلح الامت، صفحہ: ۱۱۸)

جو شخص گناہ کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے چھوڑ دے وہ تائب ہے اور جو حیائے ربانی کی وجہ سے چھوڑ دے وہ منیب ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے جلال و عظمت کی وجہ سے معصیت چھوڑے وہ اوّاہ ہے۔ (اقوالِ سلف، ج: ۵، صفحہ: ۲۷)

عالم کے لیے ضروری ہے کہ جہاں حق تعالیٰ سے فہم و بصیرت طلب کرے وہیں اپنے اندر صفائی قلب و باطن بھی پیدا کرنے کا اہتمام رکھے۔ (اقوالِ سلف، ج: ۵، ص: ۷۷)

حضرت شاہ وصی اللہؒ کا فرمودہ زرّین اصولِ خوشحالی

۱۔ آمدنی اگرچہ قلیل ہو مگر اس سے کچھ پس انداز کرنا چاہیے۔ جو شخص آمدنی سے زیادہ خرچ کرتا ہے وہ احمق ہے۔

۲۔ ضرورت کی اشیاء نقد لو۔ کسی کے مقروض نہ رہو۔

۳۔ آئندہ آمدنی کی توقع پر سب مال خرچ نہ کر ڈالو، اس لیے کہ جو چیز حاصل نہیں ہے اس پر کیا بھروسہ، ملے نہ ملے۔ جو شخص آئندہ کی اُمید پر خرچ کرے گا وہ قرض اور فقر میں مبتلا ہو جائے گا۔

۴۔ اپنے کو مال کے تلف و ہلاک کرنے سے بچاؤ اس لیے کہ نہ تو تم کو ہی نفع پہنچے گا اور نہ کسی اور ہی کو۔

۵۔ اپنے اعمال کی خود نگرانی کرو اور اگر عمل خود کر سکتے ہو تو خود کرو اس لیے کہ نقل ہے "لَا

یَھْتَمُّ فِی الْعَمَلِ اِلَّا صَاحِبُہٗ وَ لَا یُرَاقِبُ الشَّیْءَ اِلَّا عَیْنُ صَاحِبِہٖ" جس کا کام ہوتا ہے وہی اس کا اہتمام بخوبی کرسکتا ہے اور کسی شے کی حفاظت ونگرانی اس کے مالک ہی کی آنکھ کرسکتی ہے۔

۶۔ اگر کسی چیز کی ضرورت نہ ہو تو اس کو نہ خریدو اگرچہ وہ سستی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ جب تم کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو مفت بھی ملے تو گراں ہے۔

۷۔ اپنے مستقبل پر نظر رکھو اور ایسا حساب رکھو کہ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو مالی پریشانی نہ ہو۔ اگر ان اصول پر عمل کیا جائے تو آج ہماری گھریلو زندگی سنور جائے اور اطمینان و سکون میسر ہو جائے۔ (تذکرہ مصلح الامت، ص: ۱۹۵)

طلبہ کو خاص ہدایات

۸۔ طلبہ علومِ شرعیہ تصحیح نیت کے ساتھ حاصل کریں تا کہ نورِ بصیرت فہم شریعت سے حاصل ہو۔ تصحیح نیت یہ ہے کہ اس تحصیل علم سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا پیش نظر ہو، مال و جاہ مطلوب نہ ہو۔

۹۔ علم کو عمل کے لیے اور عمل کو علم کے لیے معین اور توأم (جڑواں) سمجھنا چاہیے۔ مگر افسوس کہ لوگ اس کی وجہ سے اور بھی زیادہ غفلت اختیار کرتے چلے جارہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج علم کو عمل کے لیے معین ہی نہیں سمجھا جاتا بلکہ علم ہی سبب ہوجاتا ہے غفلت کا۔ (علماء وطلباء دونوں اس کا خیال رکھیں۔ قال اللہ و قال الرسول والے ہی اگر اللہ و رسول سے غافل ہوگئے تو پھر الامان الحفیظ)

۱۰۔ طلبہ اپنے اوقات کو تحصیلِ علم اور اپنی استعداد کی تکمیل میں سعی، فرائض کی پابندی، اپنے اخلاق کی اصلاح اور اس کی نگہداشت رکھیں۔

۱۱۔ علماء و مدرّسین بھی تحصیل ازدیادِ علم جو سبب ہے علم وعمل کی ترقی کا خیال رکھیں۔ اخلاق کی تکمیل کا خیال رکھیں۔ محض طلبہ کو ورق گردانی کرادینا اور تختۂ مشق بنائے رکھنا یہ سراسر اس منصب کے خلاف ہے۔ ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ، وَ اِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ (سورۂ انشراح، آیت: ۷)۔ ذکر و فکر کا اہتمام بھی رکھیں۔ وقت بیکار ضائع نہ کریں۔

فرصت کے اوقات میں دینی کتب کا مطالعہ رکھیں۔ اگر کسی شیخ سے منسلک ہوں تو مطالعہ کی کتب شیخ سے تجویز کرائیں۔

۱۲۔ اپنے نفسوں کی اصلاح کرتے جاؤ ورنہ جب نفس سے مقابلہ ہوگا تو سب علم دھرا رہ جائے گا۔

۱۳۔ طلبہ و علماء قرآن کریم کی تلاوت پابندی سے کریں۔ ذکر اللہ کی عادت ڈالیں تا کہ یادداشت والی نسبت مع اللہ حاصل ہو جائے۔ (ماخوذ از اقوالِ سلف، ج:۵،ص:۸۰)

۱۴۔ میں نے کبھی اپنے آپ کو غریب نہیں سمجھا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق ہے اور تمام چیزوں کے خزانے اسی کے پاس ہیں۔ ہر چیز کا واحد مالک وہی ہے۔ جب اس سے ہمارا تعلق ہے تو ہم اپنے آپ کو کیوں غریب سمجھیں۔ (اقوالِ سلف، ج:۶،ص:۳۶۰)

۱۵۔ مرشدی و استاذی نمونۂ صحابہ مولانا قاری صدیق احمد باندوی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شاہ وصی اللہ نے "اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ عَنْ غَیْرِكَ وَ نَوِّرْ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ" اے اللہ! ہمارے قلب کو اپنے غیر سے پاک فرما دے اور ہمارے قلب کو اپنی معرفت کے نور سے منور فرما دیجیے۔ (اقوالِ سلف، ج:۶،ص:۴۳۵)

طلبہ و متعلّمین کے آداب

طالب علم کو چاہیے کہ پڑھنے سے نیت عمل اور رضائے الٰہی کی کرے۔ اپنی تمام حاجات میں اللہ تعالیٰ کو کارساز بنائے۔ کسی بڑے درجے تک پہنچنے سے پہلے ہی علم حاصل کرلے۔ اپنے اساتذہ کے ساتھ تواضع کا معاملہ کرے۔ اپنی صحت و فراغت کی قدر کرے۔ اپنے اساتذۂ کرام کا ادب و احترام کرے۔ آلاتِ علم کا بھی احترام کرے۔ جب اس سے استاذ کی کوئی بے ادبی ہو جائے تو فوراً معافی مانگ لے۔ استاذ کی دارو گیر سے ملولِ خاطر نہ ہو۔ اپنے ابتدائی اساتذہ کا بھی ادب کرے۔ علم دین میں مشغولیت کو بڑی نعمت سمجھے۔ ملکی سیاست اور فضول بحث و مباحثہ میں وقت ضائع نہ کرے۔ اہلِ اہتمام سے منازعت نہ کرے۔ 'یک در گیر محکم گیر' پر عمل کرے۔ شعارِ صالحین اختیار کرے اور تلذذ سے پرہیز کرے۔ اپنی صحت و قوت کا خیال رکھے۔ معاصی سے پرہیز کرے۔ اَمرد اور عورتوں کی مصاحبت سے پرہیز کرے۔ دنیا داروں کی مصاحبت سے احتراز کرے۔ تحصیل علم میں حیا و تکبر نہ کرے۔ جو کچھ اس کو علم حاصل ہو جائے تو ناز و عجب نہ

کرے۔ زمانۂ طالب علمی میں خوشخط لکھنے اور تقریر کرنے کی مشق کرے۔ زمانۂ طالب علمی ہی سے عمل کرے۔ تقویٰ اختیار کرے۔ مخلوق سے سوال نہ کرے۔ کسی شیخ سے تعلق بھی رکھے۔ علمائے متقدمین کے حالات کا مطالعہ کرتا رہے۔ اپنے اساتذہ کے لیے دعائے خیر کرتا رہے۔

علماء اور معلّمین کا وظیفہ

عالم کا وظیفہ ہے کہ اپنے علم و عمل میں اخلاص اختیار کرے۔ اپنے قول پر عمل کرے۔ خدمتِ دین کو اپنی دنیوی حاجات پر مقدم رکھے۔ اخلاص سے کام شروع کرے، کوئی مانے یا نہ مانے۔ تواضع اختیار کرے۔ اپنے علم پر ناز و طغیان نہ کرے۔ اپنے قلب کو مثل آئینہ کے صاف و شفاف رکھے۔ روزانہ کسی قدر ذکر اللہ کا معمول رکھے۔ کسی شیخ کامل سے اصلاحی تعلق ضرور پیدا کرے۔ قال کے ساتھ حال بھی پیدا کرے۔ جاہ و شہرت کا طالب نہ ہو۔ امراء کی مصاحبت سے اجتناب کرے۔ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی خشیت پیدا کرے۔ فتویٰ دینے میں جلدی نہ کرے۔ وعظ و تقریر سے مقصد اللہ کے بندوں کو راہِ حق دِکھلانا ہو۔ خود علم کا ادب کرے۔ طلبہ کو سمجھانے کیلئے خود بھی محنت کرے۔ طلبہ کی صلاحیت معلوم کر کے ان کو پڑھنے میں لگائے۔ علم کو اس کے اہل کے سپرد کرے۔ جو طالب علم عمل نہ کرے اس کو نہ پڑھائے۔ مدارسِ دینیہ کو فساد سے بچائے۔ جو عالم دعوت و مشیخت پر فائز ہو اس کا وظیفہ ہے کہ طریقۂ سنت اختیار کرے۔ عالم کا وظیفہ ہے کہ جب کسی منصبِ عالی تک پہنچے تو اپنے ماتحتوں کا لحاظ رکھے اور خود بھی اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہے۔

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہؒ کی وصیت

اب اخیر میں خاص خیر و برکت کے لیے 'وصیۃ السالکین' سے حضرت مصلح الامتؒ کی وصیتوں کا خلاصہ لکھتا ہوں۔

۱۔ فرائض کی ادائیگی کا خاص اہتمام کرے، خواہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد۔

۲۔ اسی اہتمام میں یہ بھی داخل ہے کہ ان دونوں کے فوت شدہ حقوق کی قضا کرے یعنی بلوغ کے بعد سے لے کر اب تک جو نمازیں (فرض و واجب) قضا ہو گئی ہیں، اسی طرح سے جو روزے رہ گئے ہیں (اسی طرح زکوٰۃ بھی) ان کو ادا کرے۔ حقوق العباد (خواہ

عِرضی ہو یا مالی) ان کو ادا کرے۔ اس لیے کہ حقوق العباد کی ادائیگی کی شریعت میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔

۳۔ سب سے زیادہ مفید اور بابرکت وظیفہ تلاوتِ قرآن پاک ہے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ تلاوت محض زبانی و سرسری نہ ہو، بلکہ قلب کی شرکت کے ساتھ ہو، یعنی غفلت کے ساتھ نہ ہو۔ تلاوت کے وقت یہ امر مستحضر ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔

۴۔ اسی طرح مناجات مقبول کی ایک منزل ضرور پڑھ لیا کرے۔ اس میں بھی یہ استحضار رکھا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبول دعائیں ہیں جن میں آپ نے دینی و دنیوی، ظاہری و باطنی، حالی اور مآلی (آئندہ) تمام چیزوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے اور قبول ہوئی ہے۔

۵۔ نمازِ تہجد، چاشت، اشراق، اوّابین وغیرہ نمازوں کی حتی الوسع پابندی کرے۔ نمازِ تہجد کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے پہلے زمانے کے صالحین کا شعار رہا ہے اس لیے خاص طور سے اس کی پابندی کرے۔

۶۔ قلب سے غفلت کا دور کرنا بھی ضروری ہے، اس کے لیے ذکر اللہ سے بڑھ کر کوئی چیز نافع نہیں ہے، اس لیے اس کا ضرور معمول بنائے۔

۷۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ و ملفوظات اور تصانیف کے مطالعے کا اہتمام کرے، نیز جو میرے رسائل ہیں ان کو بھی مطالعہ میں رکھے۔ ان کے مطالعے سے انشاء اللہ دین وطریق سے مناسبت ہو جائے گی۔

۸۔ سب سے زیادہ ضروری اور اہم اخلاق کی اصلاح ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں حسنِ خُلق کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔ حدیث میں ہے ”انسان اپنے سوئے خُلق کی بناء پر جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں جائے گا حالانکہ وہ دنیا میں عابد تھا“ اسی طرح سے وہ اپنے حسنِ خلق کی بناء پر جنت کے اعلیٰ طبقے میں داخل ہوگا حالانکہ اس کی عبادات کچھ زیادہ نہ ہوں گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حسنِ اخلاق کی شریعت میں خاص اہمیت ہے۔

۹۔ اصلاحِ اخلاق کے لیے ضروری ہے کہ وقتاً فوقتاً اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہے، نیز بذریعہ خط وکتابت اپنے احوال سے برابر مطلع کرتا رہے اور جو علاج شیخ تجویز کرے اس پر عمل کرے۔ بغیر اس کے اصلاح نہایت مشکل ہے۔

۱۰۔ اصلاح میں ابتداء تو اپنے نفس وذات سے کرے جیسا کہ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

اِبْدَأْ بِنَفْسِكَ فَانْهِهَا عَنْ غَيِّهَا
فَاِذَا انْتَهَتْ عَنْهُ فَاَنْتَ حَكِيْمُ

(یعنی اصلاح کی ابتداء اپنے نفس سے کرو، پس اس کو اس کی بے راہ روی سے روکو۔ اس لیے کہ جب تمھارا نفس گمراہی سے رُک جائے گا تو تم حکیم ہوجاؤ گے۔)

اس کے بعد اپنے اہل وعیال کی اصلاح کا خیال رکھے اور اس کی فکر وخبر گیری کرے جیسا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا﴾ (سورۂ تحریم، آیت: ۶) (یعنی اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔) اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ اپنے گھر، خاندان اور متعلقین کی اصلاح کی فکر کرنا ضروری ہے۔ پس اگر ہر شخص اس طرح کام میں لگ جائے تو دین عام ہوکر ایک صالح ماحول بن جائے گا جو ہمارے دینِ حنیف کی حفاظت بلکہ ترقی کا ذریعہ ہوگا۔ (وصیت السالکین، ملخّصاً، ص: ۱۷)

حضور اقدس ﷺ کی نصیحت

تعلیم وتعلّم کے سلسلے میں حضور اقدس ﷺ کی ایک جامع نصیحت نفع عام کے لیے درج کرنے کو اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ "قَالَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ اُغْدُ عَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا اَوْ مُسْتَمِعًا اَوْ مُحِبًّا وَ لَا تَكُنِ الْخَامِسَةَ فَتَهْلُكُ" (جامع الصغیر مع فیض القدیر) یعنی عالم ہوجاؤ یا متعلّم ہوجاؤ یا علم کے سننے والے ہوجاؤ یا علم کو دوست رکھنے والے ہوجاؤ۔ ان چار جماعتوں میں سے جس سے چاہو بنو، پانچویں مت بنو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے۔ اب اخیر میں اس شعر پر کتاب کو ختم کرتا ہوں۔

دادیم ترا از گنج مقصود نشاں
گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان آداب و وظائف و نصائح پر عمل کی توفیق ارزانی فرمائے اور قبول فرمائے، آمین۔

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق خلیفہ حکیم الامت نوّر اللہ مرقدہما

(ولادت: ۱۳۳۹ھ، م ۱۹۲۰ء۔ وفات: ۹ر ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ۔ م ۱۸ر مئی ۲۰۰۵ء)

۱۔ اساتذہ و مدرّسین کا کسی نہ کسی بزرگ شخصیت سے تعلق اور روحانی و اصلاحی رابطہ ضرور ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ ایسے لوگوں سے مدرسے کے اصول و قانون کی خلاف ورزی کا امکان کم ہوتا ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر اس سے خلافِ قانون کوئی امر سرزد ہوا تو اس کے پیر و مرشد سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ بیماری کی دو قسمیں ہیں؛ اصلی اور عارضی۔ جیسے قبض سے دردسر ہو تو اصلی بیماری قبض ہے اور دردِ سر عارضی ہے۔ اسی طرح قلب کی غفلت اور خرابی و سختی اصلی بیماری ہے، پھر اس کی خرابی سے اعمال میں خرابی عارضی بیماری ہے۔ پس اصلی بیماری کا علاج کرنا چاہیے۔ یعنی دل کا علاج اللہ والوں سے کرانا چاہیے۔ پھر دل کی درستی سے اعمال اور اخلاق کی دوستی خود بخود ہونے لگے گی۔

۳۔ تربیت و اصلاح کے لیے صرف صلاح کافی نہیں بلکہ اصلاح کے فن سے واقفیت بھی ضروری ہے، اسی سبب سے ہر صالح مصلح نہیں ہوتا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ سے محبت وخشیت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہلِ محبت وخشیت سے تعلق رکھا جائے۔ ان کی خدمت میں آمد و رفت رکھی جائے اور حق تعالیٰ کے احسانات کو سوچا جائے۔

۵۔ منہ پر تعریف کرنا گناہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی منہ پر تعریف کرے تو اس کے منہ پر دھول ڈال دو۔

مگر دو شرطوں سے جائز ہے؛ ایک یہ کہ ممدوح کے اندر عُجب وغرور پیدا ہونے کا خوف نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کی حوصلہ افزائی مقصود ہو۔ کیونکہ بعض لوگوں کے ازدیادِ ایمان کا سبب بنتا ہے۔جیسا کہ حدیث پاک ہے "اِذَا مُدِحَ الْمُؤْمِنُ فِیْ وَجْهِهٖ رَبَی الْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِهٖ" (عن عثمان بن زید، منتخب کنز العمال بحاشیہ مسند امام احمد، ۸۶/۱)

جب مومن کی اس کے منہ پر تعریف ہوتی ہے تو اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔

۶۔ پردہ شرعی کا اہتمام نہایت ضروری ہے۔خواہ دل کتنا ہی صاف اور نظر کتنی ہی بے لوث ہو اس لیے کہ بجلی کے آتے دیر نہیں لگتی، اچانک آ جاتی ہے۔ یہی حال شہوت کا ہے، اس لیے پردہ کا اہتمام ضروری ہے۔

۷۔ پرانے اہلِ علم اور اہلِ دین بھی جب اپنے نفس کی نگرانی سے ذرا بے فکر ہوئے حبِ جاہ اور حبِ مال میں مبتلا ہو گئے۔ خود سوچیے کہ اگر کسی عالم کو بچپن میں تکبر یا جاہ و مال کی محبت کی بیماری لگ چکی ہے تو عالم ہونے سے یہ بیماری چلی جائے گی۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ علم اور شہرت کے بعد اس بیماری میں اور اضافہ ہوگا تاوقتیکہ کسی اللہ والے روحانی معالج سے اپنے نفس کی اصلاح نہ کرائے۔ اگر کسی ڈاکٹر کے گردے میں پتھری ہے تو کیا ڈاکٹری کی ڈگری سے وہ پتھری نکل جائے گی۔ جب تک کہ کسی ماہر معالج سے علاج نہ کرائے وہ ڈاکٹر ہونے کے باوجود بیمار ہی رہے گا۔

۸۔ ہر عمل کا مدار نیت پر ہے، ایک شخص اختلاط سے بچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو مجھ سے اذیت نہ پہنچے اور دوسرا نیت کرتا ہے کہ لوگوں سے مجھے اذیت نہ پہنچے۔ اوّل نیت پر اجر ہے اور دوسری نیت پر زجر ہے۔ کیونکہ دوسری نیت میں اپنے ساتھ حسنِ ظن اور مخلوقِ الٰہی کے ساتھ بدگمانی ہے اور اوّل نیت میں اپنے ساتھ بدگمانی اور اللہ کی مخلوق پر شفقت ہے۔ (اقوالِ سلف۔ ج:۶، ص:۵۵۶)

۹۔ دوست و ساتھی تین ہیں: مال یہ موت تک ساتھ ہے، دوسرے اہل وعیال یہ قبر تک ساتھ دیتے ہیں، تیسرے صالح اعمال یہ قبر کے اندر اور اس کے بعد تک ساتھ دیتے ہیں۔ لہٰذا عقلمند وہ ہے جو اعمالِ صالحہ کی فکر مال اور اہل وعیال پر غالب رکھتا ہے۔

۱۰۔ جس طرح جسم کی نشوونما اور تربیت کے لیے کتنے انواع واقسام کی غذائیں ہیں، اسی طرح روح کی ترقی وتربیت کیلئے انواع واقسام کی عبادتیں ہوں تو کیا اشکال ہے۔

۱۱۔ اگر ہر روز اشراق نہ پڑھے تو جب توفیق ہوجائے پڑھ لیجیے۔ اگر پلاؤ ہر روز کھانے کو نہ ملے تو جس دن ملے اسی دن کھا لیجیے، اس میں کیا مضائقہ ہے۔ یعنی جس دن پڑھیں گے اس دن کا ثواب تو ملے گا، پھر کیوں نہ ایسا کریں۔

۱۲۔ لوگوں نے مالی تعاون بند کردیا تو کیا غم؟ لوگوں پر نظر نہ رکھیے۔ جن کے قبضے میں دل ہے ان پر نظر رکھیے۔ کام میں لگیے اور تجویز کو فنا کیجیے۔ یہ نہ سوچیے کہ کام اس طرح کرنا ہے اور اس طرح ہونا چاہیے بلکہ اس وقت جو اختیار میں ہو وہ شروع کردیجیے۔ کیا نتیجہ ہوگا، کس طرح ہوگا، کیونکر ہوگا ان باتوں سے ہمت میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے خوب فرمایا ہے ؎

کیا نتیجہ ہوگا کیونکر ہوگا یہ اوہام چھوڑ
کام کر اور جس کا ہے کام اس پہ تو انجام چھوڑ
اجر لے ناکام ہوکر بھی ، نہ رب کا کام چھوڑ
وقت ہے جدوجہد کا ، راحت و آرام چھوڑ

اختیاری محنت اور کوشش کے باوجود اگر ناکامی ہوتی ہے تو یہ ناکامی عرفی ناکامی ہے، حقیقی ناکامی نہیں ہے۔ حق تعالیٰ کی رضا اور ثواب عطا ہونے کے باوجود پھر ناکامی کیسی؟ محبت اور کوشش کی ضرورت ہے وہ جاری رکھنا چاہیے۔ (اقوالِ سلف، ج:۶،ص:۵۵۸)

۱۳۔ خواص کی نماز اور عوام الناس کی نماز میں فرق رہنا چاہیے یعنی تعدیلِ ارکان اور خشوع و خضوع میں امتیازی شان ہونی چاہیے۔ (اقوالِ سلف، ج:۶،ص:۵۶۲)

۱۴۔ تنہائی کی نماز میں تعدیلِ ارکان کا لحاظ نہ کرنا یہ اللہ کی محبت میں کمی کی علامت ہے۔

ہر مسلمان کو رات دن اس طرح رہنا چاہیے

۱۔ ضرورت کے موافق دین کا علم حاصل کرے، خواہ کتاب پڑھ کر یا عالموں سے پوچھ پاچھ کر۔

۲۔ سب گناہوں سے بچے۔

۳۔ اگر کوئی گناہ ہوجائے تو فوراً توبہ کرے۔

۴۔ کسی کا حق نہ رکھے، کسی کو زبان یا ہاتھ سے تکلیف نہ دے، کسی کی برائی نہ کرے۔

۵۔ مال کی محبت اور نام کی خواہش نہ کرے، نہ بہت اچھے کھانے کپڑے کی فکر میں رہے۔

۶۔ اگر اس کی خطا پر کوئی ٹوکے اپنی بات نہ بنائے فوراً اقرار اور توبہ کرے۔

۷۔ بغیر سخت ضرورت کے سفر نہ کرے، سفر میں بہت سی باتیں بے احتیاطی کی ہوتی ہیں، بہت سے نیک کام چھوٹ جاتے ہیں، وظیفوں میں خلل پڑ جاتا ہے، وقت پر کوئی کام نہیں ہوتا۔

۸۔ نہ بہت ہنسے، نہ بہت بولے، خاص کر نامحرم سے بے تکلفی کی بات نہ کرے۔

۹۔ کسی سے جھگڑا تکرار نہ کرے۔

۱۰۔ شرع کا ہر وقت خیال رکھے۔

۱۱۔ عبادت میں سستی نہ کرے۔

۱۲۔ زیادہ وقت تنہائی میں رہے۔

۱۳۔ اگر اوروں سے ملنا جلنا پڑے تو سب سے عاجز ہو کر رہے۔ اپنی بڑائی نہ جتلائے۔

۱۴۔ اور امیروں سے بہت ہی کم ملے۔

۱۵۔ بددین آدمی سے دور بھاگے۔

۱۶۔ دوسروں کا عیب نہ ڈھونڈے، کسی پر بدگمانی نہ کرے، اپنے عیبوں کو دیکھا کرے اور ان کی درستی کیا کرے۔

۱۷۔ نماز کو اچھی طرح اچھے وقت دل سے پابندی کے ساتھ ادا کرنے کا بہت خیال رکھے۔

۱۸۔ دل یا زبان سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہے، کسی وقت غافل نہ ہو۔

۱۹۔ اگر 'اللہ تعالیٰ' کا نام لینے سے مزہ آئے، دل خوش ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔

۲۰۔ بات نرمی سے کرے۔

۲۱۔ سب کاموں کے لیے وقت مقرر کرے اور پابندی سے اس کو نبھائے۔

۲۲۔ جو کچھ رنج و غم، نقصان پیش آئے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانے، پریشان نہ ہو اور یوں

سمجھے کہ اس میں مجھ کو ثواب ملے گا۔

۲۳۔ ہر وقت دل میں دنیا کا حساب کتاب اور دنیا کے کاموں کا ذکر مذکور نہ رکھے بلکہ خیال بھی 'اللہ تعالیٰ' ہی کا رکھے۔

۲۴۔ جہاں تک ہو سکے دوسروں کو فائدہ پہنچائے خواہ دنیا کا ہو یا دین کا۔

۲۵۔ کھانے پینے میں اتنی کمی نہ کرے کہ کمزور یا بیمار ہو جائے اور نہ اتنی زیادتی کرے کہ عبادت میں سستی ہونے لگے۔

۲۶۔ خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے طمع نہ کرے، نہ کسی طرف خیال دوڑائے کہ فلاں جگہ سے ہم کو یہ فائدہ ہو جائے۔

۲۷۔ اللہ تعالیٰ کی تلاش میں بے چین رہے۔

۲۸۔ نعمت تھوڑی ہو یا بہت اسی پر شکر بجالائے اور فقر و فاقہ سے تنگ دل نہ ہو۔

۲۹۔ جو اس کی حکومت میں ہیں ان کی خطاء و قصور سے درگزر کرے۔

۳۰۔ کسی کا عیب معلوم ہو جائے تو اس کو چھپائے البتہ اگر کوئی کسی کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے اور تم کو معلوم ہو جائے تو اس شخص سے کہہ دو۔

۳۱۔ مہمانوں اور مسافروں اور غریبوں اور عالموں اور درویشوں کی خدمت کرے۔

۳۲۔ نیک صحبت اختیار کرے۔

۳۳۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرے۔

۳۴۔ موت کو یاد رکھے۔

۳۵۔ کسی وقت بیٹھ کر روز کے روز اپنے دن بھر کے کاموں کو سوچا کرے، جو نیکی یاد آئے اس پر شکر کرے، گناہ پر توبہ کرے۔

۳۶۔ جھوٹ ہرگز نہ بولے۔

۳۷۔ جو محفل خلافِ شرع ہو وہاں ہرگز نہ جائے۔

۳۸۔ شرم و حیا اور بردباری سے رہے۔

۳۹۔ ان باتوں پر مغرور نہ ہو کہ میرے اندر ایسی خوبیاں ہیں۔

۴۰۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرے کہ نیک راہ پر قائم رکھیں۔ (بہشتی زیور، حصہ ہفتم، ص: ۲۵)

(حیاتِ ابرار، صفحہ: ۳۰۶)

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی رحمہ اللہ خلیفہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی وصایا

اعزہ واحباب کے لیے مفید اور اہم نصائح:

۱۔ وقت زندگی کا بڑا قیمتی سرمایہ ہے، اس لیے اس کی بڑی قدر کرنی چاہیے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ صبح سے شام تک زندگی میں جس قدر مشاغل ہیں ان کے لیے نظام الاوقات مرتب کیا جائے تاکہ ہر کام مناسب وقت پر آسانی سے ہوجائے۔

۲۔ کچھ وقت بلکہ سب سے بہتر وقت نماز فجر کے بعد ذکر اللہ کے لیے اور اوراد و وظائف، تلاوتِ کلام پاک، ماثورہ دعاؤں کے لیے مقرر کرنا چاہیے۔ یہ معمولات اس قدر مختصر ہونے چاہئیں کہ ان پر بلا تکلف دوام ہوسکے۔

۳۔ اتباعِ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے کچھ وقت اپنے گھر کے اندر اپنے اہل وعیال کے ساتھ صرف کرنا چاہیے۔ اس سے ان کو تقویت اور انشراح رہتا ہے اور خود اپنی زندگی میں بھی ان کے ساتھ اُنس ومحبت پیدا ہونے سے نشاطِ خاطر رہتا ہے اور بہت سے اُمورِ خانہ داری اور حسنِ انتظام میں مدد ملتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ شفقت ومحبت اور حسنِ سلوک کے لیے خاص طور پر بہت تاکید فرمائی ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے بعد والدین کے حقوق واجب کیے ہیں۔ ان کی زندگی میں ان کی خدمت کرنا، ان کو دماغی وجسمانی راحت پہنچانا، ان کو ہر طرح سے خوش رکھنا اور ان کی دعائیں حاصل کرنا شرعاً واجب ہے۔ ان کی وفات کے بعد التزاماً ان کے لیے ایصالِ ثواب کرتے رہنا۔ تلاوتِ کلام مجید، نوافل اور دیگر اورادِ مسنونہ سے بھی اور مالی صدقہ وخیرات سے بھی، خصوصاً خیراتِ جاریہ سے، اولاد کا صالح ہونا اور نیک اعمال کا عادی ہونا خود مرحوم والدین کے لیے خیراتِ جاریہ ہی کا درجہ رکھتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر ہفتہ اولاد کے اعمال ان کے والدین کے سامنے عالم برزخ میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اچھے اعمال سے ان کو خوشی اور

برے اعمال سے رنج ہوتا ہے۔ اس لیے بڑے اہتمام کی ضرورت ہے کہ والدین کی روح کو اذیت نہ پہنچے۔ بلکہ اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ نیک اعمال سے ایصالِ ثواب سے ان کو نفع پہنچے۔

۵۔ بھائیوں میں آپس میں محبت قائم رکھنا بہت ضروری ہے ورنہ تمام زندگی لطفِ زندگی حاصل نہیں ہوتی اور زندگی میں قوت محسوس نہیں ہوتی۔ بڑی تباہی کی علامت ہے کہ بھائی بھائی آپس میں اتفاق نہ رکھ سکیں۔ سارا فساد بچوں سے، بیویوں سے شروع ہوتا ہے۔ اور آپس میں غلط فہمی اور بدمزگی پیدا ہونے لگتی ہے۔ خوب سمجھ لیا جائے۔ عقل اسی واسطے ہے کہ پہلے سے اندازہ کرلے کہ یہ فتنہ شروع ہی نہ ہونے پائے ورنہ آخر میں جب دل برے ہونے لگتے ہیں اس وقت جذبات سے متاثر عقل بھی ماؤف ہوجاتی ہے اور یہی خانہ بربادی کا باعث ہوتی ہے۔ ہر شخص کو فرداً فرداً رواداری، ایثار، چشم پوشی اور معمولی معمولی باتوں کو درگزر کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اسی طرح آپس میں محبت قائم رہتی ہے اور جو معاملہ غلط فہمی پر مبنی ہو اس کو فوراً صاف کرلینا چاہیے اور قصور ہو تو اعتراف کرے اور معافی مانگ لے۔

۶۔ اولاد کی پرورش ونگہداشت بہت اہم ذمہ داری ہے۔ ان کو ابتداء ہی سے جب ان میں سمجھ پیدا ہونے لگے، اللہ اور رسول ﷺ کا نام سکھانا شروع کردینا چاہیے۔ پھر ابتدائی عمر میں قرآن شریف کا ختم کرانا اور ضروری مسائل پاکی و ناپاکی کے، جائز و ناجائز، حلال وحرام چیزوں سے مطلع کردینا چاہیے۔ پھر ابتداء ہی سے نماز کی عادت ڈالنی چاہیے۔ ان کا لباس پوشاک صرف اسلامی طرز کا رکھنا چاہیے۔ ان کے اخلاق کی نگرانی رکھنی چاہیے۔ ان کو نشست و برخاست اور کھانے پینے کے آداب سکھانے چاہئیں۔ دین و دنیا کی ضروری تعلیم و تربیت کا خاص طور پر اہتمام رکھنا چاہیے۔ بری صحبتوں سے ان کو خاص طور پر بچانے کی فکر رکھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرنا چاہیے۔

۷۔ گھر کا معاشرہ بالکل اسلامی طرز کا رکھنا اس زمانے میں واجب ہے۔

۸۔ تصاویر اور ریڈیو، ٹیلی ویژن ہرگز گھروں میں نہ ہونے چاہئیں۔ اس سے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے اخلاق ضرور خراب ہوتے ہیں۔

۹۔ شریف گھر کی عورتوں میں آج کل کے معاشرے میں آزادی بہت بڑھتی جارہی

ہے۔ روایاتِ شرم و حیا اور پردہ داری ختم ہوتے جارہے ہیں۔ محرم و نامحرم کا امتیاز ختم ہوتا جارہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناگفتنی واقعات کثرت سے رونما ہورہے ہیں۔ جنسی قانونِ فطرت کبھی نہیں بدل سکتا۔ اس لیے سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

۱۰۔ جن عزیز و اقارب سے صلہ رحمی کا تعلق ہے ان کا حق ادا کرنا بھی واجب ہے اور شریعت میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ صلہ رحمی صرف یہی نہیں ہے کہ آپس میں حسنِ سلوک کا معاملہ رکھا جائے۔ یہ تو غیر شخص سے بھی کرنا چاہیے۔ صلہ رحمی یہ ہے کہ اگر ایک فریق رشتہ توڑے تو تم رشتہ جوڑو۔ ایک شخص نے اگر حق ادا نہیں کیا تو دوسرا اپنے حق ادا کرنے سے بری نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی رشتہ دار نے معاملات خراب کیے یا کوئی اذیت پہنچائی تو یہ اس کا فعل ہے۔ تم کو چاہیے کہ تم اس کو درگزر کرو اور اس سے انتقام نہ لو۔ اس کی بدگوئی نہ کرو۔ اور اگر اس پر کوئی وقت پڑے تو سخنے، قدمے، درمے اس کی مدد کرو۔ یہی طریقہ حق ادا کرنے اور رشتہ جوڑنے کا ہے۔ اگر ہوسکے تو جلد اس سے مفاہمت کرلو۔ اس میں بڑی عافیت ہے اور بڑا ثواب ہے۔ شریعت میں حقوق العباد کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ احادیث میں اس کے لیے بہت تاکید آئی ہے۔ اگر کوئی عزیز (یا صاحب معاملہ) اپنے قصور کا اعتراف کرکے معافی چاہے تو شریعت کا حکم ہے کہ ضرور معاف کردینا چاہیے ورنہ سخت گناہ ہے۔ اسی طرح اگر اپنا قصور ہو تو ضرور معافی مانگ لینی چاہیے۔ خواہ کتنا ہی نفس تاویل کرے اور خفت محسوس کرے۔ اگر معافی مانگنے پر دوسرا فریق معاف نہ کرے تو وہ گنہگار ہوگا۔ اور معافی مانگنے والے سے عند اللہ اب کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ فقط

۱۱۔ پڑوسیوں سے بھی بہت خوشگوار تعلقات رکھنے چاہئیں۔ اور ہمیشہ اس کا اہتمام رکھنا چاہیے کہ تمھاری وجہ سے ان کو کسی طرح کی اذیت نہ پہنچے اور اگر ان سے تم کو کوئی اذیت پہنچے تو ضبط و تحمل سے اور درگزر کرنے سے کام لیا جائے اور جلد ان سے خوش اسلوبی سے مفاہمت کرلی جائے۔

۱۲۔ شادی اور غم کی تقریبات میں جہاں ہر طرح کی بدعات اور خلافِ شرع باتیں ہوتی ہیں جہاں تک ممکن ہوسکے ان میں شرکت سے اجتناب کیا جائے اور خود اپنے یہاں سختی سے شرع پر عمل کیا جائے کیونکہ خلافِ شرع امور میں کبھی برکت نہیں ہوتی، بلکہ بیشتر دنیاوی نقصان کے

علاوہ مواخذۂ آخرت کا باعث ہوتے ہیں۔

۱۳۔ اپنے گھر کے ماحول کو تمام تر اسلامی بنانا چاہیے ورنہ آئندہ نسلیں اس سے بالکل بیگانہ ہوجائیں گی۔ اور اس سے دین و دنیا کے بے شمار مفاسد پیدا ہوں گے۔ اپنا رہنا سہنا، لباس، پوشاک، وضع قطع، کھانا پینا، سب شریعت و سنت کے مطابق ہونے چاہئیں۔ گھر کے استعمال کا سامان جو محض نمائش کے لیے ہو اس کا مہیا کرنا اسرافِ بیجا ہے اور پریشانی کا باعث ہوتا ہے کیونکہ ہمیشہ اس کی حفاظت کا خیال رکھنا پڑتا ہے، کبھی ان میں اضافے کی ہوس اور کبھی ان کے خراب ہوجانے کا خدشہ قلب کو مشوّش رکھتا ہے۔ قناعت تو ضروری سامان ہی میں نصیب ہوتی ہے، مغربی تہذیب کی لعنت ہمارے معاشرے کو اس قدر مسموم کرتی جارہی ہے کہ ہم غیر شعوری طور پر اس میں مبتلا ہوکر اپنے شعائرِ اسلامی سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔ وقارِ اسلامی اور روایاتِ خاندانی اور لوازماتِ شرافت کو برقرار رکھنا چاہیے ورنہ دنیا میں بھی خواری ہے اور آخرت میں بھی خسران ہے۔ اگر انجام کار پر غور کیا جائے تو یہ بات خود عقل تسلیم کرلے گی۔

۱۴۔ جسمانی صحت و تندرستی بڑی قابلِ حفاظت نعمت ہے۔ اس کے زائل ہونے سے طبیعت میں سکون باقی نہیں رہتا۔ اس کے تحفظ کے لیے خاص اہتمام رکھنا چاہیے۔ اور اس اہتمام کے لیے نظام الاوقات کا قائم رکھنا نہایت ضروری ہے یعنی وقت کے تعین کے ساتھ کھانا پینا، سونا، آرام کرنا، تفریح کرنا، کچھ ہلکی سی ورزش کرنا، ان سب کے لیے روزمرہ کی زندگی میں وقت کا تعین ضروری ہے تاکہ ہر بات اپنے وقت پر ادا کرنے کی عادت ہوجائے۔ اگر خدانخواستہ کوئی بیماری لاحق ہوجائے تو اس سے بے فکری نہ کی جائے اور جلد اس کا تدارک کرلیا جائے ورنہ بعض وقت مرض پیچیدہ اور دشوار العلاج ہوجاتا ہے۔

۱۵۔ تعلقات زندگی کے ساتھ وابستہ ہیں لیکن ان کو بھی بہت ہی ضروری تعلقات پر بقدرِ ضرورت محدود رکھے جائیں۔ غیر ضروری تعلقات خواہ اعزہ اور اقرباء سے ہوں یا دوست و احباب سے ہوں، یا کاروباری زندگی میں ہوں، کسی نہ کسی درجہ میں ضرور پریشان کن ثابت ہوتے ہیں کیونکہ سب کا حق ادا کرنا عادتاً دشوار ہوتا ہے۔ اس وجہ سے قلب مشوّش رہتا ہے۔ کیونکہ ایسے غیر ضروری تعلقات میں اکثر اپنے کسی عذر کی وجہ سے دوسرے کی توقعات کو پورا نہ

کر سکنے کی وجہ سے اس کو تو رنج و شکایت ہوتی ہے اور پھر خود اپنے کو بھی ندامت و خفت ہوتی ہے۔بعض رسمی تعلق اور دوستی رکھنے والے اکثر بیجا مروت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔جن سے بعض وقت مالی نقصان اُٹھانا پڑتا ہے یا عافیت سوز معاملہ درپیش ہوجاتا ہے۔ہر شخص پر اعتماد کرنا چاہیے۔

۱۶۔ جہاں تک ممکن ہو احکاماتِ شریعت اور اتباعِ سنت کا ہر معاملہ زندگی میں اہتمام رکھنا چاہیے۔

۱۷۔ ہمیشہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔ دوستوں کے انتخاب میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ظاہری اخلاق سے متاثر نہ ہونا چاہیے بلکہ اصل معیار صداقت وخلوص تو دیندار اور صفائیٔ معاملات ہے۔

۱۸۔ جن لوگوں سے زندگی میں برابر سابقہ پڑتا ہے ان کو بھی خوب سمجھ کر منتخب کر لینا چاہیے مثلاً ڈاکٹر، حکیم، وکیل، تاجر، وغیرہ۔

۱۹۔ اپنے خانگی حالات اور راز کی بات ہرگز کبھی کسی سے نہ کہنی چاہیے خصوصاً عورتوں سے۔

۲۰۔ غیر ضروری مشاغل بھی جمعیتِ خاطر کو برباد کرنے والے ہوا کرتے ہیں۔مثلاً خواہ مخواہ دوسروں کے معاملات میں دخل دینا، یا کسی کی خاطر مروّت سے کسی کام کی ذمہ داری لے لینا یا مروّتاً امانت رکھنا، یا کسی کی ضمانت کرنا کیونکہ فی زمانہ یہ چیزیں بھی اکثر مفسدات سے خالی نہیں ہوتیں۔توقعات کے خلاف ہونے سے باہمی شکایات کے دفتر کھل جاتے ہیں، لہٰذا اپنی جمعیت خاطر برباد ہوجاتی ہے۔

۲۱۔ مشغلۂ اخبار بینی یا غیر ضروری کتابوں کا مطالعہ کرنا یا رسمی تقریبات میں شرکت کرنا یا فضول ولایعنی تفریحات میں وقت صَرف کرنا، ان امور میں جو وقت ضائع ہوتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ضروری باتیں سرانجام دینے سے رہ جاتی ہیں اور طبیعت میں فکر وتشویش پیدا ہوجاتی ہے۔

۲۲۔ اپنے کسی اہم کام کو پورا کرنے کے لیے کسی ناتجربہ کار آدمی کے مشورے پر بلا سمجھے عمل کرنا یا کسی اجنبی آدمی پر محض حسنِ ظن کی وجہ سے اعتبار کر لینا اکثر دل کی پراگندگی کا باعث ہوتا ہے اور نقصان بھی اُٹھانا پڑتا ہے۔

۲۳۔ بغیر شدید ضرورت کے قرض لینا اور خصوصاً جبکہ وقت پر ادائیگی کا کوئی یقیناً ذریعہ

نہ ہو تو بجائے قرض لینے کے کچھ دنوں کی تنگی و کلفت برداشت کر لینا زیادہ بہتر ہے یا مروّتاً قرض دینا جبکہ خود اس کی استطاعت نہ ہو اکثر شدید خفت اور کلفت کا باعث ہوتا ہے، اس لیے شروع ہی میں کچھ بے مروّتی سے کام لیا جائے، اسی میں مصلحت ہے۔

۲۴۔ دین و دنیا کا اگر کوئی اہم معاملہ پیش ہو تو کسی ہمدرد و مخلص اہلِ علم و اہلِ تجربہ سے ضرور مشورہ کر لینا چاہیے اور سب سے زیادہ ضرورت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مسنونہ استخارہ کر لینا چاہیے، یعنی بعد نمازِ عشاء دو رکعت نماز پڑھ کر دعائے استخارہ پڑھی جائے۔

۲۵۔ اس زمانے میں جبکہ دلوں میں خلوص نہیں ہے اور معاملات میں صفائی نہیں ہے کہ کسی کی مالی امانت رکھنا بھی بعض وقت پریشانیٔ خاطر کا باعث ہو جاتا ہے، اس لیے رسمی تعلقات والوں کی امانت کبھی نہ رکھنی چاہیے اور جو امانت رکھی بھی جائے تو امانت رکھنے والے کی تحریری یادداشت مع تاریخ کے ضرور لے لینا چاہیے۔

۲۶۔ اسی طرح اس زمانے میں ہر شخص کی ضمانت بھی نہ کرنی چاہیے، کسی کی بیجا مروّت سے بعض وقت ضمانت کر لینے سے بہت سے خطرات و پریشانی سے سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۲۷۔ روزمرہ کی زندگی میں کچھ ایسے حالات و واقعات بھی وابستہ رہتے ہیں جو بالکل غیر اختیاری ہوتے ہیں، اس لیے ان میں ابتلاء کے وقت ضرور قلب مشوّش اور متفکر ہو جاتا ہے، مثلاً بیماری کا لاحق ہو جانا، اپنی یا اپنے متعلقین کی بیماریاں یا غیر اختیاری طور پر تنگیٔ معاش یا کسی عزیز و اقارب یا کسی اور شخص کا بر بناء حسد یا خبثِ ظن کے باعث آزاد ہو جانا، یا غیر متوقع طور پر کاروبار میں یا اپنے مال میں نقصان واقع ہو جانا، یہ سب باتیں بھی انسان کے خیالات اور جذبات کو پراگندہ کرنے والی ہوتی ہیں۔ لہٰذا ایسے حالات کے صدور کے وقت دفعِ تردّدات اور حصولِ سکونِ قلب کے لیے جو تدابیر بتائی گئی ہیں، ان پر عمل کرنا چاہیے اور وہ تدابیر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بتلائی ہوئی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ پریشانی اور رنج و فکر خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری، ہماری زندگی کا سکون و اطمینان ضرور زائل کر دیتی ہے لیکن قلبِ مومن میں اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیت و استعداد رکھی ہے کہ ایسی پریشانیوں کے وقت میں جب وہ اپنے کارسازِ حقیقی کی طرف کسی نہ کسی صورت

سے متوجہ ہو جاتا ہے خواہ یہ رجوع الی اللہ کسی درجے کا بھی ہو، عقلاً اس کو ضرور سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسے مواقع پر جو لوگ اللہ والوں کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کو ضرور نفع ہوتا ہے۔ ان کی دعاؤں اور ہمدردی سے قلب کو تقویت ہوتی ہے۔ ویسے بھی جو لوگ پاک وصاف زندگی بسر کرتے ہیں، جن کے دل میں دین کی عظمت ومحبت ہوتی ہے اور جن کے معمولات میں نماز کی پابندگی اور دیگر اوراد و وظائف شامل رہتے ہیں اور اگر ان کا تعلق کسی بزرگ سے بھی ہوتا ہے تو ایسے لوگوں کے دل دنیوی پریشانیوں سے بہت کم متاثر ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بندے کو اپنی دنیاوی اُلجھنوں اور پریشانیوں کے تدارک کے لیے اپنے مالک اور کارسازِ حقیقی کی طرف رجوع ہونے ہی سے سہارا ملتا ہے اور اللہ جل مجدہ نے خود اپنے کلام پاک میں اور رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنے ارشادات میں ہمارے افکار اور مصائب کے دور کرنے کے لیے بہت مؤثر تدابیر اور دعائیں تعلیم فرمائی ہیں۔ اس پر عمل کرنا چاہیے اور اپنی تقصیرات ومعاصی اور شامتِ اعمال سے پناہ مانگنا چاہیے۔ اور صدقہ وخیرات کرنا چاہیے اور ایسا کرنے سے مصائب وآلام گو صورتاً قائم رہتے ہیں لیکن رضائے الٰہی پر ضرور مطمئن ہو جاتا ہے اور یہ بڑی نعمت ہے۔

۲۸۔ دینی معلومات کا حاصل کرنا بھی نہایت اشد ضروری ہے کیونکہ بغیر اس علم کے زندگی کا مقصد متعین نہیں ہوتا۔ چند کتابوں کا مطالعہ بہت اہم اور ضروری ہے، مثلاً سیرتِ رسول اللہ ﷺ، حالاتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، حالاتِ بزرگانِ دین، تاریخِ اسلام، حضرت حکیم الامت محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی تصانیف خصوصاً مواعظ وملفوظات، بہشتی زیور وغیرہ۔ ان کے مطالعہ سے دین ودنیا کی بہت گرانقدر کافی وشافی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ فضول اور بے مصرف کتابیں مثلاً اخبار، ناول، رسالے وغیرہ پڑھنے میں وقت ضائع نہ کرنا چاہیے۔ ان سے قلب میں ظلمت اور عقل وفہم میں پستی پیدا ہوتی ہے اور دوسرے مذاہب کی کتابیں تو ہرگز نہ پڑھنی چاہئیں کیونکہ بغیر اپنے مذہب کے علم کے راسخ ہونے کے دوسرے مذاہب کے عقائد اور فلسفے سے ذہن ضرور منتشر ہوتا ہے اور گمراہی کا اندیشہ ہے۔ اپنے مذہب میں اگر کوئی اشکال وشک پیدا ہو تو ضرور کسی اہلِ علم سے حل کر لینا چاہیے۔

۲۹۔ چند اہم اعمالِ باطنی :

۱۔ اپنے موجودہ حالات پر قناعت کر کے ہر وقت شکر ادا کرتے رہنا، اپنے رہنے سہنے، اپنی ضروریاتِ زندگی، اپنے ماحول، اپنے اہل وعیال پر ہر وقت نظر رکھے اور سمجھے کہ جو بھی موجودہ حالت ہے اس میں سب سے بڑی نعمت تو سلامتیٔ ایمان و دین اسلام پر ہونا ہے، جو بغیر کسی استحقاق کے اللہ تعالیٰ نے ہم کو عطا فرمایا ہے۔ پھر اپنے وجود کی نعمتوں پر نظر کرے، اپنے ماحول کی راحتوں پر نظر ڈالے، اپنے اہل وعیال کی عافیت کو دیکھے، دوسروں سے اپنے تعلقات کی خوشگواری کا اندازہ کرے اور پھر دل کی گہرائیوں کے ساتھ ان انعاماتِ الٰہیہ پر شکر ادا کرے، اس کے علاوہ جو بھی موجودہ حالت ہے اگر غور کرے تو لاکھوں مخلوقاتِ الٰہی اس سے محروم ہیں۔ اس حالت کو محض اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھ کر شکر ادا کرے۔ اسی طرح ایک ایک چیز پر قدر کے ساتھ نظر ڈالنے کی عادت ڈالے۔ یہ کیمیا کا نسخہ ہے۔ اس پر عمل کر کے دیکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب تم ہماری نعمتوں پر شکر ادا کروگے تو ہم ان نعمتوں میں ضرور اضافہ، برکت اور ترقی عطا فرماویں گے۔

۲۔ اپنی کوتاہیوں، لغزشوں، غفلت اور معاصی کا احساس کر کے ہمیشہ استغفار کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو بندے اپنے اعمال پر نادم ہوتے رہتے ہیں اور توبہ کرتے رہتے ہیں، ان کے ساتھ رحمت ومغفرت کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ استغفار بہت بڑی نعمت اور بہت بڑی پناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے شرمسار بندوں کو بہت پسند فرماتے ہیں اور ان کے ساتھ بڑی رحمت اور مغفرت کا معاملہ ہوتا ہے۔ اللہ کے سامنے اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کا اقرار کرتے رہنا چاہیے، توبہ و استغفار، خاتمہ بالخیر ہونے کی بڑی قوی علامت ہے۔

۳۔ اس زمانے میں فتنہ وفساد اس قدر کثرت سے ہوگئے ہیں اور ہر شعبۂ زندگی میں غیر محسوس طریقے سے بددینی اور دنیا کی ہلاکت کے سامان پیدا ہوتے جارہے ہیں جس کا اندازہ مشکل ہے۔ مزید برآں اور بھی ہزاروں قسم کے فتنے ہیں جو صریحاً دینِ اسلام

کے خلاف ہونے کی وجہ سے دنیا کی عافت بھی خراب کرر ہے ہیں، معاملات گندے اور خودغرضی کے اور دوسروں کی نقصان رسانی کے ہورہے ہیں۔ معاشرے میں مغربی تہذیب کی لعنت دن بدن مسلط ہوتی جارہی ہے۔ رہنا سہنا، کھانا پینا، لباس و پوشاک، سب نمائشی اور پرتکلف اور اقتصادی و معاشی اعتبار سے نہایت تباہ کن ہیں۔ ہزاروں بیماریاں نئی نئی پیدا ہورہی ہیں۔ غذائیں، ہوائیں، فضائیں سب گندے ہورہی ہیں۔ نئی نئی دوائیں اور انجکشنوں سے بیماریاں پیچیدہ تر ہوتی جارہی ہیں۔ ہر طرف دھوکہ، فریب، وعدہ خلافی، اخلاق سوز اعمال رونما ہورہے ہیں۔ سب سے زیادہ خطرناک فتنے دین کے فتنے ہیں۔ روز بروز نوجوان طبقہ خصوصاً دینِ اسلام سے بیگانہ ہی نہیں بلکہ اپنی جہالت و حماقت اور اپنی نفسانی و شہوانی لذات میں مدہوشی کے سبب سے دین کا مخالف اور دشمن ہوتا جارہا ہے۔ پاکی و طہارت کا فقدان ہی نہیں بلکہ اس کی اہمیت ہی سے ذہن خالی ہوتے جارہے ہیں۔ اللہ و رسولؐ کے ارشادات سے کماحقہ واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے اسلام کو ناقابلِ عمل مذہب تصور کیا جاتا ہے۔ تہذیبِ حاضرہ کی ہر مخربِ اخلاق بات کو ترجیح دی جاتی ہے۔ عریانی، بے شرمی، بے پردگی، رقص و سرود، فحش و عریاں تصاویر کا استعمال عام ہوتا جارہا ہے۔

ہر نوجوان جس نے کچھ بھی انگریزی اور مغربی تہذیب کا اثر لیا ہے، مذہب میں ترمیم کرنے پر آمادہ ہے یا اس کے اصول پر بے تکلف اعتراضات وشبہات پیدا کرنے لگتا ہے۔ نتیجہ یہ ہورہا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول سے بالکل ہٹ کر ایک ملحدانہ زندگی کی لہر معاشرے میں روز بروز ترقی کے ساتھ رگ و پے میں سرایت کرتی جارہی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ مطالعہ خوب غور سے دینی کتب کا کیا جائے۔ خصوصاً صحت عقائد جن امور پر منحصر ہیں، پھر معاملات و عبادات و اسلامی معاشرہ، اسلامی اخلاقیات کو اچھی طرح ذہن نشین کیا جائے۔ اس کے لیے سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی (مکمل) سیرۃ النبیؐ اور خطباتِ مدراس ضرور قابلِ مطالعہ ہیں۔ ان کے مطالعے سے رسول اللہ ﷺ کا صحیح مقامِ نبوت و منصبِ تبلیغ واضح ہوتا ہے۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مطبوعہ مواعظ پڑھنا دینِ اسلام کا صحیح علم حاصل کرنے کے لیے اس زمانے میں بہت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ روزانہ صبح و شام نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے ہر ظاہری و باطنی اور ارضی و سماوی فتنوں سے اپنے لیے اور اپنے متعلقین کیلئے اور عام مسلمانوں کیلئے پناہ مانگتا رہے۔ انشاء اللہ ہر طرح محفوظ رہے گا۔

۳۰۔ امور متذکرہ بالا پر عمل کرنے کے لیے ضروری بات یہ ہے کہ بار بار ان کو پڑھا جائے۔ خصوصاً جن باتوں پر اب تک عمل نہیں ہے ان پر نشان لگا لیا جائے اور ان پر عمل کرنے کا اہتمام شروع کر دیا جائے۔ کسی بات کو بار بار پڑھنا یا اس کی تکرار کرتے رہنے سے عادتاً ایسا ہوتا ہے کہ وقت پر وہ بات یاد آ جاتی ہے۔ اس وقت ضرورت ہے کہ ہمت کر کے اس پر عمل کر لیا جائے۔ کچھ دنوں تک ایسا کرنے سے پھر خود بخود طبیعت میں اس پر عمل کرنے کا داعیہ پیدا ہونے لگتا ہے۔

۳۱۔ تجربہ شاہد ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اگر کوئی علم یا فن حاصل کرنا ہے تو کسی تجربہ کار مربی کی سخت ضرورت ہے تا کہ اس کی تعلیم و تربیت سے مقصود حاصل ہو سکے۔ ایسا علم و فن ہمیشہ معتبر اور مستند اور بلاضرر ہوتا ہے۔ اس لیے دنیا و آخرت کا صحیح علم حاصل کرنے کے لیے کسی اللہ والے سے ضرور تعلق رکھنا چاہیے۔ اللہ والے کی شناخت یہ ہے کہ وہ بزرگ بظاہر متبع شریعت و سنت ہوں اور صاحب علم ظاہر و باطن ہوں، شفیق و خیر خواہ ہوں۔ بزرگوں سے تعلق رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ ان کی صحبت میں گاہ گاہ حاضر ہوتا رہے، اگر دور ہوں تو ان سے خط و کتابت رکھنا۔ ان سے دین کی بابت دریافت کرتے رہنا۔ اور ان کے مشورے پر عمل کرنا۔ اپنے باطن کے نقائص ان کو لکھنا اور ان کے دور کرنے کی تدابیر پر عمل کرنا۔ ہر حال میں ان سے دعا کراتے رہنا، اپنی روزمرہ کی زندگی میں جو شرعی خلاف ورزی ہو، اس کے متعلق دریافت کرنا اور وہ جو کچھ تجویز کریں اس پر اہتماماً عمل کرنا۔ (از سبل السلام، مطبوعہ صدیقی ٹرسٹ، کراچی)

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی آٹھ باتیں

ذاتی اور اجتماعی دونوں قسم کی زندگیوں میں اتنی عمر گزار کر جو خاص خاص تجربے حاصل ہوئے انھیں نمبر وار ذیل میں درج کیے دیتا ہوں کہ شاید ان سے کسی دوسرے کو کچھ نفع حاصل

ہو جائے:

۱۔ صحتِ جسمانی کا اہتمام، سارے بدنی شعبوں میں شروع ہی سے ضروری ہے۔ بغیر اس کا خیال کیے نادانستہ ایسی ایسی غلطیاں صادر ہو جاتی ہیں اور ایسی ایسی بے احتیاطیوں کی عادت پڑ جاتی ہے کہ آگے چل کر تلافی بہت دشوار ہو جاتی ہے اور سنبھلنے اور سدھرنے کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہتی۔ آنکھ، دانت، کان، جسم کا ہر ہر عضو ایک بڑی نعمت ہے اور نعمت کا قاعدہ ہے کہ بے پرواہی اور ناقدری کے بعد چھن ہی جاتی ہے۔

۲۔ یہی حال دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کا ہے۔ اگر شروع ہی سے ان کی جڑیں مضبوط نہ ہوں تو آئندہ ہمیشہ خطرے محسوس ہوتے رہیں گے اور یکسوئی اور دل جمعی، عمر کی کسی منزل پر بھی پہنچ کر مشکل ہی ہے۔

۳۔ دنیا میں اگر کوئی بڑا اور مستقل کام انجام دے جانا ہے تو اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ اپنے زعم و پندار میں اپنے کو بڑا سمجھ کر اچھالنے لگیے۔ یہ راہ ناکامی کی ہے، کامیابی اگر مقصد ہے تو اپنے کو سب سے چھوٹا بنا کر رکھیے۔ دبایئے نہیں، خود دَبیے، دنیا خود ہی آپ کو اپنائے گی اور آنکھوں پر بٹھائے گی۔ خودغرضی، خود بینی اور خودستائی کا راستہ دین تو دین، دنیا میں بھی نقصان وخسران ہی کا ہے۔

۴۔ دیانت اور سچائی کو اپنا شعار بنائے رکھیے۔ جو دوسروں کو دھوکہ دیتا ہے وہی دھوکہ کھاتا ہے اور جو دوسروں کو گرانے کی فکر میں لگا رہتا ہے وہ آخر خود ہی گرتا ہے۔ خواہ اس نتیجے کے ظہور میں دیر کتنی ہی لگے۔ ''خدا کی خدائی میں دیر ہے، اندھیر نہیں'' یہ مقولہ بڑے تجربے کا ہے۔

۵۔ جذبات کو قابو میں رکھنے کی مشق شروع ہی سے ضروری ہے۔ یہ سمجھنا کہ شباب گزر جانے پر جذبات خود ہی قابو میں آ جائیں گے ایک شدید مغالطہ ہے۔

۶۔ ماں کی محبت اور ماں کی خدمت کا ولولہ ایک بڑی دولت ہے۔ دنیا کی نعمتیں ایک طرف اور یہ ایک نعمت ایک طرف۔ اس کی قدر ایک خاص سن آ جانے کے بعد ہوتی ہے۔

۷۔ آخرت کا عقیدہ عقلی، منطقی، کلامی پہلوؤں سے قطع نظر عملی اعتبار سے بھی بڑا ہی قیمتی

عقیدہ ہے۔ اپنے دل میں جب سے یہ عقیدہ اُترا، پوری زندگی با معنی با مقصد بن گئی۔ اس کے قبل افلاطون اور ارسطو، کینٹ اور ہیگل، مل اور اسپنسر کو چاٹ جانے کے باوجود، یہی زندگی گاندھی جی کے پُرمعنی الفاظ میں ایک ''بے پتوار کی کشتی'' تھی۔

۸۔ ہر معصیت، ہر نفس پرستی کا داعیہ جب تک ضعیف وخفیف رہتا ہے عقلی دلائل روک تھام کے لیے کافی ہوجاتے ہیں۔ لیکن وہی جذبۂ نفسانی جب طوفان کی شدت اختیار کرلیتا ہے تو عقل و استدلال کے پیر اُکھڑ جاتے ہیں اور بدترین بدنفسی اور گندگی کے لیے یہی عقل کو کوئی نہ کوئی حیلہ و جواز مل ہی جاتا ہے۔ اس آخری مرحلے پر نفس سے مقاومت اور کامیاب مقاومت (مدافعت، مقابلہ) کی قوت صرف خوفِ الٰہی میں ہے، اس کے سوا کسی چیز میں نہیں۔ (شخصیات اور واقعات جنھوں نے مجھے متاثر کیا: ۱۹۰)

اپنی کتاب 'آپ بیتی' میں مولانا لکھتے ہیں:

کتاب، بلکہ کہنا چاہیے کہ کتابِ زندگی کا مشکل ترین باب یہی ہے۔ ۷۵ سال کی زندگی کا خلاصہ تجربات میں کیا لکھا جائے اور کیا چھوڑا جائے؟ جی میں تو بے اختیار یہی آرہا ہے کہ داستانِ زندگی (آہ کہ کتنی لذیذ اور آہ کہ کتنی تلخ، دونوں ایک ہی وقت میں) کُل کی کل بغیر ایک حرف چھوڑے دہرا دی جائے.... داستانِ زندگی کے دہرانے میں لگتا ایسا ہے کہ جیسے زندگی خود اپنے کو دہرا رہی ہے۔ سوچ بیٹھئے تو اپنی زندگی قابلِ صد نفریں و مستحقِ ملامت، اور نہ سوچیے تو جانِ عزیز سے بڑھ کر عزیز، لذیذ کوئی شے ممکن نہیں۔

(ا) سب سے پہلی بات تو یہ خیال رکھنے کی ہے کہ طبعی تقاضا و شوق اور چیز ہے اور ہوس اور چیز۔ بہ قول حضرت اکبرالہ آبادی: ع

کہنے کی ایک حد ہے بکنے کی حد نہیں

طبعی تقاضوں کی تکمیل کی جاسکتی ہے لیکن ہوس کی آگ بجھانے کے لیے کوئی حد و نہایت نہیں۔ ہوس رانی جتنی بھی کیجیے گا طبیعت بجائے آسودہ ہونے کے حریص سے حریص تر ہوتی جائے گی۔ آگ بجھنے کے بجائے بھڑکتی ہی جائے گی۔ ضرر و زیاں صریح واقع ہوتا جائے گا لیکن طبیعت کو اس کا احساس ہی سرے سے جاتا رہے گا... نفس امارہ بڑا منطقی، بڑا فقیہہ واقع ہوا ہے۔

ہر نفس پرستی، ہر ہوسنا کی اور اس سے پیدا ہونے والے ہر ضرر رو زیاں کی کوئی نہ کوئی خوبصورت سی تاویل وتوجیہہ ہر بار کرے گا اور 'ھل من مزید' کے نعرے لگاتا ہوا آپ کو برابر مغالطہ میں مبتلا اور دھوکے میں اُلجھائے رہے گا۔ لازم ہے کہ ہر خواہشِ نفس پر حاکم طبیعت کو نہیں، عقل کو رکھیے اور عقل کی حاکمیت کا نفاذ بڑی سختی سے کرتے رہیے۔ ہیجانِ نفس کے وقت (عام اس سے کہ وہ ہیجان غصّے کا ہو، حبِ جاہ کا ہو، حرصِ مال کا ہو، شہوتِ جنسی کا ہو) عقل تک اندھی اور مغلوب ہوجاتی ہے۔ ایسے موقع پر دست گیری شریعت سے پایئے اور پناہ احکامِ الٰہی میں ڈھونڈیے۔ نفس کو بے لگام کسی حال میں بھی نہ ہونے دیجیے۔ اس شورہ پشت گھوڑے سے آپ ذرا بھی غافل ہوئے اور اس نے آپ کو زمین پر دے پٹکا۔ غصہ اور شہوانیت یہ نفس کے دو بے پناہ حربے ہیں اور انسانیت کے قاتل دشمن۔ اگر ان پر نوعمری ہی میں قابو پالیا گیا، انھیں عقل اور اس سے بڑھ کر شریعت کے تحت میں لے آیا گیا جب تو خیر ہے ورنہ اگر یہ سنپولے بڑھ کر اژدہے ہوگئے تو کوئی صورت ان کے عذاب سے نجات پانے کی نہ رہے گی۔ سن کے ساتھ ساتھ ان کی گرفت بھی سخت سے سخت تر ہوتی جائے گی۔ انسان خمیازہ اُٹھائے گا، پچھتائے گا، جھنجھلائے گا، پھر بھی بس پھڑ پھڑا کر رہ جائے گا۔ ان کے پنجے سے رہائی کی کوئی صورت آسان نہ ہوگی۔

(۲) روپیہ کی محبت بھی بڑی بری بلا ہے۔ سن کے ساتھ ساتھ یہ گھٹتی نہیں بلکہ حرص و ہوس عموماً بڑھ ہی جاتی ہے۔ اور وجہِ جواز میں ذہن نئی نئی ضرورتیں گڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ ضرورت اس وقت شروع ہی سے قابو پالینے اور اپنے کو قناعت کا خوگر بنا لینے کی ہے۔ یہ جس نے نہ کیا اسے تلخیاں قدم قدم پر پیش آتی رہیں گی لیکن روپیہ کی محبت اور شے ہے اور اس کی قدر اور۔ روپیہ کی محبت تو بے شک ہرگز نہ پیدا ہونے پائے لیکن روپیہ کی قدر ضرور ہو۔ یہ نہ ہوا تو دوسرا مرض اسراف کا پیدا ہو کر رہے گا۔ بخل و اسراف دونوں مرض ایک ہی درجے کے ہیں اور دونوں بڑے سخت۔ ان کے حملے سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی واحد صورت یہ ہے کہ قلب کو ایک طرف حبِ مال سے خالی رکھا جائے اور دوسری طرف روپیہ کی ناقدری سے۔

(۳) دل کو ریا و نمائش سے خالی اور اخلاص سے لبریز رکھنا بھی کوئی آسان و معمولی چیز نہیں۔ بڑی ریاضت اور بڑے مجاہدوں کے بعد ہی یہ دولت ہاتھ آسکتی ہے اور پھر بھی ہر وقت

ڈگمگا جانے کا دھڑ کا لگا رہتا ہے۔﴿ وَ مَا یُلَقّٰھَا اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ ﴾اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحبِ نصیب ہے۔(سورۂ سجدہ، آیت: ۳۵)

ایک بڑا دخل اس میں صدق دل سے دعا مانگنے کا ہے اور اسباب و ذرائع شہرت سے اپنے کو دور رکھنے کا ہے۔ نفس عاشق ہے جاہ کا، اور انسان ایک حد تک خوشامد پسند طبعاً ہوتا ہے۔ راہِ اخلاص کا سب سے بڑا راہزن، مداحوں، معتقدوں، مریدوں کا گروہ ہوتا ہے۔ ہر وقت کی داد وتحسین، رضا جوئی حق کا گلا گھونٹ دیتی ہے۔ تفسیر قرآن تک کے بہ ظاہر سو فیصدی خالص دینی کام کو جب سوچتا ہوں اور اپنے پر جرح کرتا ہوں کہ اگر داد و تحسینِ خلق، مسرتِ نفس اور مالی منفعت وغیرہ سارے خارجی خیالات کو منتزع (الگ) کرلیا جائے جب بھی یہی اہتمام و انہماک کام کے لیے باقی رہے گی؟ تو ضمیر کچھ سا اُٹھتا ہے۔

(۴) 'علم' بہ معنی لکھائی پڑھائی، کتابوں کی ورق گردانی کے شوق کا مرض بچپن سے رہا ہے۔ اب بھی طالب علم ہی ہوں۔ ہر وقت اپنے گرد ایک کتب خانہ چاہتا ہوں۔ بغیر کتابوں کے وقت کاٹنا دشوار ہوجاتا ہے۔ بار ہا شوقِ مطالعہ کے آگے دوسرے طبعی جسمانی شوقوں کو مغلوب کرچکا ہوں۔ لیکن پھر بار بار سوچتا ہوں کہ آخر اس سے ہوتا کیا ہے۔ اور اس سے حاصل کیا۔ جب تک یہ دھن تمام تر رضائے حق کی خاطر نہ ہو، دنیا میں بالفرض اُردو کا نامی مصنف اور گرامی اہلِ قلم کہہ کر پکارا بھی گیا تو حشر میں یہ القاب کیا نفع پہنچائیں گے اور حیاتِ ابدی کے حصول میں یہ کیا کام آئیں گے۔

(۵) بڑے ہی تلخ تجربوں اور خوب ہی ٹھوکریں کھانے کے بعد یہ پُرزور وصیت سارے ناظرین سے ہے کہ دنیا سے دل ہرگز نہ لگایں اور اس کے مکر وفریب میں نہ آئیں جس کے صدہا چہرے اور بے شمار نقابیں سہی لیکن انسان بہرحال جسم و جسد کے ساتھ ہی اس خاکدان میں بھیجا گیا ہے۔ اس حکمت کی بھی رعایت رکھنا لازمی ہے۔ دنیا کو برتئے مگر دل نہ لگایئے۔ دل تو آخرت ہی سے لگائے رہیے۔ اکبرؔ ہی کے لفظوں میں :ع

غافل نے اِدھر دیکھا ، عاقل نے اُدھر دیکھا

دیکھیے! ابھی کتنی اور میعاد کاٹنی ہے۔ دل تو اسی مژدۂ جاں بخش کے سننے کو تڑپ رہا ہے

کہ ﴿اِرْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴾

ترجمہ: تو اپنے اللہ کی طرف چل خوش ہوتی ہوئی اور خوش کرتی ہوئی، پھر تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا۔ (سورۂ فجر، آیت ۲۸ تا ۳۰)

اپنے حق میں تو بس ایک ہی اور آخری دعا یہ ہے کہ بلاوا اس وقت آئے جب یہ ناکارہ اور آوارۂ قلم، دین کی خدمت میں مشغول ہو اور کسی عدو اللہ کے ہفوات کا جواب دے رہا ہو یا اپنے محبوب ﷺ کی کسی ادا کی معرفت کی دعوت دے رہا ہو۔ (آپ بیتی، ص: ۳۷۶-۳۸۱)

اکبر الٰہ آبادی کی نصیحت مولانا عبد الماجد دریابادی کو

(۱) ایک بار فرمایا کہ: آپ نے کالج میں زبان کونسی لی تھی؟ عرض کیا عربی۔ بہت خوش یہ سن کر ہوئے کہ ''اب بھی عربی کا مطالعہ جاری ہے؟''

عربی تو دنیا کی زبردست زبانوں میں ہے، یورپ والے بھی اس کا لوہا مانے ہوئے ہیں۔ میں نے مرے ہوئے لہجے میں عرض کیا کہ اب کہاں موقع ملتا ہے۔ انگریزی ہی سے چھٹی نہیں ملتی۔

بولے کہ: آسان ترین صورت یہ کہ قرآن کی تلاوت کا معمول رکھیے۔ اس کی زبان کی فصاحت و بلاغت کا کیا کہنا! جرمن یونیورسٹی میں عربی کے نصاب میں آخر کا آدھا قرآن شامل ہے۔ اور وہاں آپ کے لیے نہ وضو کی قید ہے نہ کسی وقت و مقدار کی، بس جتنا جی چاہے پڑھ لیا کیجیے۔ بس اس سے عربی زبان سے ربط آپ کا بالکل قائم رہے گا۔ جو فقرے آپ کو پسند نہ آئیں ان سے سرسری گزرتے جائیے۔ سمجھئے کہ وہ آپ کے لیے ہیں ہی نہیں۔ ہاں کبھی کوئی فقرہ پسند بھی آجائے گا بس اسی کو ذرا توجہ سے دو تین مرتبہ پڑھ لیا کیجیے۔

کس حکمت کے ساتھ آپ نے دیکھا کہ ایک ملحد کو قرآن کی طرف لائے۔

(۲) ایک مرتبہ بولے کہ ''کیوں صاحب آپ کو اللہ میاں سے متعلق جو کچھ شک و شبہ رہے ہوں۔ یہ فرمائیے کہ کبھی اپنے بندہ ہونے میں بھی شک ہوا ہے؟'' سوال سنتے ہی میں چکرا گیا اور دب دبا کر بولا کہ ''جی نہیں۔ اس میں تو کبھی شبہ ہوا ہی نہیں۔ شاید ہوسکتا بھی نہیں۔''

بولے کہ بس اتنا ہی کافی ہے۔ اپنی عبدیت کا اقرار کیے جایئے۔ رہی اللہ کی ذات وصفات تو آج تک کسی کی سمجھ میں آئی ہیں؟ جنھیں بڑا سے بڑا عالم و عارف کہا جاتا ہے وہ بے چارے انہی بحثوں میں حیران وششدر نظر آتے ہیں۔ جبھی تو میں نے کہا ہے ؎

بندگی حالت سے ظاہر ہے، خدا ہو یا نہ ہو

(۳) آپ کی زبان سے بجائے اللہ کے ذکر کے نام مولوی رومی کا سنتا رہتا ہوں۔ میں سمجھا کہ شاید وہ اللہ میاں سے بڑے ہیں۔ آپ یہی سمجھ رہے ہیں کہ مولانا نے آپ کو ہدایت دی اور اللہ تک وہ آپ کو لے آئے۔ سوچ کا یہ طریقہ بدلیے۔ یہ سمجھئے کہ اللہ نے مولانا کو ذریعہ آپ کی ہدایت کا بنایا۔

(۴) ایک مرتبہ فرمایا کہ: لوگ یہ جو کہتے ہیں کہ وقت چلا گیا زمانہ گیا، تو یہ وقت اور زمانہ آخر کہاں چلا جاتا ہے؟ پھر دو ایک لمحہ ٹھہر کر خود ہی فرمایا کہ آسان جواب بتائے دیتا ہوں۔ اللہ کے پاس سے آیا تھا اور انہی کے پاس چلا جاتا ہے اور وہاں جا کر کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی، ہر چیز محفوظ اور جمع رہتی ہے۔ پھر جب وقت وہاں جمع ہے تو جو کچھ بھی اس وقت کے اندر ہوا ہے وہ بھی لامحالہ جمع ہوگا، اب اللہ جب اس وقت کو زندہ اور حاضر ہونے کا حکم دے گا تو جو کچھ بھی اس وقت کے اندر ہوا ہے سبھی کچھ اس کے ساتھ حاضر ہو جائے گا اور انسان کا اپنا ہر عمل رجسٹر پر لکھا ہوا ہے بلکہ بجنسہٖ اپنی اصلی حالت و ہیئت کے ساتھ برتا ہوا مل جائے گا۔ (ماہنامہ افکار۔ کالم۔شخصیات نمبر۔ص:۴۶)

(۵) مغربی علم کے دلدادہ لوگوں کو

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں پھولو!
جائز ہے غباروں میں اُڑو چرخ پہ جھولو
پر ایک سخن بندۂ عاجز کی سن لو!
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو!

(اقوالِ سلف، ج:۶، ص:۴۸)

حضرت علامہ سیّد سلیمان ندوی خلیفہ حضرت تھانویؒ

(ولادت: ۲۳ صفر ۱۳۰۲ھ م ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ ابروز جمعہ بوقت صبح، وفات: ۱۴ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۵۳ء۔ مدفون کراچی)

شریعت اور طریقت کی عینیت

''جاہل پیروں اور دکاندار صوفیوں نے ایک مسئلہ گھڑا ہے کہ شریعت و طریقت دو الگ چیزیں ہیں اور اس زور و شور سے اس کو شہرت دی ہے کہ عوام تو عوام خواص تک پر اس کا رنگ چھا گیا ہے۔ حالانکہ یہ تمام تر لغو اور بے معنی ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے تمام عمر لوگوں کو یہی تلقین فرمائی کہ طریقت عین شریعت ہے۔ احکامِ الٰہی کی باخلاصِ تمام تعمیل و تکمیل ہی کا نام طریقت ہے دگر ہیچ۔ اور یہی خواصِ امت کا مذہب ہے، اور جس نے اس کے سوا کہا وہ دین کی حقیقت سے جاہل اور فنِ سلوک سے ناآشنا ہے۔ (سلوکِ سلیمانی، ج:۱،ص:۱۶۱)

سیرۃ النبی جلد پنجم میں 'عباداتِ قلبی' کے تحت میں ارشاد فرماتے ہیں: ''اسلام میں بعض ایسی عبادات بھی ہیں جن کا تعلق تمام تر قلبی احوال اور نفس کی اندرونی کیفیتوں سے ہے۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام میں ہر نیکی کا کام عبادت ہے۔ اس لیے تمام اُمور خواہ وہ جسمانی یا مالی یا قلبی ہوں عبادات کے اندر داخل ہیں۔ فقہاء نے صرف جسمانی اور مالی عبادات سے بحث کی ہے لیکن حضرات صوفیہ نے جسمانی اور مالی عبادات کے ساتھ قلبی عبادات کو بھی شامل کرلیا ہے، اصل یہ ہے کہ فقہاء نے اپنا فرضِ منصب جسمانی اور مالی فریضوں تک محدود رکھا ہے۔ اور صوفیہ نے ان سارے فریضوں کو یکجا کیا ہے۔ جن سے اسلام نے انسان کے قلب و روح کی درستی کا کام لیا ہے۔

یہ وہ فرائض یا قلبی عبادات ہیں جو اسلام کی روح اور ہمارے تمام اعمال کا اصل جوہر ہیں، جن کے الگ کر دینے سے وہ عبادات پنجگانہ بھی جن پر اسلام نے اس قدر زور دیا ہے جسدِ بے روح بن جاتے ہیں۔ فقہ و تصوّف کی ایک دوسرے سے علیحدگی نے ایک طرف عبادات کو خشک و بے روح اور دوسری طرف اعمالِ تصوّف کو آزاد اور بے قید کر دیا ہے۔ (ایضاً، ج:۱،ص:۱۶۳)

ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں: حضور ﷺ کے فیوض و برکات ہر وقت جاری ہیں،

اپنے میں استفادہ کا مادہ ہونا چاہیے اور اس کی صورت حضور علیہ السلام کی محبتِ عقلی ہے جس کا مظہر اتباعِ احکام وسنت ہے۔ (سلوکِ سلیمانی، ج:۱،ص:۱۶۴)

ظاہر وباطن کی یکجائی

رسول کریم ﷺ نے (نبوّت کے) ان تینوں فرائض (تلاوتِ کتاب، تعلیمِ قرآن وحکمت اور تزکیہ) کو بحسنِ خوبی انجام دیا۔ لوگوں کو احکامِ الٰہی اور آیاتِ قرآنی پڑھ کر سنائے اور ان کو کتابِ الٰہی اور حکمت ربّانی کی باتیں سکھائیں اور اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ اپنی صحبتِ فیض تاثیر اور طریق تدبیر سے پاک و صاف بھی کیا، نفوس کا تزکیہ فرمایا، قلوب کے امراض کا علاج کیا اور برائیوں اور بدیوں کے زنگ و میل کو دور کر کے اخلاقِ انسانی کو نکھارا اور سنوارا۔ یہ دونوں ظاہری و باطنی فرض یکساں اہمیت سے ادا ہوتے رہے۔ چنانچہ صحابہؓ اور ان کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کے تین قرنوں تک یہ دونوں ظاہری و باطنی کام اسی طرح توأم (جڑے) رہے جو استاد تھے وہ شیخ تھے اور جو شیخ تھے وہ استاد تھے۔ جو مسندِ درس کو جلوہ دیتے تھے وہ خلوت کے شب زندہ دار، اور اپنے ہم نشینوں کے تزکیہ وتصفیہ کے بھی ذمہ دار تھے۔ ان تینوں طبقوں میں استاد اور شیخ کی تفریق نظر نہیں آتی۔ اس کے بعد وہ دَور آنا شروع ہوا جس میں مسندِ ظاہر کے درس گو باطن کے کورے، اور باطن کے روشن دل ظاہر سے عاری ہونے لگے۔ اور عہد بہ عہد ظاہر و باطن کی یہ خلیج بڑھتی ہی چلی گئی تا آنکہ علوم ظاہر کے لیے مدارس کی چہار دیواری اور تعلیم وتزکیۂ باطن کے لیے خانقاہوں اور رباطوں کی تعمیر عمل میں آئی اور وہ مسجدِ نبوی جس میں یہ دونوں جلوے یکجا تھے اس کی تجلیات مدرسوں اور خانقاہوں کے دوحصوں میں تقسیم ہوگئیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدارس سے علمائے دین کی جگہ علمائے دنیا نکلنے لگے اور باطن کے مدعی علم شریعت کے اسرار وکمالات سے جاہل ہوکر رہ گئے۔

متوسطین میں علامہ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کو ناواقف باطن سے خالی سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے احوال وسوانح اُن برکاتِ باطنی سے لبریز ہیں۔ ابن قیم کی مدارج السالکین وغیرہ کتابیں پڑھیے، تو اندازہ ہوگا کہ وہ آرائشِ ظاہر اور جمالِ باطن دونوں سے آراستہ تھے۔

(سلوک سلیمانی، ج:۱،ص:۲۰۳)

ہندوستان میں جن بزرگوں کے دم قدم سے اسلام کی روشنی پھیلی وہ حقیقت میں وہی تھے جن کی ذات میں مدرسہ و خانقاہ کے کمالات کی جامعیت تھی کہ وہ اسوۂ نبوت کے قریب تر تھے، اس لیے ان کا فیض بعید سے بعید تر حصے تک پھیلتا چلا گیا۔ آسمانِ دلّی کے مہر وماہ اور تارے شاہ عبدلرحیم صاحبؒ سے لے کر شاہ اسمٰعیل (شہید) تک کو آپ ایک ایک کر کے دیکھیں تو ظاہر و باطن کے علوم والوں کی یکجائی کا نظارہ آپ کو ہوگا۔ اور اس سے ان کے علمی و روحانی برکات کی وسعت کی حقیقت آشکارہ ہو جائے گی۔ وہ علوم کی تدریس کے وقت ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ کا جلوہ دکھاتے تھے اور حجروں میں بیٹھ کر ﴿يُزَكِّيهِم﴾ (سورۂ بقرہ، آیت:۱۲۹) کی جلوہ ریزی فرماتے تھے۔ پھر ان کے بعد ان کے فیوض و برکات کے جو حامل ہوئے جن کی نشاندہی چنداں ضروری نہیں کہ ﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾ (سورۂ حجرات، آیت: ۲۹) ان سے دنیا کو فیض پہنچا، اور دین کی اشاعت و تبلیغ اور قلوب و نفوس کے تزکیہ و تصفیہ کا جو کام انجام پایا وہ بھی ظاہر و باطن کی اسی جامعیت کے آئینہ دار تھے، اور آئندہ بھی سننِ الٰہیہ کے مطابق دین کا فیض جن سے پھیلے گا وہی ہوں گے جن کے اندر مدرسیت اور خانقاہیت کی دو سوتیں ایک چشمہ بن کر بہیں گی۔ ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ﴾ (سورۂ رحمٰن) آنکھوں کا نور شب بیداری سے بڑھتا اور زبان کی تاثیر ذکر کی کثرت سے پھیلتی ہے۔ رات کے راہب ہی اسلام میں دن کے سپاہی ثابت ہوئے ہیں۔ سوانح و تراجم کا سیزدہ صد سالہ (تیرہ سو سالہ) دفتر اس دعویٰ کا شاہد ہے، زبان کی روانی اور قلم کی جولانی، دل کی تابانی کے بغیر سراب کے نمونے سے زیادہ نہیں، خواہ وہ اس وقت کتنا ہی تابناک نظر آتا ہو، مگر وہ مستقل اور مستقبل وجود سے محروم ہے۔ (مقدمہ سوانح مولانا محمد الیاسؒ) (سلوک سلیمانی، ج:۱،ص:۲۰۴)

اعتدال

ایک صاحب کو جنھوں نے تبلیغ کا کام شروع کیا تھا ان کو یوں تحریر فرما رہے ہیں:

خود مسلمان بننا، دوسرے مسلمانوں کو مسلمان بننے کی دعوت دینا وقت کی اہم پکار ہے اور اس فرض کو نفرت کے بجائے محبت کے جذبہ سے انجام دینا سب سے اہم ہے۔ جس کے سامنے آپ دعوت پیش کرتے ہیں اس پر شفقت اور اس سے محبت، دعوت کا محرک ہو، تبھی وہ کامیاب

ہوسکتی ہے جیسا کہ حضورانور ﷺ کی سیرت میں ہے۔ (سلوکِ سلیمانی، ج:۱،ص:۳۵۰)

نیز اس سلسلہ میں فرماتے تھے ''دین کی خدمت کی راہیں مختلف ہوسکتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اخلاص ہواور سلف کی راہ سے سرمو تجاوز نہ ہو، گو قدیم جوہر کی بقا کے ساتھ جدید نقش و نگار سے پرہیز نہیں لیکن اگر یہ جدید نقش و نگار اصل قدیم جوہر کو فنا کردے تو اس نقش و نگار سے بے نقش ہی رہنا اچھا ہے۔ فرماتے تھے یہی اپنی وصیت ہے اور یہی زندگی کی آخری فرمائش۔ (ص:۳۵۱)

ایک صاحب کو تحریر فرماتے ہیں کہ: اس تبلیغی سلسلہ میں صرف ایک احتیاطی تنبیہ کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ غیر کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح پر نظر رہے اور غیر کی اصلاح کی فکر بھی اپنی ہی اصلاح اور حصولِ اجر کی خاطر ہو۔ تفوق اور دینی بڑائی کا خیال بھی نہ آئے۔

نیز ایک صاحب کو تحریر فرمایا کہ: آپ جماعت کے ساتھ کام تو کریں مگر نظر اپنے اوپر ہو اور اپنی درستی کی نیت ہو۔ (سلوکِ سلیمانی، ج:۱،ص: ۳۴۸)

اخلاص کے بغیر تو اعمال مردہ ہیں۔ مگر اخلاص وریا کی حقیقت سمجھ لیں۔ اخلاص نام ہے خالق کی رضا کے لیے کام کرنے کا اور ریا نام ہے مخلوق کی رضا کیلئے کام کرنے کا۔ اب آپ اس روشنی میں اپنے اعمال پر نگاہ رکھیں۔ نفس کا جائزہ لیتے رہیں اور حُسنِ نیت کی کوشش میں لگے رہیں۔

نیز ارشاد فرماتے ہیں کہ فضائل وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت سے ہوں۔ اور ایمان کے بعد ہوں، یعنی جن کی بنیاد ایمانِ صحیح پر ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ ظاہری فضائل درحقیقت فضائل نہیں۔ اصل شے احکامِ الٰہی کی کلی اطاعت، حلال وحرام کا خیال، معاملات میں صفائی، اخلاق کی نزاہت، اتباعِ نبوی کا دھیان اور تمام امور میں رضائے الٰہی کی طلب ہے۔ ان امور کی طرف توجہ فرمائیں کہ یہ اصل اور باقی سب فروع و تدابیر ہیں۔ ذکر کے اثر کا ظہور یہی ہے کہ طاعات و مرضیاتِ الٰہی کا ذوق بڑھے، خلق میں شہرت اور مقبولیت کی خواہش اس راہ کا کانٹا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا عمل کا دوسرا محرک نہ ہو، عُجب، ریا اور کبر رنگ برنگ صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور یہ سالک کے لیے سخت خطرناک ہیں اس لیے ان سے احتراز کا اہتمام ضروری ہے۔ (سلوک سلیمانی، ج:۲،ص:۱۶)

تصوف کے متعلق ۱۹۲۵ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ : تصوّف سرتاپا عمل ہے اور قلب و

روح کے علم وعمل اور مغز شریعت کی اصل تعلیم وتعمیل ہے۔

(معارف ۵ ج ۱۵،ص:۳۹۴) (سلوک سلیمانی، ج:۱،ص:۶۳)

نیز تحریر فرمارہے ہیں کہ: حقیقی اور شرعی تصوف جس کا صحیح نام احسان ہے روحِ دین اور جانِ ایمان ہے۔ یہ اخلاص فی اللہ اور تزکیۂ قلب اور علم حصولِ تقویٰ کا نام ہے۔

اور ۱۹۲۹ء میں لکھتے ہیں کہ: حقیقی تصوف جس کی نسبت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ اس کا نام احسان ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔ وہ تو درحقیقت مذہب کی روح، اخلاق کی جان اور ایمان کا کمال ہے۔

(سلوک سلیمانی، ج:۱،ص:۶۴) (اقوال سلف، ج:۴،ص:۵۷۳)

امام ابن تیمیہ کے تفردات سے رجوع اور انتباہ

اپنے سب عزیزوں اور دوستوں کو نصیحت ہے کہ اعتقادی یا عملی مسائل میں جمہور کے مسلک سے الگ نہ ہوں اور اس کو چھوڑ کر تحقیق کی نئی راہ اختیار نہ کریں۔ یہ طریق تواتر وتوارث کی بیخ کنی کے مرادف ہے۔ اس گناہ کا مرتکب کبھی میں خود بھی رہ چکا ہوں، اور اس کی اعتقادی و عملی سزا بھگت چکا ہوں۔ اس لیے دل سے چاہتا ہوں کہ میرے (سلفی ندوی) عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی اس راہ سے نہ نکلے۔ تاکہ وہ اس سزا سے محفوظ رہے جوان سے پہلوں کومل چکی ہے۔ (رسالہ بینات، ماہ ستمبر ۱۹۸۶ء کراچی۔ انوار الباری ج:۱۹،ص:۲۷۴)

حضرت مولانا عبد الباری ندویؒ خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ

(ولادت: ۱۳۰۷ھ۔ وفات: بروز جمعہ، ۳۰ر جنوری ۱۹۷۶ء۔ مدفون: ڈالی گنج لکھنؤ)

دینی مدارس میں قال سے بڑھ کر حال کی تربیت ضروری ہے

ہمارے دینی مدارس اور اداروں میں بھی جب تک قال کی تعلیم کے ساتھ اس سے بڑھ کر حال کی اس تربیت کا پورا اہتمام نہ ہوگا اس وقت تک وہاں کا علم نہ میراثِ انبیاء ہوگا نہ وہاں سے وراثتِ انبیاء کا حق ادا کرنے والے علماء پیدا ہوں گے۔ نبوت کا وارث تو وہی عالم ہے جو کتابوں سے کہیں زیادہ خود اللہ کو جانتا اور اُس کی ذات وصفات کا خالی کتابی نہیں، حالی علم رکھتا ہو جس کی

پہچان یہ ہے کہ اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی عظمت وخشیت اتنی غالب ہو کہ غیر اللہ سے اُمید وبیم اگر مفقود نہیں تو مغلوب یقیناً ہو۔ سرورِ انبیاء (فداہ ابی و امی ﷺ) کا ارشاد ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ اَنَـا اَعْـلَمُکُمْ بِاللّٰهِ وَ اَخْشَاکُمْ لِلّٰهِ۔

اسی حقیقتِ حال کا اظہار بلکہ خود اللہ ہی کے اس ارشاد کی ترجمانی ہے کہ اللہ سے ڈرنے کا حق تو بس اس کے جاننے والے بندے ہی ادا کرتے ہیں۔

﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (سورۂ فاطر، آیت:۲۸)

یعنی علم دین جس کی روح حق تعالیٰ کو جاننا پہچاننا ہی ہے وہ مرادف ہے حق تعالیٰ سے ایسے تعلق کے جو زندگی کے سارے اعمال، معاملات میں خالق کی خشیت کو مخلوق و دنیا کے ہر اجر و صلہ، خوف وطمع پر غالب کردے۔ اسی حدیث کی تفہیم میں حکیم الامت علیہ الرحمہ نے ہماری نام نہاد دینی تعلیم وتعلّم اور اس کے علماء کا کیسا حسرت ناک حال بیان فرمایا ہے کہ ''علم کو میراثِ انبیاء کہا جاتا ہے، تو اب دیکھ لو انبیاء کی میراث کون سا علم ہے۔ کیا انبیاء کا علم نعوذ باللہ ایسا ہی علم تھا جس میں محض مسائل و اصطلاحات کا تلفّظ ہو اور خشیت کا نام نہ ہو۔ اب ہماری حالت یہ ہے کہ علم حاصل کرتے ہیں، پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہوجاتے ہیں اور اسی کو مقصود سمجھتے ہیں۔ اس طرح تعلیم وتعلّم کو مقصود سمجھ لینا حد سے تجاوز ہے۔'' غرض مطلوبِ شرعی (یا دینی) علم وہی ہے جو اپنے اثر کے ساتھ ہو جیسے تلوار وہی مطلوب ہے جس میں کاٹ ہو۔ ورنہ برائے نام تلوار ہوگی۔ اسی کو کہتے ہیں۔

علم چہ بود آں کہ رہ بنمایدت
زنگ گم راہی زدل بزدایدت

علم (دراصل) وہ ہے جو تمھارے لیے رہنما ثابت ہو اور گمراہی کا زنگ تمھارے دل سے دور کردے۔

ایں ہوسہا از سرت بیروں کند
خوف و خشیت در دلت افزوں کند

حرص وہوس کو تمھارے دل سے نکال دے اور خوف وخشیت اس میں زیادہ کردے۔

تو نہ دانی جز یجوز و لا یجوز
خود نہ دانی تو کہ جوزی یا عجوز

''مگر تم تو سوائے اس کے کہ یہ جائز ہے، یہ ناجائز کچھ جانتے ہی نہیں بلکہ تم خود اپنے متعلق نہیں جانتے کہ جوان ہو یا بوڑھے۔ یعنی اپنی معرفت بھی نہیں تو پھر کیا علم ہے۔''

راقم عاجز ہمیشہ کہا کرتا ہے کہ کتاب اسلام صرف کتاب ہدایت نہیں، نظامِ ہدایت بھی ہے، یہ نظام کیا ہے اور اس کو وقت کے زمانی و مکانی احوال وظروف خصوصاً ہندوستان و پاکستان میں کیونکر بروئے کار لایا جاسکتا ہے، اس کا ایک پورا خاکہ تو ایک مستقل کتاب۔ تجدیدِ تعلیم و تبلیغ میں پیش کیا جاچکا ہے۔ یہاں اس نظام کے ایک بڑے اور اہم جزو پر خصوصیت سے توجہ دلانی ہے۔ اصلاح وہدایت کا سب سے مؤثر کارگر جزو وہی ہے اور اسی سے سب سے زیادہ غفلت ہے۔

سورۂ 'والعصر' میں اس کی خاص تعبیر

سورۂ والعصر میں اسی کی خاص تعبیر "تواصی بالحق" و "تواصی بالصبر" اور کتاب وسنت کی عام اصطلاح امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔ یعنی ہر جانی پہچانی بھلائی کا ایک دوسرے کو حکم و تاکید کرتے رہنا، اور ہر چھوٹی بڑی برائی سے باز رکھنے کی کوشش کرتے رہنا۔ خواہ اس کا برا بھلا ہونا ہم نقل وشرع سے پہچانتے ہوں یا عقل وتجربہ سے۔ مسلمان جس طرح خود اس معروف کو پہچان کر اس پر چلنے اور منکر کو جان کر اس سے بچنے کا مامور ومکلّف ہے۔ اسی طرح دوسروں کو بتلانے چلانے اور بچانے کی امکانی جدوجہد کا فرض بھی اس پر انفرادی واجتماعی دونوں طرح عائد ہے اور جس طرح خود اپنے نیک وبد، معروف ومنکر کے معاملے میں اس سے مواخذہ ہوگا اسی طرح مقدور بھر دوسروں کو معروف پر چلانے اور منکر سے بچانے میں اس سے جو کوتاہیاں ہوتی ہیں ان کا بھی جواب دہ ہوگا اور دنیا وآخرت دونوں ہی میں اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ حضرت امام غزالیؒ کا اسی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے باب میں احیاء العلوم میں ارشاد ہے کہ: ''دین کا یہ مدار اعظم ہے۔ یہی وہ مہم ہے جس کے لیے تمام انبیاء بھیجے گئے۔ اگر اس کی بساط اُلٹ دی جائے اور اس کے علم وعمل کو ترک کردیا جائے تو نبوت ہی معطل و بیکار ہوجائے، دین مضمحل

ہو جائے۔ سستی و گمراہی اور جہالت عام اور عالم گیر ہو جائے۔ ملک برباد اور مخلوق تباہ ہو جائے حتی کہ پھر اس تباہی کا احساس تک (اتنا مرجائے کہ) قیامت تک نہ ہو۔''

اس کے بعد ''اِنَّـا لِلّٰـهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھ کر نہایت حسرت سے فرماتے ہیں کہ جس کا ڈر تھا، آخر وہ ہو کر رہا۔ یعنی دین کے اس مدارِ اعظم کا علم و عمل جاتا رہا۔ حقیقت بھی بالکل مٹ گئی، اور صورت بھی۔ نتیجہ یہ ہے کہ دلوں پر مخلوق کی مداہنت و خوشامد چھا گئی اور خالق کا ڈر نکل گیا۔ لوگ نفس پرستی اور شہوت رانی میں جانوروں کی طرح آزاد ہو گئے۔ روئے زمین پر ایسا سچا مومن ملنا دشوار ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کے معاملے میں بندوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرے۔

(نظام صلاح و اصلاح، ص: ۹۳ تا ۹۶)

علماء و مشائخ کی ذمہ داری

غرض اتنا تو ہر معمولی سے معمولی عالمِ دین کا عالمانہ و دینی فرضِ منصبی ہی ہے کہ اس نے دین کے اوامر و نواہی کا جو علم حاصل کیا ہے اس کے امر و نہی کو صرف عملاً ہی لوگوں تک نہ پہنچاتا رہا بلکہ جہاں تک ہاتھ زبان کی یاری یا کم از کم دل کی ناراضی و بیزاری کے اظہار کے ذریعے ان پر عمل کرا سکتا ہے کرائے۔ باقی بہت سے علماء و مشائخ اس گئے گزرے زمانے میں بھی ایسے ہیں جو سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں اچھے خاصے اپنے عقیدت مندوں اور ارادت مندوں کے چھوٹے بڑے حلقے رکھتے ہیں جن پر وہ اسی نوعیت کا اثر رکھتے ہیں جو حضرات انبیاء کا خاص اصحاب یا حواریوں پر ہوتا تھا، لہٰذا ان کی تو خاص طور ہی پر چھوٹے بڑے امر و نہی کے باب میں پوری اور کڑی نگرانی اسی طرح پر واجب ہے جس طرح خود اپنے اہل و عیال کی بلکہ حضرت حکیم الامت مجدد تھانویؒ نے تو مشائخ کی ذمہ داری و مسئولیت کو والدین و اولیاء کی ذمہ داری سے بڑھ کر قرار دیا ہے کیونکہ بچوں پر گو شرعاً ہماری اطاعت واجب ہے مگر انھوں نے صراحتاً اس کا کوئی التزام و معاہدہ نہیں کیا کہ تم ہم کو تعلیم و تبلیغ کرو اور ہم تمھاری تعلیم پر عمل کریں گے۔ بخلاف شیخ و سالک یا پیر و مرید کے تعلق کے کہ وہ نام ہی ہے مرید کی جانب سے معاہدۂ اطاعت کا اور پیر یا شیخ کی جانب سے معاہدۂ تعلیم و اصلاح کا۔ اس لیے مریدوں کو ان کے چھوٹے بڑے تمام منکرات پر روک ٹوک نہ کرنا صریح خیانت و معصیت ہے جس میں ترکِ تبلیغ کے (عام گناہ) کے

ساتھ وعدہ خلافی کا (خاص) گناہ بھی شامل ہے اور اس عام و خاص خیانت و گناہ کے مرض میں صرف عام دوکاندار یا درگاہی پیر ہی گرفتار نہیں بلکہ اچھے خاصے صاحبِ علم وصلاح مشائخ تک کو دیکھا کہ مریدوں کے افعال پر خاموش ہیں۔ کچھ روک ٹوک نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیوخ یا تو پیری و مریدی کی حقیقت ہی کو نہیں سمجھتے یا جان بوجھ کر پہلو تہی کرتے ہیں۔

(نظام صلاح واصلاح،ص:۱۴۳)

اہم کام معروف ومنکر کے امر ونہی کے شعور کی بیداری ہے

غرض دینی ودنیوی، صلاحی واصلاحی، دعوتی وتبلیغی جس پہلو سے بھی دیکھیے اہم واقدم کام معروف ومنکر کے امر ونہی کے انفرادی واجتماعی شعور واحساس کو زندہ و برپا کر کے مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی کو از سرنو اسلامی زندگی اور مسلمان معاشرہ یا خیر اُمت بنانا ہے۔اس کے بغیر خالی زبان کی درازی یا کاغذ کی ناؤ سے مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کسی کے بھی دین و دنیا کا بیڑا کسی طرح بھی پار نہیں لگ سکتا۔ زیادہ مقدم ومؤثر امر ونہی کا انفرادی شعور واحساس ہے یعنی وہی ﴿اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ (سورۂ توبہ، آیت:۷۱) ہر مرد و عورت اپنی نفس ایمانی ولایت و ہمدردی یا نگرانی و ذمہ داری کا یہ فرض محسوس کرنے لگے کہ راہ چلتے بھی کسی کو دینی واخلاقی خامی وکوتاہی میں مبتلا پائے اس سے روکنے اور بچانے میں ہاتھ، زبان یا دِل سے جو جتنی سعی و تدبیر کر سکتا ہے یا اپنے محل ومقام کے لحاظ سے جس قسم کا کوئی مادّی واخلاقی اثر یا دباؤ ڈال سکتا ہو، اس سے کام لینے میں کوئی کمی نہ کرے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اندھے کی لاٹھی چلانے لگے۔ الحمد للہ کہ علمائے اُمت حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے دین کے دوسرے اوامر و نواہی کی طرح خود امر ونہی کے احکام کلیات وجزئیات، اصول وفروع، کتاب وسنت ہی کی روشنی میں مرتب فرما دیے ہیں۔ ان ہی کو ہر برے بھلے ماحول کے چوکھٹے میں بے تکلف فٹ کیا اور وقت وموقع کے مناسب کام لیا جاسکتا ہے۔ بس کُلّی اُصول اس باب میں وقت کے حکیم ومجدد حکیم الامت تھانویؒ کا سامنے رکھنا چاہیے کہ جسمی بیماروں کے ساتھ تو ہمدردی وشفقت لیکن بیماریوں سے تکلیف ونفرت ہوتی ہے اور حسبِ تعلق وطاقت ہم ان کو دور کرنے کی دو دوش میں

کوئی کسر لگی نہیں رکھتے۔ نہ بیمار کو اس کے حال پر چھوڑ دینا گوارہ کرتے ہیں۔ بعینہٖ یہی معاملہ معاصی و منکرات کے بیماروں کے ساتھ نقلاً ہی نہیں عقلاً بھی کرنا چاہیے کہ جیسا اور جتنا ان سے تعلق ہو اور جتنی ان کے فلاح و پرہیز کی ہم فکر و تدبیر کی طاقت رکھتے ہو، اس میں کمی نہ ہو بلکہ جس طرح معمولی انسانیت کا تقاضا ہے کہ راستہ چلتے ہم کسی غیر کو بھی کسی تکلیف و مرض میں پائیں تو جو کچھ برمحل اس کی مدد کر سکتے ہوں کریں، یہی تو مطلب و مطالبہ رحمتِ عالم ﷺ کی طرف سے معروف و منکر کے امر و نہی کو راستہ تک کے حقوق میں داخل فرما دینے کا ہے۔ کتنی بڑی رحمت و شفقت ہے اور اس شفقت و خیر خواہی کے تقاضے ہی سے حسبِ ضرورت بیمار کو کڑوی سے کڑوی دوائیں بھی پلانا پڑتی ہیں۔ بد پرہیزیوں سے زبردستی روکنا پڑتا ہے۔ گھر میں علاج و پرہیز دیکھ بھال کا حق اپنے سے ادا نہ ہوسکتا ہو تو اسپتال بھیجنا پڑتا ہے۔ ڈاکٹروں کا مشورہ ہو تو سخت سے سخت آپریشن کرانا پڑتا ہے۔ اپنی وسعت بھر بلکہ قرض و دام کر کے دوا و علاج کے مصارف پورے کیے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس وقت تک ہوتا رہتا ہے جب تک مریض کے جان بر ہونے کی کچھ بھی آس رہتی ہے بلکہ معالجوں کے جواب دینے کے بعد بھی ہماری محبت و شفقت جواب نہیں دیتی اور جب تک بیمار کی سانس چلتی ہے کچھ نہ کچھ دوا و دعاء برابر چلتی رہتی ہے۔ یہ سب کس زندگی یا اس کی آرام و راحت کو بچانے کے لیے جس کی نسبت یقین کامل ہے کہ سو دو سو برس بھی چلتی رہے تب بھی ایک نہ ایک دن چل ہی بسے گی تو پھر ایمان والوں کو ایمان ہی سے سوچنا اور بتلانا چاہیے کہ کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی کے بناؤ بگاڑ یا سود و زیاں، فلاح و خسران کی خاطر ہم کو خود اپنے اور اپنے اہل و عیال، اعزّہ و احباب کے لیے کیا کچھ نہ کرنا چاہیے اور جان و مال کی کون سی فکر و تدبیر اُٹھا رکھنا چاہیے۔

(نظام صلاح و اصلاح) (اقوالِ سلف، ج:۵، ص:۲۹۸ تا ۳۰۵)

حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ خلیفہ حضرت حکیم الامتؒ

(ولادت:۱۳۳۲ھ م ۱۹۱۳ء۔ وفات: ۲۲/۲۱ ربیع الاوّل ۱۴۱۲ھ ۲/۱ اکتوبر ۱۹۹۱ء بمقام پشاور)

۱۔ امید ورجاء وہی ہے جو عملِ صالح کے ساتھ ہو ورنہ غرور (دھوکہ) ہے۔

۲۔ مسلمان کو گناہ کرتے وقت اللہ کا خوف ضرور ہوتا ہے کہ اس فعل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے اور آخرت میں عذاب ہوگا۔ یہ خیال ساری لذتِ گناہ کو مکدر کردیتا ہے۔اس لیے گناہ میں پوری لذت نہیں مل سکتی۔

۳۔ مواقعِ تہمت سے بچنا ضروریات میں سے ہے۔

۴۔ جو شخص فضولیات میں مبتلا ہوگا وہ کبھی ضروریات کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔ یہ تجربہ کی بات ہے۔

۵۔ جو شخص بیمار ہو اور دل کو پریشان پائے تو سمجھ لے کہ اس کے حق میں یہ بیماری مصیبت ہے اور اگر بیماری کی حالت میں دل پریشان نہیں بلکہ صابر، شاکر و مطمئن ہے تو یہ بیماری اس کے لیے ہرگز مصیبت نہیں بلکہ رفعِ درجات کا سبب ہے۔خوب سمجھ لو۔

۶۔ عورت کے پردے کا منشا حیا ہے اور حیا عورت کے لیے امرِ طبعی ہے اور امرِ طبعی کے خلاف کسی کو مجبور کرنا باعثِ اذیت ہے۔ پس عورتوں کو پردے میں رکھنا ان پر ظلم نہیں بلکہ حقیقت میں انکی فطرت کے مطابق ہے۔ (فیض حسن واشرف، ص:۸۲)

۷۔ فرمایا کہ اتحاد و اتفاق کی جڑ تواضع ہے اور تواضع کی اصل مجاہدۂ نفس ہے کیونکہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے خاکسار، نیازمند، ذرۂ بے مقدار کہہ دیا بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر تم کو ذرۂ بے مقدار اور خاکسار سمجھ کر کوئی برا بھلا کہے اور حقیر و ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو اور نفس کو یوں سمجھا لو کہ تو واقعی ایسا ہی ہے، پھر کیوں برا مانتا ہے۔تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ مدح و ذم برابر ہوجائے۔

۸۔ واللہ اقرارِ خطا سے عزّت اور بڑھ جاتی ہے۔ کچھ نہ تو یہ ضرور ہے کہ اقرارِ خطا میں رضائے الٰہی ضرور ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے "مَنْ تَرَكَ الْجِدَالَ وَ الْمِرَاءَ

بُـنِيَ لَهٗ بَيۡتٌ فِي الۡجَنَّةِ" (مشکوٰۃ شریف) یعنی جس نے لڑائی جھگڑا ترک کردیا اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔

۹۔ تواضع کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کی اپنے سے نفی کرے بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان کو اپنا کمال نہ سمجھے نہ اپنے کسب کا ثمرہ سمجھے بلکہ محض فضل و رحمتِ حق سمجھے۔

۱۰۔ اے طلبائے مدرسہ! تمھارا فخر یہی ہے کہ جس جماعت میں تمھارا شمار ہے تم اسی کی اصطلاح اور وضع وطرز کو اختیار کرو۔ تمھاری عزّت اسی میں ہے۔ اگر مخلوق میں اس سے عزّت نہ ہوئی تو کیا پرواہ، خالق کے یہاں تو ضرور عزّت ہوگی، تم کو تو ایسی وضع اور پستی اختیار کرنی چاہیے کہ تمام دنیا پستی اور تواضع میں تمھاری شاگرد ہوجائے اور تم اس شعر کے مصداق ہوجاؤ اور بابانگ دہل یوں کہو ؎

افروختن و سوختن و جامہ دریدن
پروانہ زمن ، شمع زمن گل زمن آموخت

پروانہ نے جلنا، شمع نے روشن ہونا اور پھول نے گریبان چاک کرنا مجھ سے سیکھا ہے۔
غرض! تم ایسے متواضع ہوجاؤ کہ ہر چیز میں تمھاری تواضع کا اثر ظاہر ہو۔ تم کو ظاہری اسبابِ عزّت کی ضرورت نہیں۔ انسان تو وہ ہے جو کمالات میں بادشاہ ہو، گو ظاہر میں فقیر ہو۔

۱۱۔ تم کسی کی تحقیر کی پرواہ نہ کرو۔ اگر کوئی لباس پر طعن کرے کرنے دو۔ کوئی تمھارے طرز میں عیب نکالے، نکالنے دو۔ تمھارے لیے اللہ کی رضا کافی ہے۔ تم ان کو راضی کرنے کی فکر کرو اور یاد رکھو کہ عشق کی ملامت سننے کے لیے تیار رہو۔ اپنے لیے کوئی خاص وضع نہ بناؤ۔ جو محبوب دے پہنو۔ شال دے شال اوڑھو، کمبل دے کمبل اوڑھو۔ ہر حال میں خوش رہو مگر حدودِ شرعیہ سے باہر نہ جاؤ۔ آپ پر گریہ و بکاء کا غلبہ تھا۔ حضرت تھانویؒ نے آپ کے گریہ کی کثرت کی وجہ سے ''بکاء'' کا لقب دیا تھا۔

ٹھہرے گا دل ، تھمیں گے اشک آہ مگر ابھی نہیں
غم ہے یہ دل لگی نہیں ، رونا ہے یہ ہنسی نہیں
اس دلِ زار سے مفر ، عشق میں جیتے جی نہیں
رونا ہے مجھ کو عمر بھر ، غم میرا عارضی نہیں

(اقوالِ سلف، ج:۶،ص:۱۹۵)

۱۲۔ تم اپنے آپ کو مٹادو، گمنام کردو، سب سے الگ ہوجاؤ، تو پھر تمھاری محبوبیت کی یہ شان ہوگی کہ تم چپ ہوگے اور تمام مخلوق میں تمھارا آوازہ ہوگا جیسے عنقاء نے اپنے کو مٹایا تو اس کا نام اس قدر مشہور ہوا کہ مخلوق کی زبان زد ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

میں تو نام و نشاں مٹا بیٹھا
میرا شہرہ اُڑا دیا کس نے
(حاجی امداد اللہؒ)

جس نے اپنا مٹایا نام و نشاں
ہفت اقلیم کا بنا سلطاں
(مولانا احمدؒ)

حضرت مولانا سراج احمد امروہیؒ خلیفہ حکیم الامت تھانویؒ

(ولادت:۱۳۰۱ھ یا ۱۳۰۲ھ۔ وفات: ۲۴رصفر ۱۳۹۹ھ۔ مدفون امروہہ)

ایک طالب کو آپ نے ہدایت کی: مقصود روحانی جذب وکشش ہے جس کا طریق صرف اتباعِ سنت ہے۔ جو بحمدہ تعالیٰ آپ کو حاصل ہے۔ عمر بھر اگر گریہ اور رِقّت نہ ہو لیکن اتباعِ سنت میسر ہو تو یہ شخص واصل بحق ہے۔ (سراج الامت،ص:۷۷)

صدق واخلاص

اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ ''ہر عمل صالح میں نیت حصولِ قرب ورضائے حق تعالیٰ

یا حصولِ ثواب و دخولِ جنت ہو۔ غرضِ دنیا سے بالکل پاک وصاف ہو، بس یہی حقیقت صدق و اخلاص کی ہے اور نیت اختیاری شے ہے، اختیار سے کام لیا جائے۔ (سراج الامت)

جنت کا ذکر گھروں میں بکثرت کیجیے

اپنے اپنے گھروں میں بکثرت جنت اور دوزخ کا ذکر کیجیے۔ اس سے آخرت کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ سے محبت پیدا ہوتی ہے، دنیا سے دل پھرتا ہے، دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت فنا ہوتے نظر آنے لگتی ہے۔ آدمی آخرت کی تیاری میں لگ پڑتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بکثرت اپنے گھروں میں جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے تھے۔ جنت کے ذکر سے انسان اپنے اندر آخرت کی دائمی راحتوں کا یقین پیدا کرتا ہے، اس سے اس کو نفس کے مارنے میں مدد ملتی ہے اور سہولت ہوتی ہے، چھوٹے چھوٹے بچے سادہ لوح ہوتے ہیں۔ ان کے دل و دماغ بالکل صاف ستھرے اور خالی ہوتے ہیں لہٰذا ابتداء میں اس پر جو کچھ نقش کر دیا جاتا ہے، پختہ اور پائیدار ہوتا ہے۔ جب آپ جنت کا ذکر اپنے گھروں میں کرتے رہیں گے تو آپ کے بچوں کے کانوں میں یہ پڑی ہوئی بات ان کے ایمان اور اسلام کی پختگی کا سبب بنے گی۔ (سراج الامت، ص:۱۸۸)

فکرِ آخرت

ارشاد فرمایا: بندے کو چاہیے کہ اپنے تمام معاملات میں حق تعالیٰ پر توکل کرے۔ جو کچھ حق تعالیٰ نے دے رکھا ہے اس پر قناعت کرے۔ یہ نہ سمجھے کہ فکرِ دولت سے دولت مند ہو جائیں گے۔ حلال پر قناعت کر کے حرام سے اپنا منہ موڑ لے۔ اپنا جو حال ہو، اپنا جو مال ہو، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے اسی میں مصلحت سمجھے۔ اسی کو اپنے لیے بہتر تصور کرے۔ دین کے معاملے میں قناعت سے ہرگز کام نہ لے بلکہ حرصِ آخرت اپنے دل میں بڑھاتا ہی رہے، فکر آخرت میں لگ جائے۔ دین کی حرص اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے بھی تھے کہ میاں بیوی دونوں کے پاس ایک تہبند تھا اور باری باری سے نماز پڑھا کرتے تھے، مگر اسی حال میں خوش تھے۔ اسی میں مست تھے۔ ان کو تو صرف ایک غم غمِ آخرت اور ایک فکر فکرِ آخرت تھی۔ دولت و غربت ان کی نظر میں برابر تھی۔ (سراج

الامت، ص: ۲۳۵)

(فائدہ: سبحان اللہ! یہ ارشادات کس قدر مفید مضامین پر مشتمل ہیں جو ہم سب کے لیے راہنما ہیں۔ لہٰذا علم وعمل کی نیت سے ان کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے۔ (اقوالِ سلف)

عارف باللہ شیخ کامل حضرت حاجی محمد شریف ہوشیار پوری ملتانیؒ
خلیفہ حضرت تھانویؒ

انہی کا دھن انہی کا دھیان

زندگی گزارنے کا طریقہ کتاب (قرآن) اور سنت (حدیث) کا اتباع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طلب میں بے چین رہنا چاہیے۔ اُن ہی کی دھن اُن ہی کا دھیان، بس یہی دین ہے۔ کسبِ دنیا ناجائز نہیں۔ مگر دل ادھر ہی لگا رہنا چاہیے، ہر سانس ایک بیش قیمت جواہر اور گویا بھر پور خزانہ ہے، جس سے ابدی سعادت حاصل ہوسکتی ہے، اور جب عمر پوری ہوگی تو آخرت کی تجارت ختم ہوگی۔ وقت کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر اس کی قدر کرنا چاہیے، آنکھ بند ہوتے ہی وقت ضائع کرنے کا پتہ چل جائے گا، پھر حسرت ہوگی مگر یہ حسرت کام نہ آئے گی۔ پھر دار الحساب ہوگا، وہاں عمل ہیں۔ اب ہم دار العمل میں ہیں، اس حساب کی تیاری کرلینا چاہیے۔ تمام تحقیقات، تدقیقات دھری رہ جائیں گی، جس نے سب غموں کو ایک غم بنالیا اور وہ ہے غمِ آخرت تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیاوی غموں کے لیے بھی کافی ہوجاتے ہیں اور جس نے سب غموں کو اپنے اوپر سوار کرلیا حق تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے۔

(تذکرۂ اولیاءِ دیوبند، ص: ۵٦٦)

مولائے کریم تو بہت رحیم وکریم ہیں ان سے رحمت کی بہت امیدیں ہیں۔ بحوالہ سابق

حضرت حاجی محمد شریف صاحب کی وصایا

۱- میں اپنے احباب سے استدعاء کرتا ہوں کہ میرے سب معاصی صغیرہ وکبیرہ عمداً وخطاً کے لیے مجموعی طور پر استغفار فرمادیں اور جو میرے اندر عاداتِ بد اور اخلاقِ ذمیمہ و رذیلہ ہیں، ان کے اِزالہ کی دعا فرمادیں۔

۲- میرے اخلاقِ سیئہ کے باعث بہت سے بندگانِ الٰہی کو حاضرانہ و غائبانہ میری زبان اور ہاتھ سے تکالیف و ایذائیں پہنچی ہیں، خصوصاً اسکول کے زمانۂ تعلیم میں سینکڑوں طلبہ کو میں نے جسمانی سزائیں دیں جو حضرات مجھ سے دینی تعلق رکھتے ہیں ان کو بھی زبانی طور پر سختی سے متنبہ کرنے کی نوبت آئی، سخت گیری اور مواخذے بھی کرتا رہا، علاوہ ازیں بعضوں کی غیبتیں بھی ہوئیں، ایسے مواقع پر ضرورت سے زیادہ شدت یا نفس کی آمیزش کا احتمال ہے، میں نہایت عاجزی سے چھوٹے بڑوں سے با اَدب استدعا کرتا ہوں کہ للہ دل سے معاف فرمادیں، اللہ تعالیٰ ان کی بھی تقصیرات سے درگذر فرمادیں گے۔ اور ان کے درجات بھی بلند ہوں گے۔ میں بھی ان کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں عفو و عافیت عطا فرمادیں، معذرت کرنے والے کی تقصیر سے درگذر کرنے والے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

۳- میرے حق میں جو دوسروں سے کوتاہیاں ہوگئی ہیں، میں بطیبِ خاطر گذشتہ اور آئندہ کیلئے محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور اپنی معافی کی توقع پر سب معاف کرتا ہوں۔

۴- اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس وقت میرے ذمہ کسی کا قرض نہیں اور حق تعالیٰ کا جو معاملۂ فضل اس نا کارۂ خلائق کے ساتھ ہے، اس سے اُمید ہے کہ انشاء اللہ آئندہ بھی اس سے محفوظ رہوں گا۔ اگر ایسا اتفاق ہو یا کسی کی امانت میرے پاس ہوئی تو اس کی یادداشت زبانی یا تحریری کردی جائے گی۔

۵- اہلیہ کا مہر میں ادا کرچکا ہوں، مکان مسکونہ ۷۰۹، نواں شہر ملتان، میں اہلیہ کو ہبہ کرچکا ہوں۔ اس میں جتنی چیزیں پیوست (گڑی ہوئی) ہیں مثلاً برقی پنکھے، نلکا وغیرہ دیگر اشیاء یہ سب مکان ہی کا حصہ ہیں۔ دوسری چیزیں اکثر میری ملک ہیں۔ ان میں جو چیز اہلیہ اپنی مِلک بتائے اس کا قول قابلِ قبول وتصدیق ہے۔ (مذکورہ مکان اہلیہ نے مجھے دوبارہ ہبہ کردیا ہے لہٰذا اب یہ مکان میری موت پر ورثاء میں تقسیم ہوگا۔ ۱۵رمئی ۱۹۸۲ء محمد شریف عفی عنہ)

۶- میں اپنے احباب کو وصیت کرتا ہوں کہ حتی الامکان دنیا و ما فیہا سے دل نہ لگائیں اور کسی وقت فکرِ آخرت سے غافل نہ ہوں، ہمیشہ ایسی حالت میں رہیں کہ اگر اسی وقت پیغامِ اجل آجائے تو جانا ناگوار نہ ہو۔ ہر وقت یہ سمجھیں ع شاید ہمیں نفس نفسِ واپسیں بود!

اصلاحِ نفس کی فکر رکھیں۔ نفس کو کبھی ڈھیل نہ دیں۔ صحبت اہل اللہ کا التزام رکھیں۔ مسائل کے لیے ہمیشہ بہشتی زیور مطالعہ میں رکھیں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ کے مواعظ کے مطالعہ کی پابندی رکھیں۔ حسنِ خاتمہ کو تمام نعمتوں سے افضل و اکمل اعتقاد رکھیں، اور الحاح وتضرع سے اس کی دعائیں کرتے رہیں، ایمانِ حاصل پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے رہیں۔ خود اپنے لیے بھی دعا کی درخواست و التجاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا بھی خاتمہ ایمان پر فرمادیں۔

۷- میری رقم کا چوتھائی حصہ بہ نیت حقوق العباد و فدیہ و زکوٰۃ فقراء و مساکین کو دیدیئے جائیں کہ شاید کچھ ذمے باقی ہوں۔

۸- میرے ایصالِ ثواب کے لیے کبھی جمع نہ ہوں، نہ اہتمام سے نہ بلا اہتمام۔ ہر شخص منفرداً خود جس کا دل چاہے، دعاء وصدقہ اور عباداتِ نافلہ سے نفع پہنچائے۔ کم از کم تین بار سورۂ اخلاص ہی بخش دیا کریں۔ انشاء اللہ یہ عمل خود ان کے حق میں بھی نافع ہوگا۔

۹- جس شہر یا گاؤں میں میرا انتقال ہو مجھے وہیں کے عام قبرستان میں دفن کیا جائے، کسی دوسری جگہ منتقل نہ کیا جائے، اور نہ ہی میرے لیے عام قبرستان سے الگ کوئی جگہ منتخب کی جائے۔ اگر ملتان میں انتقال ہوتو ہماری مسجد کے ساتھ جو قبور کے لیے جگہ ہے وہاں دفن نہ کیا جائے۔

۱۰- میرے جنازہ میں شرکت کے لیے کسی رشتہ دار یا کسی بزرگ کا انتظار نہ کیا جائے۔ وقت پر جتنے افراد موجود ہوں، نمازِ جنازہ پڑھ کر جلد از جلد قبرستان پہنچانے کی کوشش کریں۔ بے تکلّف مخلص احباب جو فوراً پہنچ سکیں ان کو اطلاع کا مضائقہ نہیں۔

۱۱- مجھے قبر میں سنت کے مطابق ٹھیک داہنی کروٹ پر قبلہ رُخ لٹایا جائے۔ میت کو سیدھا لٹا کر صرف چہرہ کا رُخ قبلہ کی طرف کردینے کا دستور غلط اور خلافِ سنت ہے۔

۱۲- میت کو غسل دیتے وقت جو کپڑا ناف سے زانو تک ڈالا جاتا ہے وہ تر ہونے کے بعد جسم کے ساتھ چپک جاتا ہے جس سے جسم کی رنگت اور حجم نظر آنے لگتا ہے، از راہِ کرم مجھے غسل دیتے وقت ناف سے زانو تک کے حصے پر کسی چادر کو دونوں طرف سے دو آدمی پکڑ کر جسم سے ذرا اونچا کھینچ کر رکھیں، اس بات کا خاص اہتمام کیا جائے، عنایت ہوگی۔

۱۳- آخر میں ناظرینِ کرام سے اس دعاء کی درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سفرِ آخرت سے قبل تمام حقوق اور میرے مظالم سے سبکدوش فرمادے۔ اور آخرت میں ہر طرح کے مواخذہ سے محفوظ رکھے۔

۱۴- گھر میں حضرتِ والا نور اللہ مرقدہ کا عطا فرمودہ ایک رومال ہے، اس کا نصف میرے کفن میں رکھ دیا جائے باقی نصف اہلیہ کے کفن میں رکھنے کے لیے محفوظ رکھ لیا جائے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خط جو علیحدہ کر کے رکھ لیا گیا ہے اس کو جلا کر اس کی راکھ حضرت والا رحمہ اللہ کے رومال میں باندھ کر میرے کفن میں رکھ دی جائے۔

۱۵- مرض الوفات میں اگر کوئی نماز رہ جائے اس کا فدیہ بھی اہتمام سے ادا کر دیا جائے، ویسے اللہ کی ذات عالی سے اُمید ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے تادم آخر نمازیں ادا کرنے کی توفیق و ہمت عطا فرمادیں گے۔

۱۶- میرے داماد ڈاکٹر احسان الحق مرحوم کی معرفت میری اور میری اہلیہ کی کچھ رقم لاہور میں سیّد نذیر احمد صاحب کے پاس تجارت میں لگی ہوئی ہے، جس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، اس کمی بیشی کا حساب میں اپنی لاہور والی بیٹی کو بتلاتا رہتا ہوں، جو حساب میری بیٹی بتلائے اسے ٹھیک سمجھا جائے۔ سیّد نذیر احمد صاحب بھی معتمد انسان ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی ایک تحریر بھی میرے پاس موجود ہے۔ یہ تحریر بھی میری بیٹی کے پاس رہے گی۔

آخر میں اپنے تمام اعزہ، احباب اور متعلقین سے درخواست ہے کہ وہ احقر کو حتی الامکان دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ ۲۱ر جمادی الثانی ۱۴۰۰ھ

(مکتوبات، باب ہفتم، ص: ۳۶۹) (اکابر کی عبرت انگیز وصایا، ص: ۲۴۹)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ صاحب سیرتِ مصطفیٰؐ

خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ

(ولادت: ۱۲ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ۔ وفات: ۸رجب ۱۳۹۴ھ/ ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء مدفون لاہور)

کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی مختصر تشریح: اسلام کے معنی عربی زبان میں کسی کے

سامنے گردن جھکا دینے کے ہیں اور اصطلاحِ شریعت میں اسلام کے معنی یہ ہیں کہ نبی آخرالزماں کی ہدایت کے مطابق اپنے ربّ کریم کے سامنے گردن جھکا دے اور اس کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے۔

اسلام کا کلمہ 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ' ہے جس کے دو رکن ہیں۔ پہلا رکن توحید ہے۔ اور دوسرا رکن رسالت ہے۔ لا الٰہ الا اللہ میں توحید کا بیان ہے اور محمد رسول اللہ میں رسالت کا بیان ہے۔ بغیر توحید و رسالت کے اقرار کے آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ لا الٰہ الا اللہ: لفظ الٰہ باعتبار اپنے ماخذ اور مصدر کے دو معنی کا احتمال رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ ذات جو اپنے جلالی و جمالی کمالات کے باعث قابلِ عبادت اور لائق پرستش ہو اور دوم یہ کہ وہ ذات جو اپنی بے انتہا خوبیوں کے سبب سے اس کی طرف متوجہ ہونے والوں کو حیرت میں ڈال دے۔ پس اگر کلمہ لا الٰہ الا اللہ میں معنی اوّل کے اعتبار سے الٰہ کی نفی مراد ہو تو اس تقدیر پر کلمہ شریف کا مطلب اس طرح بیان کیا جائے گا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی ذات ایسی نہیں کہ جو اس قدر جلال و جمال اور کمال بے مثال کے ساتھ موصوف ہو جس کی بنا پر وہ معبود ہونے کے لائق ہو سکے۔ اس کے جلال و جمال کی کوئی حد اور نہایت نہیں اور اس کے جود و نوال (بخشش) کی کوئی غایت نہیں۔ لہٰذا اس کے سوائے کوئی قابلِ عبادت اور لائقِ پرستش نہیں۔ اور اگر لفظ 'اِلٰہ' سے معنیٔ ثانی مراد لیے جائیں تو اس لحاظ سے کلمۂ توحید کا مطلب یہ ہوگا کہ تمام دائرۂ وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی موجود ایسا نہیں کہ جو اپنے بے شمار محامد و محاسن کی وجہ سے نظارہ کرنے والوں کو ایسی حیرت میں ڈال دے کہ وہ اس حیرت میں پڑ کر از خود رفتہ ہو جائیں۔ اور اس بے خودی کے عالم میں اپنی ہستی کو بھول جائیں اور وہ اس حسن و جمال اور کمالِ بے مثال کے سامنے سربسجود ہو جائیں اور تہہ دل سے پروانہ کی طرح نور الانوار پر قربان ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ الٰہ سے خواہ قابلِ عبادت اور لائقِ پرستش کے معنی مراد ہوں اور خواہ متحیر اور بے خود کرنے والے کے معنی مراد ہوں بہرصورت اس معنی کے مصداقِ حقیقی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں۔ پس نہ مادّہ اور طبیعت میں یہ صلاحیت ہے اور نہ نیچر اور ایتھر میں یہ لیاقت ہے کہ وہ ذاتِ حق بن سکے۔ سب کا خالق اور مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور نیچر سب اس کے مخلوق اور

مملوک ہیں اور وہی ذاتِ حق ان دونوں کا خالق اور مالک ہے۔ سیبویہ جو صرف ونحو کا امامِ عالی مقام ہے، اس نے کہا کہ لفظ اللہ 'وَلِہَ' سے مشتق ہے جس کے معنی حیرانی وسرگردانی کے ہیں اور لفظ اللہ کے یہ معنی بتائے ہیں کہ لوگ سرگردان اور حیران ہوکر اپنی حاجتوں میں بصد عجز وزاری اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اس سے التجا کرتے ہیں اور کلمۂ شہادت کو کلمۂ توحید اور کلمۂ اخلاص بھی کہتے ہیں اور 'لا الٰہ الا اللہ' کو کلمۂ نفی واثبات بھی کہتے ہیں۔ 'لا الٰہ' میں ان تمام معبودوں کی نفی ہے جو حق تعالیٰ کے سوا ہیں یعنی کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں، اور کوئی اس کے مثل اور مانند نہیں اور کوئی اس کے سوا صانع اور مدبر نہیں اور کوئی اس کا شبیہہ اور نظیر نہیں۔ اور الا اللہ اثبات ہے یعنی وہ موجود برحق ہے اور معبودِ برحق اللہ ہے۔ اور عام صفات کمال میں یکتا اور یگانہ ہے۔ اور تمام چیزوں کا مدبر اور ان میں متصرف ہے۔ لفظ اللہ ان تمام معنی کا جامع ہے۔ جو شخص کلمہ لا الٰہ الا اللہ ان معانی کے لحاظ سے پڑھے وہ تمام انواعِ کفر وشرک سے پاک ہوجائے اور اہلِ توحید میں داخل اور شامل ہوجائے اور توحید کا دار و مدار پانچ چیزوں پر ہے۔

(۱) اوّل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام اسمائے حسنٰی وصفاتِ اعلیٰ کے ساتھ حقیقتاً موصوف جانے اور ان میں ایسی تاویل نہ کرے جو حقیقت سے نکل کر مجاز کی حد میں داخل ہوجائے کیونکہ یہ ایک قسم کی تعطیل ہے۔

(۲) دوم یہ کہ بندہ کو اپنے افعال کا خالق نہ کہے۔ کفر اور معصیت سے اللہ کے ارادہ اور مشیت کی نفی نہ کرے اس لیے کہ یہ ایک طرح کی تشریک ہے۔

(۳) سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوقات کی صفات پر قیاس نہ کرے جس سے اللہ اور مخلوق میں مماثلت اور مشابہت شامل ہوجائے اس لیے کہ یہ ایک قسم کی تشبیہ اور تمثیل ہے۔

(۴) چہارم یہ کہ مادّہ اور روح کو قدیم نہ کہے اور یقین رکھے کہ اللہ کے سوا سب چیزیں اللہ کی مخلوق اور حادث ہیں۔ مادّہ اور روح کو قدیم ماننے میں تعلیل کا شائبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عالم کا خالق نہیں بلکہ علتِ موجبہ ہے جیسا کہ فلاسفہ کہتے ہیں۔

(۵) پنجم یہ کہ نظامِ کائنات اور تنوعاتِ عالم کو طبائع اور کواکب ونجوم کے تاثر کا نتیجہ نہ سمجھے۔ اس سے تدبیرِ الٰہی میں تشریک مفہوم ہوتی ہے۔

اُمید ہے کہ جو شخص ان معانی کا لحاظ کر کے کلمۂ توحید پڑھے گا وہی توحید کا حق ادا کرے گا۔

'محمد رسول اللہ' یہ کلمہ اسلام کا دوسرا رکن ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام عالم کے باشندوں کو یہ حکم ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے خالق و مالک کا رسول یعنی فرستادہ اور پیغامبر مانیں اور جو اس نے پیغامات سنائے اور جو احکام پہنچائے ان کو حق اور صدق جان کر بے چون و چرا دل و جان سے تسلیم کریں اور سرِ مو ان میں شک نہ کریں اور تمام احکام کو واجب التعمیل جانیں۔ اور اخلاص و نیازمندی کے ساتھ نبی ﷺ کے احکام پر سرِ تسلیم جھکا دیں اور اس کی طاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت جانیں۔ (صفحہ ۳۷ تا ۶۷)

فائدہ: سبحان اللہ! کلمۂ توحید کی کیسی عمدہ تشریح فرمائی جو ہر مسلمان کو پیش نظر رکھنے کے لائق ہے۔

ایک مرتبہ نماز کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: قرآن حکیم میں ہے ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (سورۂ نور، آیت: ۴۱) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف انسان ہی نہیں، کائنات کی ہر چیز اللہ کی عبادت میں مصروف ہے۔ کس کی عبادت کس نوعیت کی ہے، یہ خود اسی کو معلوم ہے۔ چنانچہ اس سے آگے ہے ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ﴾ (سورۂ نور، آیت: ۴۱) یعنی ہر ایک اپنی صلوٰۃ و تسبیح کو جانتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ خود تمام مخلوق کی عبادت کی خبر دے رہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون سی مخلوق کیسی عبادت میں مشغول ہے تو غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اشجار کی عبادت بحالت قیام ہے، بہائم و چوپائے رکوع کی حالت میں ہیں، تمام حشرات الارض سربسجود ہیں۔ پہاڑوں کی عبادت قعود کے ذریعے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ساری مخلوق کی عبادت ان چار طریقوں میں منحصر ہے۔ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس لیے اس کے لیے جو عبادت یعنی نماز مقرر کی وہ بھی تمام عبادتوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

یہ بھی فرمایا کہ: آنحضرت ﷺ جب معراج کے لیے تشریف لے گئے تو ملکوتِ سماوات میں آپ نے ملائکہ کو دیکھا کہ بعضے صرف حالتِ قیام میں اللہ تعالیٰ کا حقِ عبودیت ادا کر رہے ہیں

اور بعضے رکوع میں ہیں اور بعض سر بسجود ہیں۔ اور کچھ حالتِ التحیات میں بیٹھے اللہ کی حمد و تسبیح کرر ہے ہیں تو حق تعالیٰ نے آپ کے لیے نماز جیسی عبادت میں ملائکہ کی تمام انواع و اقسام کی عبادات جمع فرما دیں۔ گویا بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو وہ فرشتوں کا قیام وقعود اور رکوع وسجود، تسبیح و تحمید اور تحیہ سب کچھ بجالاتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور حکمت یہ بیان فرمائی: جب آدمی کسی کی تعظیم کرتا ہے تو اس کے تین رُتبے ہوتے ہیں: سب سے ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ آدمی کھڑا ہو جائے۔ اوسط رُتبہ یہ ہے کہ جھک جائے اور سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ سر بسجود ہو جائے۔ نماز میں اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں طریقے جمع کر دیے ہیں۔ آخر میں قعدہ ہے۔ التحیات کے لیے بیٹھتے ہیں تو یہ تعظیم کی تینوں حالتوں کا تتمہ ہے اور تکملہ ہے۔ اور التحیات میں تین حقوق جمع ہیں، اللہ کا، اللہ کے رسول کا اور عام مسلمانوں کا اور آخر میں دعاء ہے۔

ایک مجلس میں قرآنی ارشاد ﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ (سورۂ آلِ عمران، آیت:۱۰۳) کے بارے میں وضاحت کرر ہے تھے کہ اتفاق سے کیا مراد ہے اور تفرقہ کا کیا مفہوم ہے؟ اور قرآن کس اتحاد کا طلبگار ہے؟

فرمایا: نہ ہر اتفاق محبوب ہے اور نہ ہر اختلاف مذموم۔ چوروں، اُچکوں اور غلط جماعتوں کا اتفاق ہرگز محبوب اور پسندیدہ نہیں۔ قرآن کا منشا یہ ہے کہ حق پر متفق ہو کر رہے۔ اور ''و لا تفرقوا'' کا مطلب یہ ہے کہ حق سے جدائی اختیار مت کرو۔ حق سے جدا ہونا ناپسندیدہ بھی ہے اور تباہی کا باعث بھی لیکن باطل سے جدا ہونا ہی بہتر (بلکہ ضروری) ہے۔

اربابِ حکومت اعلان کرتے ہیں کہ اتفاق سے رہو۔ فرقہ واریت مت پھیلاؤ۔ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ قانونِ حکومت کی پیروی کرو اور اس پر اتحاد رکھو۔ جو قانون حکومت کے خلاف چلے گا وہ تفرقہ انداز کہلائے گا۔ اسی طرح قانونِ خالقِ کائنات کو سمجھو جو اس کے مطابق چلے گا وہ اتفاق کرنے والا اور متحدہ ہونے والا کہلائے گا اور جو اس کے خلاف چلے گا وہ تفرقہ انداز اور اخلاف پیدا کرنے والا کہا جائے گا۔ (ص:۱۵۸)

آپ فرمایا کرتے تھے کہ روحانی ترقی کے لیے (۱) اکلِ حلال یعنی حلال روزی۔

(۲) صدقِ مقال یعنی بات اور وعدہ کا سچّا ہونا۔ (۳) فرائض کا بروقت ادا کرنا۔ (۴) بندوں کے حقوق ادا کرنا۔ (۵) ضرورت کے مطابق علمِ دین حاصل کرنا ضروری ہے۔

جو شخص ان امور کا پابند ہے وہ صحیح معنوں میں مسلمان اور مومن ہے۔ ہر مومن بنصِ قرآنی ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۵۷) ولی اللہ ہے۔ اگرچہ ولایت کے درجے متفاوت ہیں۔ احکامِ شریعت کے خلاف عمل یا اعتقاد رکھنے والا متقی اور اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا۔ اگر ایسے شخص سے کوئی خرقِ عادت بات ظاہر ہو تو وہ کرامت نہیں استدراج (اللہ کی طرف سے ڈھیل) ہے۔

فرمایا: تم چاہتے ہو کہ نمازیں پڑھنے، روزے اور عبادت کرنے سے باطنی اسرار اور کشف و کرامات کا اظہار ہو اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿وَ اسْتَقِمْ عَلَيْهَا﴾ دین پر استقامت حاصل کرو۔ اگر تم کو دین پر استقامت حاصل ہوجائے تو یہ مطلوبِ حق تعالیٰ ہے۔ اور کشف و کرامت تیرا مطلوب ہے اور تیرے مقصود سے حق تعالیٰ کا مطلوب افضل ہے، پس یہی مقصودِ اصلی بنانے کے لائق ہے۔

ما برائے استقامت آمدیم
نے پئے کشف و کرامت آمدیم

یعنی ہم دین پر استقامت کے لیے آئے ہیں، نہ کہ کشف و کرامت کے لیے۔

فرمایا: اتباعِ سنت کا راستہ تمام راستوں سے قریب اور آسان ہے۔ صبح کی نماز با جماعت ادا کرنے سے پوری رات کی عبادت کا ثواب ملتا ہے اور عشاء کی نماز با جماعت ادا کرنے سے نصف شب کی عبادت کا ثواب ملتا ہے اور جو تہجد کی نماز ادا کرے تو وہ نہایت خوش قسمت ہے کہ اللہ نے اس کو خاص مناجات کا موقع عطا فرمایا۔ اس طرح ایک رات گزرنے پر ڈیڑھ رات سے زیادہ عبادت کا ثواب اور اس پر مزید انعام و اکرام یہ سب اتباعِ سنت کی بدولت ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ کتاب و سنت میں احسان کا ذکر موجود ہے۔ پس یہی تصوف اور طریقت ہے۔

نیز فرماتے تھے کہ دل آئینہ کی طرح ہے۔ اس کو پانی سے صاف کرلو یا پیشاب سے صاف کرو۔ روحانی (شرعی) اعمال کے علاوہ سفلی یعنی ناپاک اور گندے اعمال سے انسان قوتِ استدراج یا خرقِ عادت حاصل کرلیتا ہے لیکن مردود ہے۔

(فائدہ: ظاہر ہے کہ جب قلب کو پیشاب یعنی غیر شرعی اعمال سے صاف کرے گا تو صاف تو ہوجائے گا مگر پاک نہ ہوگا۔ اور ضرورت صفائی کے ساتھ پاکی کی بھی ہے۔ بخلاف شرعی اعمال کے کہ اس کی بجا آوری سے قلب کی صفائی اور پاکی دونوں حاصل ہوتی ہے۔)

نیز فرمایا کہ بیعت مسنون اور مندوب ہے، واجب نہیں ہے۔ البتہ بیعت کا مقصود اصلاح وتزکیۂ نفس واجب اور فرض ہے۔ اور نفس کا تزکیہ اور اصلاح بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ سلف صالحین، انصار ومہاجرین اور تابعین میں اصل چیز صحبت تھی۔ صحابی کی فضیلت آنحضرت ﷺ کی صحبت کی بناء پر ہے۔ خیر القرون اور اس کے بعد، بیعت وخرقہ کا اہتمام نہ تھا بلکہ صحبت کا التزام اور اہتمام تھا۔

فائدہ: مگر افسوس کہ اب بیعت کا اہتمام تو کسی قدر ہے مگر صالحین کی صحبت کا اہتمام نہیں بلکہ اس کی ضرورت تک تسلیم نہیں کرتے۔ اس لیے باوجود بیعت کے صلاح وتقویٰ سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ اس لیے یہ سلسلہ بھی بدنامی کا شکار ہورہا ہے۔ (اقوالِ سلف، ۵-۱۷۱ (۲)

۱۔ آدمی تب کامل ہوتا ہے جب اس میں تین صفتیں موجود ہوں۔ اس کا علم فقہاء جیسا ہو، عبادت اولیاء جیسی ہو اور اس کے اعتقادات متکلمین جیسے ہوں۔

۲۔ زہد کا آخری درجہ یہ ہے کہ مال آنے پر آدمی اتنا خوش نہ ہو کہ غرور اور تکبر میں مبتلا ہوجائے اور مال کے چلے جانے پر اتنا غم نہ ہو کہ یاس اور ناامیدی لازم آئے۔ (اکابر علماء دیوبند، ص: ۲۸۶)

۳۔ اپنی نشست و برخاست ہمیشہ ان لوگوں کے ساتھ رکھیے جنھیں دیکھ کر اللہ یاد آجائے۔ (اکابر علماء دیوبند، ص: ۴۰۹)

۴۔ اب میں اوّل اپنے نفس کو اور داعیانِ جلسہ اور حاضرینِ مجلس کو نصیحت کرتا ہوں کہ فقط اس پر اکتفا نہ کریں کہ سال بھر میں ایک مرتبہ سیرتِ مبارکہ کے نام سے جلسہ کرلیا کریں

بلکہ دل و جان سے اس نبی اُمی فداہ نفسی و ابی و اُمّی ﷺ کا یہ سمجھ کر اتباع کریں کہ آپ ﷺ کا اتباع ربّ ذوالجلال کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔(خطباتِ اکابر۲/۲۲)

۵۔ نصیحت تو یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے فضائل و کمالات کا ذکر کریں تو اصالۃً نبی اور رسول برحق ﷺ ہونے کی حیثیت کو ملحوظ رکھیں۔ محض بادشاہ یا عاقل یا مقنّنین ہونے کی حیثیت سے آپ ﷺ کے کمالات کو بیان کرنا زیادہ موجبِ عظمت نہیں۔ اصل عظمتِ نبوت کی حیثیت سے ہے جس پر ایمان اور نجاتِ اُخروی کا مدار ہے بادشاہت اور عقل مدار ایمان نہیں۔ اور محض شوہر ہونے کی حیثیت سے آپ ﷺ کے کمالات کو بیان کرنا یہ ایک زنانہ تخیل ہے۔

نیز فضائل و کمالات کے بیان سے اطاعتِ رسول ﷺ مقصود ہونی چاہیے۔ کسی بادشاہ کی مدح میں جلسہ منعقد کر لینا اور اطاعت نہ کرنا یہ بادشاہ کی خوشنودی کا ذریعہ نہیں ہوسکتا۔
(خطباتِ اکابر، ج:۱،ص:۹۷)

بابا وکیل نجم احسن نگرامیؒ مجاز صحبت حضرت تھانویؒ

(ولادت: ۱۳۱۰ھ لکھنؤ۔ وفات: ۱۳۹۶ھ بمقام کراچی۔)

۱۔ اہتمامِ تقویٰ مطلوب ہے لیکن اگر اس پر نظر ہے تو عجب ہے، انا ہے۔ اہتمامِ تقویٰ ہمارا مزاج ہوجانا چاہیے۔ ہماری عادتِ ثانیہ بن جانی چاہیے کہ احساس ہی نہ رہے کہ ہم اہتمامِ تقویٰ کرتے ہیں۔ (اقوالِ سلف، ج:۵،ص:۴۰۹)

۲۔ منتہی کی یہی شان ہوتی ہے کہ ہر آن یہی سمجھتا ہے کہ ابتداء ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تعلق غیر منتہی سے ہے لہٰذا ہر قدم ابتداء ہے۔

ہو جائے سہل عشق کا وہ ماجرا نہیں
ہر آن ابتداء ہے کبھی انتہاء نہیں

۳۔ بات یہ ہے کہ اس دنیا میں مشاہدہ ممکن نہیں۔

آنکھوں سے دیکھنے کا جو امکان ہی نہیں
کیوں یاد ہی کو دید نہ سمجھا کرے کوئی

۴۔ لوگ کہتے ہیں کہ نماز میں جی نہیں لگتا۔ ارے بھائی! لگے کیسے؟ ظاہر بالکل شریعت کے خلاف، باطن شریعت کے خلاف۔ جی کہاں سے لگے۔ میں کہتا ہوں کم سے کم حیات المسلمین پڑھیں۔ نہ سمجھ میں آئے پوچھ لیں اور اپنی اصلاح کریں۔ کچھ تو نفع ہو۔ ۲ بٹے ۱۰۰ ہی سہی، ا بٹے ۱۰۰ ہی سہی۔

مقصودِ حیات

ہستیٔ فانی کو ملتی ہے حیاتِ سرمدی
اللہ اللہ عشق محبوبِ خدا تری بہار

عشق والوں کیلئے جائز بھی ہوجائے حرام
گر نہ ہو معلوم آقا کا تھا کیا اس میں شعار

اتباعِ سیّدِ کونینؐ ہر ہر بات میں
ہے اسی پر زندگی والوں کے جینے کا مدار

دل نہیں حبِ محمدؐ سے تجلی پاش اگر
گر نثار اس نام پر ہوتے نہیں پروانہ وار

زندگی کو زندگی کہنا بھی پھر بیکار ہے
ایسے جینے پر تو بیٹھی ہے اجل بھی سوگوار

زندگی بے بندگی شد آہ از طغیانِ ما
رحم فرما اے خدایت جسم ما و جانِ ما

دل میں دردِ عشق ہو، یا خدا ہنگامہ ساز
تشنہ کاموں کو بقدر ظرف دے صہبائے راز

پاس اپنے کوئی سرمایہ، کوئی پونجی نہیں
ہاں مگر تیرے محمدؐ کی غلامی پر ہے ناز

پھر عطا ہو صدقۂ محبوبِؐ شاہِ رسل
درجۂ معراج پر فائز ہو مومن کی نماز

اتباعِ سیّدِ کونینؐ کی توفیق دے
دل میں ہو حبِ محمدؐ ہر نفس ایماں نواز

احسن عاصی کو دے ایک جام صہبائے حیات
اے کہ تیری ذات ہے ہر بندگی سے بے نیاز

زندگی معمورِ عشق سیّد ابرارؐ باد
ز اتباعش گلشن حسنِ عمل گزار باد

(ذکر احسن، ص:۱۴۳۔ اقوالِ سلف، ج:۵، ص:۴۱۲)

حضرت میاں شیر محمد شرق پوری قصوری رحمۃ اللہ علیہ

جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: جب پہلی نظر نامحرم پر پڑے تو معاف ہے، پھر نظرِ ثانی کرنا حرام ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تاکنے سے بچتے رہو، اس تاکنے سے دل میں شہوت کا بیج پڑتا ہے، جو کہ فتنے میں گرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہوتا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ زنا کی ابتدا کس طرح ہوتی ہے؟ فرمایا: دیکھنا اور للچانا۔

حضرت فضیل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ابلیس کہتا ہے کہ نظر کرنا اور تاکنا میرا پرانا تیر اور کمان ہے کہ نشانہ پر لگے بغیر نہیں رہتا۔ اب جس طرح عورتوں سے نظر بچانا ضروری ہے اسی طرح خوبصورت لڑکوں سے بھی نظر کا بچانا عورتوں سے زیادہ ضروری ہے، عورتوں کی طرف دل راغب ہوگا تو اس سے نکاح کر کے تمنا کو پہنچ سکتا ہے اور لڑکوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ پناہ بخدا! لواطت کا کام ایک برا فعل ہے، جس سے حیوانات بھی نفرت کرتے ہیں، ایسا برا کام صرف خنزیروں میں ہوتا ہے۔ اب جو انسان خنزیر صفت ہوگا وہی اس برے فعل کی طرف راغب ہوگا۔ بر رسولاں بلاغ باشد و بس۔ (خزینۂ معرفت، ص: ۱۴۵)

میرے بھائیو! اگر آدمی کان کو بند کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، آنکھ کو بند کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، زبان کو بند کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، مگر دل کو جس پر کچھ نہیں پہنچ سکتا اسے کس طرح تخیلات سے بند کر سکتا ہے۔ دل کو خیالات سے بند کرنے کے لیے دل ہی چاہیے، وہ دل جو ماسوا سے فارغ ہو چکا ہو، اس میں نور رہتا ہے۔ وہ اپنے تصرف سے دل کو قابو میں لاتا ہے اور اپنی توجہ سے اس کے فاسد اور ردّی خیالات نکالتا ہے، بارہا دیکھنے میں آیا ہے کہ شیخ کامل کی صحبت میں حاضر ہوتے ہی کایا پلٹ جاتی ہے۔ (خزینہ معرفت، ص: ۲۱۹)

یقین دانم دریں عالم کہ لا معبود الا ھو

و لا موجود فی الکونین لا مقصود الا ھو

خاموشی عجیب چیز ہے اور یہ بغیر گوشہ نشینی کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اَلسُّکُوْتُ مِفْتَاحُ الْعِبَادَۃِ۔ سکوت عبادت کی چابی ہے۔

اَلسُّکُوْتُ مِنْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ خاموشی رحمت الٰہی سے ہے۔ (ص: ۳۱۷)

نبی کریم ﷺ کی تعریف نظموں اور لفظوں میں نہیں ہے، بلکہ حال میں ہے، تم ایسے بن جاؤ کہ تمھارا ہر فعل، ہر قول، ہر حرکت، ہر عمل، سنت رسول ﷺ کے مطابق ہو۔

(تذکرۂ اولیاء دیوبند، ص: ۲۷۰۔ خزینہ معرفت، ص: ۳۱۷)

مومن کی زبان دل کے پیچھے رہتی ہے، مومن پہلے دل میں سوچ لیتا ہے پھر زبان سے باہر نکالتا ہے اور منافق کی زبان دل کے آگے رہتی ہے، وہ بے سوچے سمجھے جو چاہتا ہے بک دیتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ عبادت کے دس حصے ہیں، نو حصے عبادت تو خاموشی اور چپ رہنے میں ہے اور ایک حصہ عبادت لوگوں سے الگ رہنے میں۔ (ص: ۱۴۵)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منہ میں کنکر رکھ لیتے تاکہ بولنے سے رکے رہے۔ (۱۴۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جو کوئی اللہ پاک اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا چپ رہے۔ (خزینہ معرفت، ص: ۱۴۴)

حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری فاضل دیوبند

(ولادت ۱۸۶۸ھ وفات ۱۳۶۸ھ، مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء۔ مدفون پاکستان)

مسلمانوں میں اتحاد کی ضرورت واہمیت

اتحاد واتفاق تنظیم وسنگٹھن میں مسلمانانِ ہند بہت نیچے گرے ہوئے ہیں، ہماری قوم میں جس قدر اختلافات، پھوٹ، فرقہ بندی اور نااتفاقی ہے، ہندوؤں میں ہے نہ سکھوں میں، عیسائیوں میں ہے نہ دنیا کی کسی قوم میں۔ غرضیکہ ساری قومیں متحد اور متفق ہوکر اپنے سیاسی، مذہبی اور ملّی مفاد کو حاصل کرنے میں کوشاں اور منہمک ہیں۔ مگر آہ! ایک ہم ہیں کہ نہ ہماری سیاسی پارٹیاں متحد ہیں اور نہ ہی مذہبی انجمنیں، نہ عوام میں اتفاق ہے اور نہ خواص میں اتحاد۔ کیا اچھا کہا

ہے شاعر نے ۔

ترقی کر رہی ہیں اور قومیں علم و حکمت میں

ہماری قوم لیکن مبتلائے خوابِ غفلت ہے

جو ہیں دو بھائی تو ہے ایک کا ایک دشمن جانی

نہ آپس میں محبت ہے نہ باہم ربطِ اُلفت ہے

سنائیں کس کو افسانہ غم و آلام کا اپنے

طبیعت میں مسلمانوں کی کیا جوشِ حمیت ہے

بہرکیف! اتحاد و اتفاق کی تعلیم وہ قانون ہے جس سے لوگوں میں اخوت و محبت کی زیادتی اور اس کی اجتماعی قوت کی مضبوطی ہوسکتی ہے۔ اس سے مخالفوں کے قلوب میں دہشت پیدا ہوسکتی ہے۔ اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کی جرأت اور ہمت نہیں پڑتی۔ مشاہدہ کے طور پر مکّھی کو لیجیے دنیا کے جمیع جانور سے کمزور ہوتی ہے، دو انگلیوں کے درمیان پسی جاسکتی ہے لیکن اس کی ایک جماعت اجتماعی صورت میں سیکڑوں انسانوں کو اضطراب کی گھاٹ اُتار سکتی ہے۔

ناظرین کرام! بھلا اس عظیم اصول کو اسلام کس طرح فراموش کرسکتا تھا۔ جوں ہی اسلام دنیا میں آیا، تمام لوگوں کو ایک مرکزِ اتحاد و اتفاق پر جمع کردیا۔ جو قبیلہ اسلام سے پیشتر دوسرے قبیلہ سے لڑتا تھا، جو خاندان دوسرے خاندان کے خون کا پیاسا تھا، اسلام کی تعلیم کی وجہ سے خاندانوں اور قبیلوں کے جھگڑے مٹ گئے، سب لڑائیاں ختم ہوگئیں۔ مختلف قبیلے کے لوگ، مختلف خاندانوں کے لوگ اور مختلف مذاہب کے پیرو سب ایک مسلک میں منسلک ہوگئے۔ اسی چیز کو اللہ عزوجل نے بیان کیا ہے:

﴿وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا وَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا﴾ (آل عمران:۱۰۳)

اتحاد و اتفاق کے ساتھ اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑو اور آپس میں تفرقہ پردازی مت کرو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو جبکہ تم لوگوں کا رشتہ ایک دوسرے سے ٹوٹا ہوا تھا، اللہ جل شانہ نے اپنی رحمت و شفقت سے تم سب کو ایک جگہ ملا کر جمع کردیا۔

یعنی قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسّی سمجھو۔ جیسے کوئی شخص کسی گڑھے میں پڑے ہوئے شخص کو رسّی لٹکا کر نکالتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن اُتارا، تم اس کو مضبوط پکڑو، جیسے نکلنے والا رسّی کو پکڑتا ہے، جو رسّی کو نہ پکڑے تو گر پڑتا ہے، تم سب مل کر اسی قرآن مجید کو مضبوط پکڑو اور اسی پر عمل کرو۔ نئی نئی باتیں نکال کر دین میں پھوٹ نہ ڈالو۔

یہی اتحاد و اتفاق اور اسلامی ہمدردی تھی کہ جب ان کو میدانِ جنگ میں دشمن کے مقابلہ میں صف بستہ دیکھا تو خلاقِ عالم نے ان الفاظ میں تعریف کی:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ بے شک اللہ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بندی کے ساتھ قتال کرتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پگھلائی ہوئی عمارت ہے۔ (سورۂ صف، آیت ۴)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ان محبوب بندوں سے یقیناً محبت رکھتا ہے جو اللہ کی راہ میں جس وقت صف بستہ ہوتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دیوار سیسہ پگھلائی ہوئی ہے۔

اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کا یہ تھا کہ ان میں نہ کوئی رخنہ و انتشار ہے نہ اختلاف و اختلال ہے بلکہ وہ سب ایک ہیں اور متفق ہو کر دشمن کے سامنے اس طرح کھڑے ہیں جس طرح فولادی دیوار ہوتی ہے۔

قرآن پاک دوسری جگہ بنی آدم کو تعلیم دیتا ہے:

﴿لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ (سورۂ انفال، آیت ۴۶)

اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔

یعنی اگر تم فتنہ اور فساد کرو گے تو تمھاری دھاک نکل جائے گی اور تم کمزور ہو جاؤ گے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اس اصولِ اسلامی کو چھوڑنے کی وجہ سے آج دنیا کو خصوصاً مسلمانوں کو کس کس مصیبت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے؟ کیا بہار اور کلکتہ وغیرہ کے درد انگیز واقعات آپ کے لیے درسِ عبرت نہیں بن سکتے؟ اتنی تعداد میں مسلمان ہونے کے باوجود کس ظلم و قہر کے ساتھ قتل کیے گئے؟ اسی اتحاد و اتفاق کی بدولت بدر کے موقع پر ۳۱۳ آدمی ہزاروں کا مقابلہ کر کے فتح حاصل کر لیتے ہیں اور آج ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود شکست اور ناکامی ہے۔ ہوسکتا ہے

کہ اس کے وجوہ اور علل بہت ہوں لیکن عدمِ اتحاد و اتفاق ایک وجہ ضرور ہے اور اسی قانون کو چھوڑنے کا نتیجہ ہے۔

کیا کبھی آپ نے صلوٰۃ خمسہ پر غور کیا ہے؟ کبھی آپ نے صلوٰۃ جمعہ وصلوٰۃ عیدین اور عرفہ کے اجتماع پر تحقیق و تدقیق کی نظر ڈالی؟ کیا یہ صلوٰۃ یومیہ آپ کو اتحاد و اتفاق اور اخوت و ہمدردی کی تعلیم نہیں دیتی ہے؟ چونکہ تمام مسلمان اپنے کاروبار چھوڑ کر ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور جماعت بند ہو کر کھڑے ہوتے ہیں تو نہ امیر و غریب کا امتیاز باقی رہتا ہے نہ ماتحت و آقا کا، بلکہ اس معبود یا مسجود کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لحاظ سے سب برابر ہوتے ہیں۔ کیا خوب کہا کسی شاعر نے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب ومحتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

اسی اتحاد و اتفاق سے اخوت اور بھائی چارگی قائم ہوسکتی ہے اور وہی اصل مقصود ہے، جس کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

لَا تَحَاسَدُوْا وَ لَا تَبَاغَضُوْا وَ لَا تَدَابَرُوْا کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا

آپس میں حسد و بغض نہ رکھو اور نہ قطع تعلق کرو بلکہ مل کر آپس میں اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ۔ (مشکوٰۃ، ص:۴۲۷۔ بخاری، ص:۸۹۶۔ مسند احمد، ج:۱، ص:۵)

اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾ (سورۂ حجرات، آیت ۱۰)

بیشک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ۔

یعنی سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اگر بتقاضۂ بشریت ایک دوسرے سے اختلاف و نزاع واقع ہو تو صلح کرا دو اور جب صحیح معنوں میں اخوت اور بھائی چارگی پائی گئی تو ایمان کے مراتبِ علیا میں قدم رکھا جس کے متعلق حدیث شریف میں ارشاد ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ بِلِسَانِهٖ وَ يَدِهٖ (بخاری، سنن نسائی، مسلم وغیرہ)
مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔
یعنی مسلمان کامل وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو ایذاء وتکلیف نہ پہنچے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ اِنِ اشْتَكٰى رَاْسُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ۔

سب مسلمان مانند ایک جسم کے ہیں، اگر آنکھیں درد کرتی ہیں تو سارا جسم اس کی وجہ سے بے چین رہتا ہے اور اگر سر میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم اس کا اثر محسوس کرتا ہے۔

بعینہٖ مسلمانوں کو چاہیے اگر ایک مسلمان پر مصائب وتکالیف آ پڑیں تو دوسرے مسلمان کو اس کا اثر محسوس کر کے اس کے دفعیہ کی صورت اختیار کرنی چاہیے۔ جب اتحاد واتفاق کے ساتھ حقیقی معنوں میں اخوتِ کاملہ پائی جائے گی تو آپ اور میں، تم اور ہم میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔

ف: ماشاء اللہ تعالیٰ مولانا امرتسری کا یہ مضمون باہم اتحاد واتفاق کی اہمیت وضرورت کے سلسلے میں نہایت مفید وبصیرت افروز ہے، جو مسلمانوں کے ہر طبقے کے لیے قابلِ توجہ بلکہ واجب العمل ہے۔ (مرتب)

مقصدِ مذہب پر تحقیقی مضمون

ہندوستان میں تقابلِ مذاہب کے سلسلے میں کسی مجلس یا جلسے کا اہتمام ہوتا تو مولانا کو خاص طور سے بلایا جاتا۔ چنانچہ انجمن احمدیہ لاہور کے انتظام سے لاہور میں ایک ایسی ہی مذہبی کانفرنس بتاریخ ۲۸، ۲۹ دسمبر ۱۹۲۳ء منعقد ہوئی جس نے تمام مذاہب کو شرکت کی دعوت دی کہ اپنی اپنی کتاب کی روشنی میں بتاؤ کہ مذہب کا کیا مقصد ہے؟ مدعوئین میں مولانا امرتسری بھی تھے چنانچہ مولانا اس کانفرنس میں شریک ہوئے اور نہایت جامع اور مفید مضمون پڑھا، اس لیے ناظرین کرام کی بصیرت ونصیحت کے لیے پورا مضمون نقل کرتا ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

صاحبان! کچھ شک نہیں کہ انسان کی پیدائش مثل سونے کے ہے، جو باوجود قیمتی جوہر ہونے کے کان سے خاک آلود نکلتا ہے، بعد میں صاف ستھرا کیا جاتا ہے، تو قدر و قیمت پاتا ہے، اسی طرح انسان اپنی فطری حالت میں نفسانی آلائشوں سے آلودہ ہے جن سے صاف ہونا اس کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰهَا وَ قَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَا﴾ (سورۂ شمس، آیت ۹)

یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس کو پاک کرلیا، اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔

پس ثابت ہوا کہ مذہب سے مقصد ہے 'تہذیبِ نفس'، دیگر ہیچ۔ یعنی انسان جن آلائشوں میں آلودہ ہے ان سے پاک ہونے کی کوشش کرنا اس کا فرض ہے تاکہ نتھرے ہوئے سونے کی طرح خالص ہوجائے۔ سچ ہے

تا مثلِ حنا سودہ نہ گردی تہ سنگ
ہرگز بکفِ دست نگارے نہ رسی

یعنی جب تک مہندی کی طرح پتھر کے نیچے پسے نہیں جاؤ گے کسی محبوب کے ہاتھ کی ہتھیلی تک تمھاری رسائی نہ ہوسکے گی۔

امرِ تنقیح طلب ابھی باقی ہے کہ وہ کیا آلائشیں ہیں جن سے پاک کرنا مذہب کا مقصد ہے۔ مجمل بیان اس کا قرآن شریف نے ان لفظوں میں فرمایا ہے:

﴿کَلَّا اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَیَطۡغٰی اَنۡ رَّاٰهُ اسۡتَغۡنٰی﴾ (سورۃ العلق، آیت ۶، پارہ ۳۰)

بیشک انسان سرکش ہوجاتا ہے اس وجہ سے کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے۔

نیز فرمایا:

﴿کَلَّا بَلۡ رَانَ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ مَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ﴾ (سورۃ المطفّفین، آیت:۱۴)

بلکہ ان کے دلوں پر زنگ ہے اس کے سبب جو وہ کماتے تھے۔

یہ تو مجمل بیان ہے، قرآن نے اس کی تفصیل فرمائی ہے جو یہ ہے۔

کچھ شک نہیں کہ انسان کے تعلقات مختلف اور متعدد ہیں مگر آسانی کی غرض سے دو قسموں میں آسکتے ہیں: ایک تعلق خدا سے اور دوسرا مخلوق سے۔ خدا سے جو تعلق ہے وہ بندگی اور

عبودیت کا ہے۔ دوسری قسم کا تعلق بنی نوع انسان سے ہے جس کو تمدنی کہتے ہیں۔

پہلی قسم عبودیت: عبودیت کا تعلق یہ ہے کہ انسان اپنے خالق مالک کو پہچانے۔ پہچان کر جو تعلقات اس کے ساتھ ہوں وہ کسی دوسرے کے ساتھ دل میں نہ لائے۔ قرآن مجید کا مختصر ارشاد ہے:

﴿وَ قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ﴾ (سورۃ النحل، آیت ۵۱)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دو معبود مت بناؤ۔

کسی کے ساتھ ایسا تعلق پیدا کرنا، انسان کے لیے خاک آلود ہونا بلکہ اس سے بھی بدتر ہے کیونکہ قرآن مجید نے اس قسم کی آلائش کا نام شرک رکھا ہے جس کی صورت یہ بتائی ہے۔

﴿وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِیْقٍ﴾ (سورۂ حج، آیت:۳۱)

جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے گویا کہ وہ آسمان سے گرا، پھر پرندے نے اسے نوچ لیا یا ہوا نے اسے کسی دور مکان پر پھینک دیا۔

صاحبان! اس تعلق (توحید) کو قرآن مجید نے اتنا بڑا ضروری قرار دیا ہے کہ اور گناہوں پر بھی گو سزاؤں کے اعلان جاری کیے مگر اس شرک کی بابت جتنا سخت اعلان دیا کسی اور کی بابت نہیں دیا۔ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ﴾ (سورۂ نساء، آیت:۱۱۶)

بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا ہے کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔

کیونکہ یہ خدا کے ساتھ بغاوت ہے اور اسی سے سب قسم کی آلائشیں پیدا ہوتی ہیں۔ قرآنی اصطلاح میں شرک امُّ الامراض ہے اس لیے اس کی جتنی تفصیل کی ہے کسی اور کی نہیں کی، کیونکہ آلائشوں سے اصل جوہر انسانی (جس کا نام توحید ہے) مٹتا ہے جس کے مٹنے سے انسان کی جملہ صفاتِ حسنہ مٹ جاتی ہیں۔ توحید کے سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ﴾ (بقرہ:۱۱۲)

ہاں جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیا اور نیکوکار بن گیا پس اس کے لیے اس

کے رب کے پاس اجر ہے۔

اسی توحید کی بابت اپنے نبی سید الانبیاء علیہ السلام کو حکم دیتا ہے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذَالِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ (سورۂ انعام، آیت:۱۶۳)

کہہ دیں! بے شک میری نماز اور قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے خدا کا فرمانبردار ہوں۔

اسی مضمون کو اسلامی قومی شاعر خواجہ حالؔی مرحوم نے ایک بند میں یوں ادا کیا ہے۔

کہ ذات واحد عبادت کے لائق — زبان اور دل کی شہادت کے لائق

اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق — اُسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق

لگاؤ تو لو اپنی اس سے لگاؤ

جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ (مسدس حالؔی ص۱۲)

قرآن مجید کو اختصار نویسی میں خالص کمال ہے۔ چنانچہ درج بالا اختصار کو اور بھی مختصر کر دیا۔

﴿وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا﴾ (سورۂ مزمل، آیت:۸)

اور سب سے قطع کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو۔

جیسے ایک محبّ اپنے محبوب سے ملتا ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (سورۂ بقر، آیت:۱۶۵)

اور ایمان والے اللہ سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔

ان سب آیات کا نتیجہ ہے کہ جس مدعیٔ اسلام کے دل میں خدا کی محبت اور خوف مع انقیاد و اطاعت سب مخلوق سے زیادہ نہیں ہے تو وہ مسلمان نہیں، چاہے مدعیٔ اسلام ہو۔

خدا خیر دے شیخ سعدی کو جنھوں نے توحید کا مضمون ایک چھوٹی سی رباعی میں خوب ادا کیا ہے۔

موحد چہ در پائے ریزی زرش
و چہ تیغ ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس
ہمیں سب بنیاد توحید و بس

توحید کی اہمیت اور شرک سے بیزاری کے لیے جو کچھ کہا گیا ہے سمجھدار آدمی کے لیے کافی ہے۔ اب دوسرے مضمون کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

دوسری قسم تمدنی: یعنی بنی نوع انسان کے تعلقات کی جتنی قسمیں ہیں وہ کسی انسان سے مخفی نہیں۔ ان تعلقات میں آلائشیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کی مختصر فہرست یہ ہے۔

ظلم، دغا، زنا، بداخلاقی، مال مردم خوری بذریعہ چوری، ڈاکہ، کم ناپی، کم وزنی خاص کر یتیموں کا مال کھا جانا، انسان کی خداداد نعمت پر جلنا، کسی اپنے جیسے انسان کا بے جا قتل کرنا، اپنے پڑوسیوں، شہریوں اور ملکیوں کے حقوق پائمال کرنا، غصّے کی حالت میں حد سے نکل جانا، بے جا کینہ، عداوت، لالچ وغیرہ۔ یہ سب آلائشیں ہیں جن سے پاک ہونا (جس کو تہذیبِ نفس کہتے ہیں) انسان کا فرضِ مذہبی ہے اور اس کے متعلق معقول ہدایات دینا سچے مذہب کا فرضِ اوّلین ہے۔

قرآن مجید سب عیوب کی اصلاح بتاتا ہے۔ نہ صرف ایک آدھ دفعہ بلکہ انسانی فطرت کے مطابق بار بار مکرّر تنبیہات فرماتا ہے تاکہ بہ قاعدہ

گر ہمی خواہی کہ باشی خوش نویس
می نویس و می نویس و می نویس

انسان اپنی فطری کمزوریوں کی تلافی کر سکے۔

تہذیبِ نفس

میں عرض کر آیا ہوں کہ تہذیبِ نفس کا پہلا زینہ یا بنیادی پتھر خدائی تعلق ہے۔ اس لیے قرآن مجید اس بنیادی پتھر کو ہر جگہ مقدم رکھتا ہے۔ ناممکن ہے اس سے چشم پوشی ہو جائے کیونکہ یہی بنیادی پتھر امتیاز ہے مذہبی اور غیر مذہبی تہذیب میں۔

اب سنیے تہذیبِ نفس کے لیے جو کورس قرآن مجید نے بتایا ہے وہ یہ ہے:

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (سورۂ انعام، آیت: ۱۵۰-۱۵۳)

کہہ دیں! آؤ میں تمھیں بتاؤں کہ تمھارے رب نے تمھارے لیے کیا حرام کیا ہے، یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور اپنی اولاد کو بھوک کے خوف سے قتل نہ کرو، ہم تمھیں اور ان کو رزق دیتے ہیں اور فحاشی کے قریب نہ جاؤ، جو اس میں سے ظاہر ہو اور جو پوشیدہ ہو اور جس شخص کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق پر، یہ وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ وصیت کرتا ہے، تا کہ تم عقلمند بن جاؤ، مگر اچھے انداز میں، یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو، ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب کوئی بات کرو تو انصاف کی کرو اگر چہ تمھارا قریبی کیوں نہ ہو اور اللہ کے وعدے کو پورا کرو۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا حکم اللہ نے تمھیں دیا ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے پس اس کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر مت چلو وہ تمھیں اس کی راہ سے ہٹا دیں گے۔ اللہ تمھیں اس کی نصیحت کرتا ہے، تا کہ تم بچ جاؤ۔

یہ احکام کیسے ضروری ہیں، ان کی تفصیل اور تشریح کی حاجت نہیں ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَّ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صَالِحِیْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا ○ وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا○ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ، وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ○ وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا ○ وَ لَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا○ اِنَّ رَبَّكَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا ○ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِیَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِیْرًا ○ وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ سَآءَ سَبِیْلًا ○ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ○ وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ○ وَ اَوْفُوا الْكَیْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ○ وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا○ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا○ ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤی اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ (بنی اسرائیل، آیت۲۳-۳۹)

اور تمھارے رب نے حکم دے رکھا ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔ اگر تمھارے پاس دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچیں تو ان کو اُف بھی مت کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور دونوں سے عزت کے ساتھ گفتگو کرو اور محبت سے ان کے آگے جھک جایا کرو اور کہو اے میرے رب ان دونوں پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انھوں نے مجھ کو بچپن میں پالا ہے، تمھارا رب تمھارے دلوں کے رازوں کو خوب جانتا ہے، اگر تم نیک ہوگے تو بے شک وہ بھی نیک بختوں کو بخشنے والا ہے اور ناطے والوں اور مساکین اور مسافروں کے حقوق ادا کیا کرو اور فضول خرچی مت کیا کرو۔ بے شک فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے

رب کا ناشکرا ہے اور اگر تم اپنے رب کی مہربانی کے انتظار میں ان سے منہ پھیرلو جس کی تم امید رکھتے تھے تو ان سے نرم بات کیا کرو اور نہ اپنے ہاتھ کو گردن کے ساتھ باندھ رکھو اور نہ ہی اسے بالکل کُھلا چھوڑ دو پھر تم عاجز ہو کر بیٹھ جاؤ۔ بے شک تمھارا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے۔ ان کے حال سے باخبر ہے اور افلاس کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل مت کیا کرو۔ ہم انھیں اور تمھیں رزق دیتے ہیں، بے شک ان کا قتل بہت بڑی خطا ہے۔ اور تم زنا کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔ اور کسی جان کو جان کا مارنا اللہ نے حرام کر رکھا ہے، بے وجہ مت مارو اور جو مظلوم قتل کیا جائے ہم نے اس کے وارث کے لیے ڈگری کا حق دیا ہے، پس وہ قتل میں جلدی نہ کرے، اس میں شک نہیں کہ وہ مدد کا حقدار ہے اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اچھے انداز میں یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے اور وعدے کو پورا کرو بے شک وعدے کے بارے میں سوال ہوگا، اور جب ناپنے لگو تو پورا ناپو اور سیدھے ترازو سے وزن کیا کرو، یہ خوب ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے، اور ایسی باتوں کے پیچھے مت پڑو جس کا تمھیں علم نہ ہو، بے شک کان اور آنکھ اور دل ہر ایک سے سوال کیا جائے گا، اور زمین میں اکڑ کر مت چلو۔ بے شک تم زمین کو ہرگز پھاڑ نہیں سکتے اور نہ ہی طول میں پہاڑ جیسے ہو سکتے ہو۔ آپ کے رب کو یہ سب برائی پسند نہیں۔ یہ اس میں سے ہے جو حکمت کی باتوں میں ہے۔ آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہے۔ اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بناؤ ورنہ شرمندہ و ذلیل کر کے تمھیں جہنم میں ڈالا جائے گا۔

یہ وہ تعلیم ہے جو قرآن مجید نے تہذیبِ نفس کے لیے بتائی۔ کس قدر جامع تعلیم ہے۔

نیز تہذیبِ نفس کے بعض اعمال کی تعلیم ان آیات میں بھی دی گئی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا o وَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا o وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ o اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا o اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا o وَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا o وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ

اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا o يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا o اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا o وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا o وَ الَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا o وَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا o وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾

رحمٰن کے بندے زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل لوگ مخاطب ہوتے ہیں تو ان کو سلام کہتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو راتین اپنے رب کے لیے سجدے اور قیام میں گزارتے ہیں اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم سے جہنم کی آگ کو ہٹا دے بے شک اس کا عذاب بھاری مصیبت ہے، بے شک وہ برا مقام اور ٹھکانا ہے اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی بخل کرتے ہیں بلکہ ان کا معاملہ درمیان میں ہوتا ہے، اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو مارتے ہیں جس کا مارنا اللہ نے بغیر حق کے حرام کر رکھا ہے اور نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو یہ کرے گا وہ اپنے گناہ کی سزا بھگتے گا۔ قیامت کے روز اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا اور اس میں ذِلت اور رسوائی کے ساتھ ہمیشہ رہے گا، مگر جس نے توبہ کی اور نیک عمل کیے پس وہی ہیں جن کی برائیوں کو اللہ نیکیوں میں بدل دے گا، اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے اور جس نے توبہ کی اور نیک عمل کیے بے شک وہی اللہ کی طرف جھکتا ہے۔ اور وہ لوگ جو بیہودہ کاموں میں حاضر نہیں ہوتے اور جب وہ بیہودگی کے پاس سے گزرتے ہیں تو دامن بچا کر گزر جاتے ہیں اور وہ لوگ جب ان کو ان کے رب کی آیات سنائی جاتی ہیں تو بہرے اور اندھے ہو کر ان پر نہیں گرتے اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہماری بیویوں اور اولادوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔ (سورۂ فرقان: ۶۳ تا ۷۴)

یہ قرآن مجید کی تصویرِ تعلیم جو بغرض اصلاحِ نفس وہ دیتا ہے۔ اور ایک دوسرے موقع پر 'تہذیبِ نفس' کے بعض احکام نہایت اختصار سے جاری فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡئًا وَّ بِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّ بِذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡيَتٰمٰی وَ الۡمَسَاكِيۡنِ وَ الۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡجَارِ الۡجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالۡجَنۡبِ وَ ابۡنِ السَّبِيۡلِ وَ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرًا ۙ﴾

اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور قریبی رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور نزدیک اور دور کے پڑوسیوں اور ساتھ والوں اور مسافروں اور غلاموں کے ساتھ احسان کرو، بے شک اللہ متکبر اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (سورۂ نساء، آیت: ۳۶)

ایسی جامع تعلیم پر بھی انسان عمل نہیں کرتے کیونکہ انسان فطرتاً ایسا ہے کہ اس کو محض زبانی نصیحت کارگر نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات اس کی اصلاح کے لیے سیاست اور تعزیرات کی بھی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ کسی پنجابی عارف خدا کا شعر ہے۔

چار کتاباں عرشوں آئیاں پنجواں آیا ڈنڈا
ڈنڈے باہجوں پھجدا نائیں بے دینی واکنڈا

قرآن مجید خالقِ فطرت کی طرف سے ہے جو انسانوں کی فطری عادات سے پورا واقف ہے اس لیے اصلاحی احکام بصورتِ تعزیرات بھی اس میں آئے ہیں کیونکہ قرآن مجید اپنے اتباع کرنے والے کو مطلع کرتا ہے کہ جو میری کامل پیروی کرے گا میں اللہ کی طرف سے اس کو دنیا کی سب سے اعلیٰ عزّت دلوانے کا اعلان کرتا ہوں جس کا نام حکومت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾ (سورۂ آلِ عمران، آیت: ۱۳۹)

اور اگر تم مومن ہو گے تو تم ہی غالب آنے والے ہو۔

اسی اصول سے قرآن مجید میں زانیوں، چوروں اور ڈاکوؤں کی تعزیرات بھی آئی ہیں تا کہ ان کی تعزیرات کا اثر دوسروں پر بھی پڑے۔ اور لوگ ان تعزیرات کے خوف سے اصلاحِ نفس پر متوجہ ہوں۔ قرآن مجید میں گزشتہ زمانے کے نیک اور برے لوگوں کے قصّے بھی اسی غرض سے بیان ہوئے ہیں کہ لوگ اس نتیجہ پر پہنچیں کہ

از مکافاتِ عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو

چنانچہ ارشاد ہے: ﴿فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (سورۂ اعراف: ۱۷۶)
پس آپ قصے سنائیں تا کہ وہ غور وفکر کریں۔

قرآن مجید نے باوجود ہر قسم کی تفصیلات کے ان سب کا اختصار بھی کمال درجہ پر کر کے سامنے رکھ دیا، جس کی تمہید یہ ہے۔

کون نہیں جانتا دنیا میں جتنے فساد، جتنے جرائم، جتنے مقدمات، جتنی سزائیں ہیں سب کی بناء ایک ہی ہے جس کو لالچ اور طمعِ نفسانی کہنا چاہیے۔ چور چوری کرتا ہے تو اسی لیے، ڈاکو ڈاکہ مارتا ہے تو اسی لیے، غرض ہر کام میں یہی موذی جلوہ نمائی کر رہا ہے۔ اسی بنیادی اصول پر اطلاع دینے کے لیے فرمایا ہے: ﴿اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ﴾
ہر نفس کو اپنے فائدے کا لالچ ہے۔ (سورۂ نساء، آیت: ۱۲۸)
جس طرح مرض کا ذکر مختصر لفظوں میں کیا اسی طرح علاج بھی مختصر فرمایا:
﴿وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾ (سورۂ حشر، آیت: ۹)

اس کے علاوہ انسانی فرائض، عبادات، اخلاق وغیرہ کی ہر شاخ کو قرآن مجید نے بالتفصیل بیان کیا ہے۔ مگر میں وقت کی پابندی سے تفصیل عرض نہیں کر سکتا۔ ہاں جو صاحب ان قرآنی مضامین کو مفصل دیکھنا چاہیں وہ میری ناچیز تصنیفات 'القرآن العظیم'، 'تعلیم القرآن'، 'الہامی کتاب' اور 'تقابلِ ثلاثہ' ملاحظہ کریں۔

یہ مقصد جو میں نے بیان کیا ہے یعنی تہذیبِ نفس دراصل مقصدِ اصلی نہیں بلکہ ذریعہ ہے مقصدِ اصلی کا۔ مقصدِ اصلی نجات ہے مگر تہذیبِ نفس اس کے حصول کے لیے ذریعۂ خاص ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:
﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِىْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ (سورہ مریم، آیت: ۶۱)
یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو پرہیزگار ہوگا۔
دوسرے مقام پر اس سے ذرا واضح الفاظ ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (سورۂ قصص، آیت:۸۲)

اس آخرت کے گھر کو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کریں گے جو زمین میں بلندی اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور انجام کار پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

پس مذہبیت سے دو مقصد ہیں: ایک تہذیبِ نفس جو ذریعہ ہے دوسرے اصلی مقصد کا جس کا نام 'نجات' ہے۔ پس یہی اصل مقصد ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ (سورۂ آل عمران، آیت:۱۸۵)

جو آگ سے بچایا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا ھٰذَا مِنْ فَضْلِكَ۔ چونکہ میں قرآن مجید کو اپنا بلکہ جملہ انسانوں کا کامل ہدایت نامہ جانتا ہوں اس لیے اپنا اعتقاد دو شعروں میں ظاہر کر کے بعد سلام رخصت ہوتا ہوں''

جمالِ حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
نظر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاک رحماں ہے

(خادم اسلام ہیچ مداں ابوالوفاء ثناء اللہ، ایڈیٹر 'اہلحدیث')

مولانا نے وقت کی مشہور علمی شخصیتوں کی موجودگی میں اسلام کی عظمت و حشمت اور مقصدیت کو ایسے خوبصورت رنگ میں پیش کیا جس نے یہ ثابت کر دیا کہ انسانی فلاح و بہبود اور رشد و ہدایت کی ضمانت صرف اسلام ہی دیتا ہے، اسلام ہی بہترین ضابطۂ حیات ہے اور اسلام ہی باعث نجات ہے۔

(سوانح حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری، ص:۲۴۶) (اقوالِ سلف، ج:۵، ص:۲۱۶)

پروفیسر رشید کوثر فاروقیؒ کی وصایا

(ولادت: ۲۹/اکتوبر ۱۹۳۷ء۔ وفات: ۲۵/مارچ ۲۰۰۷ء)

۱۔ دنیا میں جو بھی آزمائشیں و مصیبتیں آئیں گی اُن پر صبر کرو اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اللہ سے رجوع ہوں تاکہ اللہ کی مرضی پوری ہو اور اللہ ہم سے راضی ہو۔

۲۔ ہر عبادت اپنے وقت اور محل پر ضروری ہے اور کوئی عبادت کسی دسری عبادت کی جگہ نہیں لے سکتی۔ مثلاً نماز کے وقت نماز ضروری ہے۔ زکوٰۃ کے وقت زکوٰۃ دینی ضروری ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں زکوٰۃ نہیں دیتا، اس کے بدلے سو رکعتیں نفل نماز پڑھتا ہوں۔

۳۔ گناہوں سے توبہ کرنے میں جلدی کرو۔ جو صلاحیت اور قوت اللہ نے دی ہے اس کے غلط اور ناجائز استعمال پر توبہ کرو۔ اس سے پہلے کہ وہ صلاحیت اور قوت جواب دے دے یا وہ مفلوج ہو جائے۔

ایک مصنف کو زنا کرنے کی عادت تھی۔ جب انھیں توبہ کی توفیق ہوئی تو انھوں نے زنا سے توبہ کر لی مگر پھر کچھ عرصے بعد اُس جگہ گئے اور اپنا منہ کالا کیا۔ اب کہ جب وہ گھر آئے اور لحاف کمر پر اوڑھنے کے لیے حرکت کی تو یکا یک آدھے دھڑ پر فالج گر گیا۔ اب وہ اکثر روتے تھے کہ میں نے توبہ کی مگر پھر گناہ میں مبتلا ہو گیا۔ اب میں وہ صلاحیت اور قوت ہی کھو چکا ہوں تو میری توبہ سے کیا فائدہ۔ اکثر مغموم رہتے اور روتے تھے۔ اس واقعے میں بڑا اسبق ہے۔

۴۔ قرآن مجید کو سمجھو اور اس پر عمل کرو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی محرم کا مہینہ آیا تو فسق و فجور میں پڑ گیا۔ یہ محرمی مسلمان ہے۔ کوئی رمضان آیا تو خوب نماز و روزے کا اہتمام ہو رہا ہے۔ یہ رمضانی مسلمان ہے۔ بہت سے بہت کوئی بنا تو مسجدی مسلمان بن گیا۔

میں "قرآنی مسلمان" بنانا چاہتا ہوں یعنی جو قرآن کے معیار پر پورے اُتریں۔ اسی خاطر میں نے 'الشبان المسلمون' قائم کی کہ نوجوان قرآن کے مطابق اپنی زندگی ڈھالیں۔

۵۔ مسلمان اپنی عبادت اور تعلق باللہ میں ایسا محو ہو جائے اور اس مقام تک پہنچ جائے جہاں

اسے کسی درد یا تکلیف کا احساس ہی نہ ہو۔ ان دو واقعات میں ہمارے درد کا درماں ہے:
پہلا واقعہ حضرت علیؓ کا کہ جب تیر اُن کے پیر میں پنڈلی میں پھنس گیا تو نکالنے میں تکلیف و درد ہونے لگا۔ فرمایا مجھے وضو کرنے دو اور جب میں نماز کی حالت میں رہوں گا تو اس وقت میری پنڈلی سے نکال لینا۔ چنانچہ ویسا ہی کیا گیا۔ انھوں نے کوئی درد محسوس ہی نہیں کیا اور اُنھیں پتہ بھی نہیں چلا کہ کہ تیر نکال لیا گیا ہے۔

اسی طرح مولانا حمید الدین فراہیؒ کے آپریشن کے وقت بھی اُن سے بتایا گیا کہ آپ کے شکم پر نشتر لگے گا۔ یہ بڑا آپریشن ہے۔ کیا آپ کو منظور ہے۔ انھوں نے فرمایا ''ٹھیک ہے۔ مجھے قرآن شریف دے دو۔ جب میں محو مطالعہ رہوں گا اُس وقت اپنا کام انجام دے دینا۔'' چنانچہ قرآن پاک انھیں دے دیا گیا۔ وہ محو مطالعہ ہوئے۔ پھر فرمایا کہ کیا آپریشن ابھی تک شروع نہیں ہوا؟ ڈاکٹروں اور شاگردوں نے کہا 'حضور! آپریشن مکمل ہو گیا۔ الحمد للہ! کام پورا ہو گیا۔'

۶۔ گناہ کے بعد گناہ ہی کی نوعیت کے مطابق نیکیاں کرو۔ مثلاً اگر کسی نے خدانخواستہ سو روپے رشوت لی ہے تو وہ اب اللہ سے توبہ کرے، صدق دل سے توبہ کرنے کے بعد رشوت لینا بند کر دے اور وقتاً فوقتاً سو روپے یا جو حیثیت ہو اللہ کی راہ میں روپیہ خرچ کرے۔ انفاقِ مال کے ذریعے اپنے گناہوں کو دھو ڈالے اور اللہ کو راضی کر دے۔

۷۔ 'توکل علی اللہ' پر اکثر زور دیتے۔ ایک جگہ پر انھوں نے فرمایا: آدمی اپنے گرد و پیش سے، اہل و عیال اور اعزہ سے بے وفائی دیکھ کر اللہ سے بدگمان ہوتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ سب نے وفائی کی مگر وہ دنیا میں جیا تو اسی لیے کہ اللہ نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔

(بقلم بشیر الدین شیخ، صدر الشبان المسلمون، پونہ)

شیخ الہند کے نزدیک پوری دنیا میں مسلمانوں کی تباہی کے اسباب

میں نے جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیاوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں؟ تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے:

۱) ایک ان کا قرآن کا چھوڑ دینا۔

۲) دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔

اس لیے میں وہاں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معنیً عام کیا جائے۔ بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی قائم کیے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درس کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیم پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کی باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔

۱۔ اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن انگریز ہے جس سے ترکِ موالات فرض ہے۔

۲۔ تحفّظِ ملّت اور تحفّظِ خلافت کے خالص اسلامی مطالب میں اگر برادرانِ وطن ہمدردی اور اعانت کریں تو جائز اور مستحقِ شکریہ ہیں۔

۳۔ استخلاصِ وطن (آزادیٔ وطن) کے لیے برادرانِ وطن سے اشتراکِ عمل جائز ہے۔ مگر اس طرح کہ مذہبی حقوق میں رخنہ واقع نہ ہو۔

۴۔ اگر موجودہ زمانے میں توپ، بندوق، ہوائی جہاز کا استعمال مدافعتِ اعداء کیلئے جائز ہوسکتا ہے باوجودیکہ قرونِ اولیٰ میں یہ چیزیں نہیں تھیں تو مظاہروں اور قومی اتحادوں اور متفقہ مطالبوں کے جواز میں تامل نہ ہوگا۔ کیونکہ موجودہ زمانہ میں ایسے لوگوں کیلئے جن کے ہاتھ میں توپ، بندوق، ہوائی جہاز نہیں ہیں یہی چیزیں ہتھیار ہیں۔

وصایا انبیاء واولیاء انسائیکلوپیڈیا (جلد سوم، صفحہ: ۵۶)

Wasaya Encyclopedia

Volume Three

Maulana Mufti Mohd. Sameen Ashraf Qasmi

Publisher

Maulana Hafiz Mohd. Razeen Ashraf Nadwi

Flat No. 8, Silver Arc Apt., Bhagyodev Nagar,
Kondhwa, Pune - 411 048, 09370187569